عقائد اہلسنت

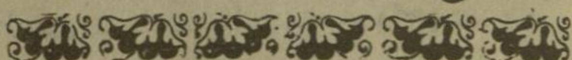
مرتبہ: علامہ مشتاق احمد نظامی مدیر ”پاسبان“

مکتبہ فریدیہ ساہیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

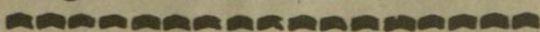
مکتبہ فریدیہ کی عظیم پیشکش

عقائد اہلسنّت



مرتبہ

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آباد



ناشر

مکتبہ فریدیہ

جناح روڈ ـــــ ساہیوال



نام کتاب ——— عقائد اہلسنت

مرتبہ ——— خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آباد

ناشر ——— مکتبہ فریدیہ جناح روڈ ساہیوال

سائز ——— ۲۲×۱۸/۸

ضخامت ——— ۲۴۰ صفحات

تعداد اشاعت ———

کتابت ——— جبار طارق خوشنویس ساہیوال

مطبوعہ ——— تجارت پرنٹرز ۴۳ ریٹیگن روڈ لاہور

قیمت ——— ۱۲ روپے مجلد



عنوانات کتاب

عرضِ ناشر

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، کہ قبولیتِ اعمال کا مدار عقائد کی صحت پر ہے جسطرح بغیر وضو نماز صحیح نہیں ہوتی، کوئی درخت بغیر جڑ کے سرسبز و شاداب ہو کر منازلِ ارتقاء طے نہیں کر سکتا۔ اور کوئی عمارت بنیاد کے بغیر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔ اسی طرح بغیر عقیدۂ صحیحہ کے کوئی عمل بارگاہِ صمدیت میں مقبول و منظور نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ نیک اعمال کی کمی کو عقیدہ کی صحت پورا کر دیتی ہے۔ لیکن غلط عقائد کی کمی کو اعمال کی کثرت پورا نہیں کر سکتی۔ بیسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ ایک آدمی کے پاس نیک اعمال زیادہ نہیں لیکن عقیدہ کی صحت بخشش کا سبب بن گئی۔

اور ایسی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی کہ کسی آدمی کے نیک اعمال بغیر عقیدۂ صحیحہ کے بخشش کا سبب بنے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عقائد کی صحت پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ لہٰذا آج ہم آپ کی خدمت میں ایک ایسی کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جسے پڑھ کر آپ اپنے عقائد کو درست رکھتے ہوئے بدعقیدگی کی تمام آلائشوں سے اپنی متاعِ ایمان کو محفوظ رکھ سکیں گے۔

یہ کتاب خطیب مشرق علامہ **مشتاق احمد نظامی** (ایڈیٹر پاسبان الٰہ آباد) کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ خدائے قدوس کا شکر ہے کہ موصوف کی اس گراں مایہ تالیف **عقائد اہلسنت** کو پاکستان میں پہلی مرتبہ شائع کرنے کا شرف آپ کے محبوب **مکتبہ فریدیہ** کو حاصل ہوا ہے۔ ادارہ نے اس عظیم کتاب کو اپنی سابقہ روایات کے مطابق شایانِ شان طریقہ سے پیش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ امید ہے قارئین کرام ہماری اس پیشکش کو بنظرِ استحسان دیکھیں گے اور نہ صرف خود بلکہ اپنے حلقۂ احباب تک مذکورہ کتاب کو پہنچانے میں ادارہ کے ممد و معاون ثابت ہوں گے۔ فقط والسلام

محتاجِ دُعا ابوالعطا حافظ **نعمت علی چشتی سیالوی**

ناظم مکتبہ فریدیہ۔ جناح روڈ۔ ساہیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ حبیبہ الذی اصطفیٰ

عقائد اور معمولات اہلسنّت

کا علمی و تحقیقی جائزہ

عقیدہ توحید ———— ! بنام اسلام و مسلمان مذہب اہلسنت ہی ایک ایسا مذہب و مسلک ہے جو افراط و تفریط سے یکسر خالی ہو کر اپنی احتیاط و اعتدال پسند روش میں ہر ایک سے منفرد و ممتاز ہے۔ اور یہی وہ مذہب حق ہے جو ما انا علیہ و اصحابی کا آئینہ دار ہے۔

مُخبر صادق سید عالم روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشنگوئی کہ میری امت میں تہتّر فرقے ہوں گے ان میں بہتّر جہنمی اور ایک ناجی ہے اسی ناجی فرقے کا دوسرا نام اہل سنت وجماعت ہے۔ ہماری نظر میں توحید و رسالت کا ایک ایسا بنیادی تصور ہے جس سے تمام فرقہ ہائے باطلہ یکسر محروم ہیں ہم اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے حتی کہ سجدۂ تعبّد تو درکنار غیر خدا کے لئے سجدۂ تعظیمی کو بھی حرام سمجھتے ہیں —— گنبد خضرا کی چھاؤں میں پہونچنے کے بعد ہم اپنے نبی و رسول کی قبر کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ کھڑے ہو کر ان کی بارگاہ بیکس پناہ میں صلوٰۃ وسلام کی نذر گذارتے ہیں۔ یہیں سے اہلسنت کا نکھرا ہوا مزاج سمجھ میں آگیا کہ جب ہم رسول خدا کی قبر کو سجدہ نہیں کرتے تو غوث و خواجہ کی قبر کو کیونکر سجدہ کریں گے۔ یہ تو ایک الزام تراشی و بہتان بندی ہے کہ اہلسنت قبروں کو سجدہ کرتے ہیں معاذ اللہ صد معاذ اللہ جب ہم اس کا یقین و اعتقاد رکھتے ہیں کہ سرور کونین روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم خود اس بزرگ و برتر کی بارگاہ میں نیازمندانہ پیشانی جھکاتے تو اس علم و یقین کے بعد کون ایسا سرپھرا ہوگا جو اُس معبود حقیقی کا آستانہ کرم چھوڑ کر کسی غیر اللہ کی چوکھٹ پر سجدہ عبادت یا سجدہ تعظیم کو درست و روا سمجھے گا جب کہ سید عالم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فرمان واجب الاذعان ہمارے سامنے ہے کہ اگر مری شریعت میں سجدہ عبادت کے سوا کوئی اور سجدہ درست ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کریں حقیقت کے اس اجالے میں کون سجدہ عبادت یا سجدۂ تعظیم کو درست کہہ کر اپنی عاقبت برباد کرے گا؟

البتہ بُرا ہو اس گروپ بندی اور تنگ نظری کا جس نے آج ایک دنیا کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی کو باندھ رکھا ہے جو اپنی آنکھوں سے ہماری اُن کتابوں کا مطالعہ بھی کرتے ہیں جس میں ہم نے اپنے عقائد کو ہر غبار و تلچھٹ سے کھنگال کر اس کی ہر نوک پلک درست کر کے قوم کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس میں بھی انہیں شرک کا انبار ہی نظر آتا ہے۔ مجھے معاف کیجئے کہیں ایسا تو نہیں کہ میکدۂ شرک میں آنجناب نے اتنی پی ہے کہ اب توحید خالص میں بھی شرک کا کوڑا کباڑ نظر آتا ہے۔ اب اسے عقیدے کی گندگی کہا جائے یا ذہنوں و آنکھوں کا وہ خمار جس نے حقیقت بینی کا دروازہ ہی بند کر دیا ہے حتیٰ کہ خود اب آپ اپنی بھی نظروں میں مسلمان نہیں رہ گئے بلکہ سر سے پاؤں تک شرک کی منہ بولتی تصویر ہیں اگر شرک کے نشے میں آنجناب چُور چُور نہ ہوتے تو تقویۃ الایمان میں ہرگز ہرگز یہ نہ لکھتے:

"اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے اور موجب اجر کل ہے۔ اس کے رکھنے کو جو کفر کہتا ہے خود یا کافر ہے یا فاسق بدعتی ہے۔"

(تذکیر الاخوان صہ ۲۶۹ ناشر راشد کمپنی دیوبند)

اب اس آئینے میں اپنی تصویر دیکھ کر مجھے بتایئے کہ آپ موحد رہ گئے ہیں یا مشرک ہو کر شرک کی چلتی پھرتی مشین آپ کا نشہ ہرن کرنے کے لئے کسی معمولی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا بلکہ آپ کے مشرکانہ مذہب میں تقویۃ الایمان ایک ایسی کتاب ہے جس کا ہر گھر میں ہونا عین اسلام ہے۔ خواہ قرآن حکیم ہو یا نہ ہو لیکن جس گھر سے تقویۃ الایمان غائب گویا عین اسلام رخصت! تسکین خاطر کے لئے اس کا بھی حوالہ لے لیجئے تاکہ پیشانی پر شرک کا جو ٹیکہ لگ گیا ہے وہ صابن کی کئی بٹی سے بھی صاف ہو سکے

حوالہ نمبر ۱: فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم صفحہ ۵ اس کا (یعنی تقویۃ الایمان کا) رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام اور موجب اجر ہے۔ [1]

[1] فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ کراچی ص ۴۲ سطر ۲۲ ... ناشر ...

کہنا یہ ہے کہ ہم اہل سنّت و جماعت لا الٰہ الا اللہ کا وہی مفہوم و معنی سمجھتے اور بتاتے ہیں جسے سرورِ کونین نے صحابہ، تابعی، ائمہ مجتہدین، ائمہ محدثین و مجددین علمارِ حق و اولیارِ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ہم تک پہنچایا ہے خدا کا شکر ہے ہم اہلسنت ہی اُس امانت کے صحیح وارث و امین ہیں۔ یہ خدائے ذوالجلال کی توفیق اور اس کے پیارے محبوب کا کرم ہے کہ ہم سے اس امانت میں کوئی خیانت نہیں ہوئی البتہ اگر وقت کے کسی خائن نے دست درازی کی تو آوازِ حق کو پھیلانے کے لیے ہم نے زبان و قلم کے جہاد کی مہم شروع کر دی مثلاً اگر توحید کے غاصبانہ ٹھیکیداروں نے لا الٰہ الا اللہ کے مفہوم میں امکان کذب کا اضافہ کر کے یہ کہنا شروع کیا کہ معاذ اللہ خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے تو طبقۂ اہلسنّت نے اس کفری و باطل عقیدے کے خلاف زبان و قلم کی پوری طاقت صرف کر دی اور وقت کی ایک دینی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے کسی بھی پروپیگنڈے کی فکر و پرواہ کئے بغیر توحید خالص کا جھنڈا لہرا دیا۔ اگر ہو سکے تو سبحٰن السبوح فتاویٰ رضویہ، حسام الحرمین وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔ جو کسی بھی متلاشی حق کے لئے اندھیرے کا اجالا ہے

بہر حال اہلسنت و جماعت ایک نکھری ہوئی بے غبار توحید خالص کا اعتقاد رکھتے ہیں وہ خدا کے لئے جھوٹ یا کسی بھی عیب کے امکان کا تصور تک نہیں کر سکتے چہ جائیکہ یہ عقیدہ رکھنا کہ خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے۔ ہماری درس گاہ نظامی کا مبتدی طالب علم جس نے شرح تہذیب پڑھی ہے وہ بھی یہ جانتا اور مانتا ہے کہ اللہ "اُس ذات واجب الوجود کو کہتے ہیں جو مستجمع ہے جمیع صفات کمالیہ کا" اس کی ہر صفت کمال والی ہوتی ہے خدا کی کوئی بھی صفت رذیل یا گھٹیا درجے کی نہیں ہو سکتی، وہ دیوبند کا خدا ہو سکتا ہے جو جھوٹ بھی بول سکے اور پھر بھی خدا ہی رہ جائے —— غور فرمایئے جس کا خدا جھوٹا ہو سکتا ہے اس کے بندوں کا کیا عالم ہو گا؟ مگر یہ عجیب و غریب قوم ہے اس کے خدا کو جھوٹا نہ کہئے تو پیشانی پر بل آجائے اور انہیں جھوٹا کہئے تو چراغ پا ہو جائیں۔ ؎

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

حاصل گفتگو یہ ہے کہ آج کے سیماب صفت، ابن الوقت توحید کے ٹھیکیداروں اور

مذہب کے غداروں نے جس بُری طرح اُپنے عقیدے کی مٹی پلید کی ہے وہ سادہ لوح مسلمانوں کو اُپنے اُسی زمرے میں شامل کر لینے کی جدوجہد کرتے ہیں اِن سیاہ بختوں کو جب ہماری کتابوں میں کچھ نہیں ملتا جس پر وہ اعتراض کر سکیں تو اُپنی خانہ ساز توحید کا رنگ جمانے کے لئے اہلسنّت پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ لوگ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں ۔ حالانکہ ان ظالموں نے ہمیں بدنام کرنے کے لئے قبروں پر پہونچکر خود ہی سجدہ کرنا شروع کر دیا ہے تاکہ لوگ ہم سے گھن اُور نفرت محسوس کریں ۔ کوئی بھی سُنّی کسی قبر پر سجدہ کرنے نہیں جاتا بلکہ وہ اللہ کے ولی سے اکتساب فیض اُور ایصال ثواب کے لئے جاتا ہے ۔

اگر ان کی چیرہ دستیوں کا عینی مشاہدہ کرنا ہو تو کلیر شریف جایئے جیساکہ سنا جاتا ہے وہاں ایام عرس میں طوائفوں کا ہجوم اُور بعض دوسرے منکرات سے شرعی عرس کی تقدیس و حرمت کو داغدار کیا جاتا ہے ۔ (خدا کرے یہ خبر غلط ہو) —— غور کرنے کا مقام ہے کہ آخر ش یہ کلیر شریف ہی میں ایسا کیوں ہوتا ہے جس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ کلیر شریف سہارنپور اُور دیوبند کے قریب ہے نہ تو وہ مخدوم کلیری کی قبر اکھاڑ سکتے ہیں اُور نہ ہی گنبد ڈھا سکتے ہیں (اگر بس چلے تو یہ بھی کر گزریں مگر وہ تو کہیئے کہ خدا نے گنجے کو ناخن ہی نہیں دیئے)

لہٰذا —— ! سُنّیوں اُور عرس کو بدنام کرنے کے لئے دیوبندی کی سازش معلوم ہوتی ہے کہ وہاں ایسے منکرات کا ارتکاب کیا جائے جس سے عرس کے خلاف کچھ کہنے کو مواد و میٹریل مل جائے ورنہ ہم دیوبند کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ بریلی ، مارہرہ ، گھو ، ، مراد آباد پہونچکر بدعات و منکرات کی نشاندہی کرے یا پھر ہمارے اکابر کی کتابوں کے حوالہ جات پیش کرے جس میں معاذ اللہ بدعات و منکرات کو درست اُور جائز قرار دیا گیا ہے ۔ یہ بھی ایک ہی رہی کہ خود ہی اُپنے عوام کو ٹریننگ دے کر بھیجیں اُور سجدہ و قبر پرستی کا الزام ہمارے سر —— :

اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

اگر موقع ملا تو عرس کی بحث میں ہم اِس پر تفصیلی گفتگو کریں گے زیر بحث موضوع میں ہمیں یہ کہنا ہے کہ اہلسنّت وجماعت خدا کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہیں گردانتے وہی الٰہ و معبود ہے وہی ہر شے کا خالق و مالک ہے ۔ اُسکی بزرگ و برتر ذات ہر عیب سے پاک و صاف ہے

بندوں میں خواہ کوئی کتنے ہی فضل و کمال کا ہو وہ بندہ ہے معبود نہیں مخلوق ہے خالق نہیں۔ شرک ایک ایسا پاپ ہے کہ گناہوں کی تو معافی ہے مگر شرک کی کوئی معافی نہیں اس لئے ایمان و عقیدے کے کسی گوشہ پر شرک کی پرچھائیں تک نہیں پڑنے دیتے۔

یہ ضرور ہے کہ ہمارا مسلک افراط و تفریط اور غلو کی انتہا پسندی سے بالکل پاک وصاف ہے ہم شرک جلی کو جلی کہتے ہیں اور شرک خفی کو خفی۔ یہ تو تقویۃ الایمان کے مؤلف کا مزاج ہے جس نے دیدہ دانستہ اور بامقصد و بالارادہ شرک خفی کو شرک جلی لکھا اور اس کا بھی اقرار کیا کہ میں جانتا ہوں کہ اس کتاب کے بعد مسلمانوں میں انتشار پیدا ہوگا مگر وہ لڑ بھڑ کر ٹھیک ہو جائیں گے۔ گویا جان بوجھ کر نشیمن پر چنگاری پھینکی گئی آگ کا بجھنا تو در کنار دامن کی ہوا سے اور بھی اُسے بھڑکایا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں آئے دن مجادلہ و مناظرہ ہوتا رہتا ہے۔ مسلمانوں میں افتراق و انتشار کی تمام تر ذمہ داری علماء دیوبند پر ہے جو ان کفری عبارات کی پرورش کر رہے ہیں جس سے مسلمانوں کا شیرازہ بتر بتر ہو کر رہ گیا ہے۔ میلاد و سلام، عرس و فاتحہ میں اگر آنجناب کو کوئی غلطی نظر آتی ہے تو اس کی اصلاح بہت آسان ہے مگر کفر کا وہ غلیظ ٹوکرا جسے پھولوں کا گلدستہ کہہ کر آپ سر پر لئے پھر رہے ہیں اس سے جسم کے ظاہر و باطن کی تطہیر بہت ضروری ہے۔ ہم اہلسنت و جماعت خدائے وحدہ لاشریک کی ذات وصفات میں کسی بھی بندے کو شریک نہیں ٹھہراتے البتہ خدا کے جن محبوب بندوں کے لئے اختیارات و تصرفات کو مانتے ہیں وہ خدا ہی کی دین اور اسی کے جود و عطا کا ثمرہ ہے۔ وہ اپنی ذات وصفات میں واجب و قدیم ہے اس کی ہر صفت ذاتی ہے۔

اللہ کے بندوں میں خواہ انبیاء و رسل اور اولیاء کبار ہی کیوں نہ ہوں ان کے جملہ معجزات و کرامات عطائی ہیں اسی خدائے بزرگ و برتر نے اپنی شان کرم سے انہیں نوازا ہے۔ پروردگار اپنی ذات و صفات میں بے مثل و بے نظیر ہے۔ ساری کائنات اسی کے تحت قدرت ہے اُسے کوئی مادی آنکھ دیکھ نہیں سکتی البتہ وہ ساری کائنات کو محیط ہے اس کا علم حضوری ہے وہ عالم غیب و الشہادہ ہے۔ موت و زندگی پر اسی کا تصرف کامل ہے۔

آسمان کی بلندی، زمین کی فروتنی، عرش کی عظمت، آفتاب کی روشنی، چاند کی چاندنی، کہکشاں کا جمال، قوس قزح کی رعنائی، کلیوں کی مسکراہٹ، پھولوں کی زیبائی، موسم کی تبدیلی،

بجلیوں کی تڑپ، بادل کی گھن گرج، دریا کی روانی، سمندر کی طغیانی غرض کہ یہ جس قدر بھی مظاہر قدرت ہیں اپنی خاموش زبان میں لا الہ الا اللہ کی دعوت دے رہے ہیں — عارف حق سرکار آسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎ بے حجابی یہ کی ہر ذرے سے جلوہ آشکار

اس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

غرض کہ کائنات کا کوئی ذرہ اس کی مشیت و ارادے کے بغیر ہل نہیں سکتا۔ وہ ساری کائنات کا پالنہار ہے وہی خالق و مالک ہے اور انسانی رشد و ہدایت کی خاطر اسی کے بھیجے ہوئے سچے رسول آقائے دو جہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی نبوت و رسالت کی تصدیق عین ایمان ہے۔

عقیدہ ایمان بالرسالت

محمد رسول اللہ ——— محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں — لا الہ الا اللہ — کے اقرار و تصدیق کے بعد ہم اس کا اقرار کرتے ہیں کہ محمد ابن عبد اللہ اللہ کے بھیجے ہوئے سچے نبی اور رسول ہیں وہی خدا اور بندوں کے درمیان رابطہ اور وسیلہ ہیں۔ حتیٰ کہ تیس پارے کا قرآن بھی اگر ملا تو کلام خدا کا ہے اور زبان مصطفیٰ کی ہے ایسے ہی خدا نے یہ فرمایا کہ — اقیموا الصلوٰۃ — نماز قائم کرو — مگر نماز کس طرح پڑھی جائے اور کب پڑھی جائے گی۔ اس کی تعلیم دینے کے لئے آسمان سے کوئی فرشتہ زمین پر نہیں بھیجا گیا بلکہ سید عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ———

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي	نماز ایسے ہی پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھو۔

معلوم ہوا سجدہ خدا کا کیا جاتا ہے اور ادا مصطفیٰ کی دیکھی جاتی ہے۔ غرض کہ نماز اللہ اکبر سے لے کر سلام تک سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ادا ہے۔ گویا اب اس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ میں جب کہوں تب پڑھو، جہاں کہوں وہاں پڑھو، جس طرح کہوں اس طرح پڑھو۔ ہم اس مقام پر اس کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ نماز جو عبادات میں ایک اہم عبادت ہے اس کی جو تفصیلات بتا رہا ہے وہ کوئی مجبور نہیں بلکہ مختار ہے۔ اس لئے اب اگر کوئی یہ کہہ کر گذر جانا چاہے کہ — "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں"

ہم اس بدبخت وبدنصیب کو قابل گردن زدنی سمجھتے ہیں اور جب ہم اس کا یقین واعتقاد رکھتے ہیں کہ قرآن حکیم کے تیسوں پارے رسول خدا ہی کی زبان سے ہمیں ملے ہیں تو اس زبان کی تقدیس وحرمت کا اقرار بھی مقتضاء ایمان ہی سمجھتے ہیں —— لہٰذا مقام استفسار میں ہم اطلاق بشر تو کر سکتے ہیں مگر زبان وقلم کے عام محاورات میں ہم انہیں اپنا جیسا بشر نہیں کہہ سکتے ورنہ زبان کے مجروح ہو جانے کے بعد خطرہ ہے کہیں کلام الٰہی کی عظمت وتقدیس پر حرف نہ آجائے۔ اس لئے رسول خدا کو اپنے جیسا بشر کہنا ہم اسے خطرے کا ایک سگنل تصور کرتے ہیں بلکہ اس مذموم عقیدے کے بعد ہم یہ اندیشہ محسوس کرتے ہیں کہیں ایمان کا پورا محل پیوند خاک نہ ہو جائے —— غرض کہ نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ کی جملہ تفصیلات وتوضیحات ہمیں سید عالم روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی سے ملی ہیں۔ حتیٰ کہ خدا کی معرفت وپہچان، اس کی وحدانیت کا اقرار وتصدیق سب انہیں کی بارگاہ کرم کا عطیہ ہے —— اس لئے ہم اپنے اس عقیدے میں حق بجانب ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم خدا اور بندوں کے درمیان نہ صرف وسیلہ بلکہ وسیلہ اور مقصد دونوں ہیں۔ اگر وہ مقصد نہ ہوں تو قبر کا اتنا ہی سوال کافی ہوتا کہ —— من ربک - تمہارا رب کون ہے —— ما دینک - اور تمہارا دین کیا ہے — یہ نہ دریافت کیا جاتا کہ انہیں جانتے ہو یا نہیں —— اس سوال نے وسیلہ کے علاوہ ان کے مقصد ہونے پر مہر لگادی کہ ان سے تمہارا رشتہ ٹوٹ نہیں گیا ہے۔ دونوں سوالوں کے جوابات کی صحت ان کے پہچاننے پر موقوف ہے گویا ان کا پہچاننا ہی اس دستاویز کی آخری مہر ہے۔

ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نبی ورسول ہی نہیں مانتے بلکہ ہم انہیں خاتم النبیین بھی مانتے ہیں۔ لہٰذا اس بحث میں اگر کوئی ختم نبوت ذاتی وزمانی کا افتراعی مسئلہ اٹھا کر اپنی کاوش فکر کی داد لینا چاہے کہ ——

" یعنی اگر بالفرض آپ کے زمانے میں یا بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی نبی فرض کیا جائے تو بھی خاتمیت محمدی میں فرق نہ آئے گا" —— (تحذیر الناس ص ۱۳)

تو ہم اس کفری عبارت کو ختم نبوت کی سیسہ پگھلائی دیوار پر ایک ایسی چاند ماری تصور کرتے ہیں، جس نے اس کی آہنی دیوار میں شگاف ڈال دیا اور نتیجے میں قادیانی فرقہ جو بساط سیاست کا پٹا ہوا مہرہ ہے اس نے ایک نبی کو جنم دیدیا۔ حالانکہ نگاہیں دیوبند پر لگی تھیں چونکہ بیج وہاں پہلے پڑ

چکا تھا مگر ثمرہ قادیان میں نمودار ہوگیا۔ اس لئے جس جرم کی پاداش میں قادیانیت کو اقلیت میں شمار کیا گیا ہے دیوبند ان سے کہیں زیادہ اس سزا کا مستحق ہے۔ لہٰذا قانون جو تلوار کی ایک دھار ہے جس نے قادیانیت جو وقت کا عظیم فتنہ تھا اس کا سر قلم کر کے اپنی انصاف پروری کا ثبوت دیا ہے اُسے کبھی بھی وقت نیام سے باہر نکل کر دیوبندیت کے کلیجے پر وار کرنا ہوگا تاکہ فیصلے کا تشنۂ تکمیل محضر نامہ اپنے انجام اور تتمے کو پہونچ جائے۔

اسی طرح ہم اپنے کو مومن اور رسول خدا کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں تاوقتیکہ ہم اس کا اقرار نہ کرلیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے۔ ہم ان کا اور ان کی بارگاہ کا ادب و احترام عین ایمان قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:۔۔۔۔۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝	اے ایمان والو! تم اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور جس طرح تم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو اس طرح نبی کریم سے نہ بولو (ورنہ یعنی اگر تم نے اس قانون پر عمل نہ کیا تو تم لوگوں کے اعمال میٹ دیئے جائیں گے۔ اور تمہیں شعور بھی نہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عمل صالح کی روح ایمان اور ایمان کی جان محمد رسول اللہ ہیں۔ محبوب خدا کی بارگاہ میں معمولی سی گستاخی و بے ادبی نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کی پوری کائنات ملیامیٹ کر دیتی ہے۔ اس لئے ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ تاجدار دو عالم کی بارگاہ میں کوئی بھی ایسا لفظ نہ بولا جائے جس میں توہینِ نبوت کا شائبہ تک ہو ۔۔۔۔ جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:۔۔۔۔۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا	یعنی اے ایمان والو! تم مرے محبوب کو راعنا مت کہو انظرنا کہو۔

صحابہ کرام راعنا سے ایک صحیح مفہوم مراد لیتے ہیں مگر یہودی اس لفظ سے گندہ معنی مراد لیتے۔ پروردگار کو یہ گوارا نہیں کہ مرے مصطفٰے کی شان اقدس میں کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس میں ابہام و توہین ہو بے ادبی و گستاخی کا کوئی پہلو نکلتا ہو ۔۔۔۔ لہٰذا اگر کوئی رسول کریم کی بارگاہ

میں کھلی توہین کرے مثلاً یہ کہے : ــــــ

"پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کُل اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ایسا علم غیب زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔" ــــ (حفظ الایمان ص۸)

تو ہم ایسے شخص کو خارج از اسلام اور کافر و مرتد سمجھتے ہیں اور جو لوگ بھی اس عبارت پر مطلع ہو کر اس کی تائید و حمایت کرتے ہوں انہیں بھی کافر و مرتد جانتے ہیں۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ــــ شفاء مبارک ــ میں فرماتے ہیں : ــــ

"اگر کسی کلمہ گو نمازی رسولِ خدا کے پہنے ہوئے جوتے کو تحقیراً بجائے نعل کے نُعَیل کہہ دیا یعنی یہ کہہ دیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جُتری یا ہے تو ایسا شخص کافر ہو گیا واجب القتل ہے اس کی گردن ماردینی چاہیئے چونکہ اس نے اس جُوتے کی توہین کی جس نے رسول خدا کا قدم چُوما ہے"

جب جُوتی کی توہین کرنے والا مسلمان نہ رہ جائے گا تو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والا کس طرح مسلمان رہ سکتا ہے ؟ ــــ ہم اہلسنّت و جماعت رسول خدا کو نہ تو خدا کہتے ہیں نہ خدا کا بیٹا، نہ خدا جیسا ــــ بلکہ اللہ کا ایسا محبوب بندہ کہتے ہیں جو خدا اور اس کے تمام بندوں کے درمیان وسیلہ ہے۔ اس کی جملہ صفات خدا ہی کی عطا کردہ ہیں حتیٰ کہ ہم آقائے دوجہاں کو عالم غیب مانتے ہیں مگر اس طرح کہ ان کے جس قدر علوم ہیں وہ سب خدا ہی کے دیئے ہوئے ہیں۔ جس کا علم نہ تو ابو بکر کو ہے نہ تو جبریل امین کو بلکہ دینے والا خدا جانتا ہے یا لینے والے مصطفےٰ۔ اُمتیوں میں کوئی بھی ان کے وسعتِ علم کو گھیر نہیں سکتا ــــ اَب اگر کوئی یہ کہے ــــ

"الحاصل غور کرنا چاہیئے۔ کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخرِ عالم کو خلاف نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخرِ عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک

ثابت کرتا ہے"۔ (براہین قاطعہ)

تو ہم ایسے گستاخ و بے ادب کو کافر، ملعون و مردود سمجھتے ہیں اس نے قرآن کا صحیح مطالعہ نہیں کیا۔ اس کا کہنا ہے وسعت علم مصطفےٰ کی قرآن میں کوئی نص نہیں ملتی — ہمارا کہنا ہے کہ اگر قرآن کی نص پیش کی جائے گی تو تمہاری ایک ایک نس چیخ جائیگی — لہٰذا ان حقائق کی روشنی میں اگر کوئی دریدہ دہن یہ کہنا چاہے کہ سرور عالم کو دیوار کے پیچھے کی خبر نہیں تھی تو اس بے خبر کو اپنی بے خبری پر ماتم کرنا چاہیئے وہ تو عالم جمیع ماکان و مایکون تھے — ہم اہلسنت اس کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمحہ سے بھی کم درجہ کے برابر موت کا صرف ذائقہ چکھا اس کے بعد انہیں حیات سرمدی مل گئی وہ کل بھی زندہ تھے آج بھی زندہ ہیں اور اب ہمیشہ کے لئے زندگی جسم اطہر زمین کے جس حصے پر ہے وہ عرش اعظم سے بھی افضل تر ہے — اب اگر کوئی ناآشنائے ادب یہ عقیدہ رکھے کہ معاذ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مر کر مٹی میں مل گئے — تو ہم اس گمراہ و بے ادب کو جہنمی سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی جب ہم اس کا یقین رکھتے ہیں کہ نماز تکبیر تحریمہ سے کر التحیات و درود تک آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ادا ہے تو ہم اس کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ مرد مومن کی نماز سرکار کے یاد اور تصور سے خالی نہیں رہ سکتی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ (التحیات میں السلام عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ تو کہا جائے اور نبی کا خیال نہ آسکے۔ ایسے ہی سورہ فاتحہ کے بعد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ آیات کی تلاوت کی جائے مگر آقائے دوجہاں کا خیال نہ لایا جاسکے یہ کیسے ہو سکتا ہے — جب کہ تلاوت قرآن میں اس کی تلقین ہے کہ حرف زبان سے تلاوت ہی نہ کی جائے بلکہ اس کے مفہوم و معنی کو سمجھنے کی کوشش کی جائے لہٰذا معنی کا سمجھنا یہ اتفاقیہ نہ ہوگا بلکہ بالقصد و بالارادہ ہوگا اب جس کی صحیح تعبیر یہی ہوگی کہ سورہ فاتحہ کے بعد اگر محمد رسول اللہ والذین معہ، الخ کی تلاوت کی جائے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی کو سمجھنے کے لئے قصد اور ارادے کو دخل ہوگا۔

اب ان حقائق کی روشنی میں اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال لانے سے نماز جاتی رہے گی — تو مجبوراً ہمیں یہی کہنا پڑے گا کہ جن کی نماز گائے بیل کے

خیال لانے سے ہو جاتی ہے اور مصطفےٰ کے خیال لانے سے نہ ہوتی ہو تو بیلوں والی نماز انہیں مبارک ہو اور مصطفےٰ والی نماز ہمیں! ـــــ یہ تو اپنا اپنا نصیبہ ہے اور اپنی اپنی تقدیر!

اسی طرح محمد رسول اللہ کی تصدیق و اقرار کے بعد ہم اس کا بھی یقین و اعتماد رکھتے ہیں کہ وہ انسانی رشد و ہدایت کی خاطر عالم خاک میں مبعوث تو ہوئے مگر وہ ہم جیسے بشر نہیں تھے بلکہ ان کی بشریت بھی ایک طرح کا معجزہ تھی۔ اگر وہ ہم جیسے بشر ہوتے تو عام انسانوں کی طرح زمین پر ان کا سایہ پڑنا چاہیئے تھا لیکن صحابہ کرام کی روایت شاہد عدل ہے کہ ہم نے آفتاب کی دھوپ ہو یا چاند کی چاندنی کسی میں بھی سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں دیکھا حتیٰ کہ جسم اطہر پر جو کپڑا ہوتا اس کا بھی سایہ زمین پر نہ پڑتا۔[1] رسول اللہ کے جسم مبارک پر کبھی مکھی نہ بیٹھتی، ایسے ہی آقائے دو جہاں جس راہ سے گذرتے وہ رہگذر پسینے کی خوشبو سے مہک جاتی، جن کنکریوں پر قدم مبارک رکھ دیتے وہ موم کی طرح پگھل کر اپنے کلیجے پر نقش پائے مصطفےٰ لے لیتیں وہ اگر سو جاتے تو ان کا وضو باقی رہتا، لعاب دہن اگر کھاری کنوئیں میں ڈال دیا تو اس کا پانی شیریں ہو گیا۔ غزوۂ خیبر میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آشوب چشم کی شکایت تھی سرکار نے لعاب دہن لگا دیا تو آنکھ کی تکلیف اور سرخی جاتی رہی۔ غار ثور میں جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سانپ نے ڈس لیا تو یہی لعاب دہن زہر کے حق میں تریاق بن گیا۔ معراج کی شب جہاں جبریل امین کا ذہن نہ جائے اس سے کہیں آگے سرکار کا قدم ناز گذر گیا ـــــ غرض کہ ان کی ہر ادا مافوق البشریۃ ہے ـــــ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دھوکے میں آنہ جائے کہیں فکر و آگہی
آقائے کائنات لباس بشر میں ہے

ایسے ہی ہم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا شفیع تصور کرتے ہیں اور انہیں شفاعت کبریٰ کا مقام حاصل ہے۔ وہ شفیع محشر بھی ہیں اور ساقی کوثر بھی! پروردگار نے انہیں علم اولین و آخرین عطا فرمایا اور علم غیب کے خزانے مرحمت فرمائے۔ وہ اللہ کے ایسے محبوب تھے کہ ان کی مرضی پر قانون الٰہی اترتا۔ نماز کی نیت باندھی بیت المقدس کی طرف مگر بار بار آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھتے کاش۔ بجائے بیت المقدس کے کعبہ ہمارا قبلہ ہوتا۔ بس اتنے ہی میں

---

[1] مزید تحقیق کیلئے دیکھئے نفی الظل از علامہ کاظمی صاحب مدظلہ۔ ملنے کا پتہ مکتبہ فریدیہ ساہیوال [2] صلی اللہ علیہ وسلم

جبریل امین تحویلِ قبلہ کی آیت لے کر حاضر ہوئے۔ اسی مفہوم کی ترجمانی میں مجدد دین وملت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :——

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

فریضہ حج کی آیت اُترنے کے بعد صحابی رسول نے عرض کیا" یا رسول اللہ! کیا حج ہم پر ہر سال فرض ہے" حالانکہ اپنی جملہ شرائط کے ساتھ حج مسلمان پر پوری زندگی میں ایک ہی بار فرض ہے۔ مگر سرکار نے ارشاد فرمایا" اگر میری زبان سے ہاں نکل جاتا تو ہر سال فرض ہو جاتا"

اسی لئے ہم اہلسنّت وجماعت اس کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ پروردگار عالم نے اپنے محبوب کو مالک ومختار بنایا—— اب خدا کے ایسے پیارے محبوب کو اگر کوئی گاؤں کا چودھری یا زمین دار کا مرتبہ دے — تو ہم ایسے سیاہ بخت کو جہنم کا ایندھن تصور کرتے ہیں۔ انہیں خدا، خدا کا بیٹا یا خدا جیسا نہ کہہ کر ہم ان کی بارگاہ میں میلاد، سلام وقیام کو غلاموں کی طرف سے خراج عقیدت تصور کرتے ہیں —— غرض کہ ان کے جملہ محاسن اور خوبیوں کو سمیٹنا یہ انسانوں کے کس بل سے باہر ہے۔ ایسی ہزار زندگی دیجائے اور ساری عمر زبان وقلم سے ان کے فضائل وکمالات بیان کئے جائیں تو آخر میں حضرت جامی کی زبان میں یہی کہنا پڑے گا۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کہنا یہی ہے کہ —" لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ "۔ کی تصدیق واقرار کے بعد ہم ایک بے غبار نکھری ہوئی توحید خالص کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ ہم اسی کو خالق، مالک قادر معبود، رازق جانتے ہیں۔ جب ہم ذات باری کے لئے امکان کذب کا عقیدہ نہیں رکھتے تو وقوع کذب باری کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ ہم اس کی قدرت کاملہ کے اظہار میں اس طرز نگارش واسلوب بیان کو قابل مذمت ہی نہیں جانتے بلکہ اس میں نفرین وملامت کرتے ہیں جس میں انبیاء ورسل کی توہین وتنقیص کا شائبہ تک ہو جائے —— مثلاً اگر کوئی خدا کی قدرت اس طرح بیان کرے کہ —— "اللہ کی قدرت سے بعید نہیں اگر وہ چاہے تو محمد جیسے کروڑوں

محمد پیدا کر دے"

ہم اس انداز بیان کو ابلیسی داؤں پیچ سے تعبیر کرتے ہیں اور ایسے بے لگام وبدزبان مؤلفین کو ابلیسی دستر خوان کا خوشہ چیں تصور کرتے ہیں یہ وہی شیطانی حربہ ہے جسے اس نے سجدہ آدم سے روگردانی وسرتابی کرتے ہوئے استعمال کیا تھا جس کی پاداش میں ہمیشہ کے لئے اس کے گلے میں لعنت کی طوق ڈال دی گئی۔ اور — قرآن حکیم نے کھلے بند کہہ دیا

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ

اس لئے ہم اہلسنت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ ہم سید عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو "ممکن النظیر" نہیں بلکہ "ممتنع النظیر" جانتے ومانتے ہیں اب ان کے مثل پیدا ہونا محالات سے ہے لہذا ہم عقیدہ امکان نظیر کو باطل جانتے ہوئے مسئلہ امتناع نظیر کو صحیح، مبرہن اور مدلل سمجھتے ہیں جس کی روشن اور واضح دلیل آیت ختم نبوت ہے؛

"مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ہ"

غرض کہ رسول خدا کو خدا نہ کہہ کر ہم ذات خدا سے جدا بھی نہیں سمجھتے جیسا کہ امام اہلسنت مجدد دین وملت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں؛

تم ذات خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو
اللہ کو معلوم ہے کیا جانئے کیا ہو

حاصل کلام یہ ہے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے بعد عالم خلق میں جن فضائل وکمالات کا تصور کیا جا سکتا ہے اُن تصورات سے بھی کہیں زائد فضل وکمال کا انہیں مجموعہ جانتے ہوئے خلاصۂ کائنات تصور کرتے ہیں حالانکہ اس عالم امکان میں جس کو جو کچھ بھی ملا ہے بوسیلہ مصطفٰے ہی ملا ہے۔ اور انبیاء ورسل میں جو خوبیاں علیحدہ علیحدہ پائی جاتی تھیں وہ سارے محاسن بیک وقت آپ میں پائے جاتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے:

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضاء داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ذات والا صفات میں کسی نقص کا پایا جانا تو درکنار ہم کسی نقص کا تصور کرنا بھی مقتضائے

ایمان کے خلاف جانتے ہیں — ان کی شان تو یہ ہے :

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

اسی لئے سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں :

وہ کمالِ حسن حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ ہم سرورِ کونین سیدِ عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جس قدر بھی فضائل و کمالات مانتے ہیں وہ سب خدا ہی کا بخشا اور عطا کردہ وہ دور و نزدیک سے سنتے ہیں، ہماری دستگیری فرماتے ہیں، وُہ ساری کائنات کے لئے رحمت ہیں خدا ہی کے دینے سے عالم میں تصرف کا اختیار رکھتے ہیں، وہ پکارنے والوں کی مدد فرماتے ہیں، وہ اپنی قبر مبارک میں جسم اطہر کے ساتھ زندہ ہیں، وہ علم غیب کا خزانہ رکھتے ہیں، ان پر جو درود شریف بھیجا جاتا ہے اُسے فرشتے آپ کی بارگاہ میں حاضر کرتے ہیں اور جو درود محبت سے بھیجا جاتا ہے سرکار اُسے خود سنتے ہیں۔ جو رسول اللہ کی قبر کی زیارت کرے گا اس پر سرکار کی شفاعت واجب ہوگی۔ سرکارِ دو عالم کو مقام محمود عطا کیا گیا۔ آپ ہی کو شفاعت کبریٰ کا مقام حاصل ہے۔ آپ شفیع محشر بھی ہیں اور ساقی کوثر بھی۔ قبر میں انہیں کو پہچاننا ہے جس کے بعد عذاب قبر سے نجات ملے گی۔ قبر کی تاریک کوٹھری جہاں ماں باپ کے پیار محبت کی پرچھائیں تک نہ پڑ سکے وہاں سرکار ہی مونس و چارہ ساز ہوں گے۔ پروردگار نے آپ کو معراج جسمانی عطا فرمائی۔ معراج کی شب مسجد اقصیٰ میں آدم سے لے کر مسیح علیہم السلام تک تمام انبیاء و رسل نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ آپ اس وقت مقام نبوت پر فائز تھے جب کہ حضرت آدم کا خمیر آب و گل کے درمیان تھا، عالم ارواح میں پروردگار نے تمام انبیاء و رسل سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی اطاعت (اگر آپ کا زمانہ پا جائیں) کا عہد و پیمان لیا جس پر آیت میثاق شاہد عدل ہے۔

سب سے پہلے خدا نے آپ ہی کے نور کو پیدا فرمایا اور ساری کائنات کو آپ کے نور سے اور سرکار کو اپنے نور سے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے۔ دوسری حدیث قدسی میں یہ بھی ہے

کہ — ”اے محبوب! اگر آپ کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو زمین و آسمان اور ساری کائنات کو پیدا نہ فرماتا۔“
خاکدانِ گیتی میں جلوہ گر ہونے سے پہلے حضرت مسیح نے آپ کی ولادت باسعادت کا خطبہ ان الفاظ میں پڑھا — مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ — وقتِ ولادت فرشتوں نے آپ پر سلام پڑھا۔ خانہ کعبہ کے بُت سر کے بل اوندھے گر پڑے، ایوانِ کسریٰ سرنگوں ہوا۔ شوکتِ قیصری پیوند خاک ہوئی۔ کائنات نے جھوم جھوم کر درود و سلام بھیجا بعدِ ولادت پروردگار نے بارہا آپ کے میلادِ مبارک کا ذکر کیا۔ اور آپ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا — اسی لئے غلامانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میلاد شریف اور درود و سلام کو سنّتِ الٰہیہ سمجھ کر کرتے اور پڑھتے ہیں۔

اب آپ شرک و بدعت، میلاد و سلام و قیام، عرس و فاتحہ وغیرہ کے مباحث ملاحظہ فرمائیے۔ درود و سلام پر ایک شعر آپ کی نظر ہے:

میں سو جاؤں یا مصطفےٰ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صلِّ علےٰ کہتے کہتے

شرک و بدعت

شرک و بدعت کا مفہوم سمجھنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس کے استعمال میں دیوبند کی تکنیک کیا ہے؟ — ”اکابر علماء دیوبند کی کفری عبارات پر جب علماء اہلسنّت اور علماء حرمین طیبین نے ان کی تکفیر کی اور خارج اسلام قرار دیا تو علماء دیوبند نے جذبہ انتقام سے بھرپور اپنی منظم سازش کے تحت یہ طے کیا کہ اس کا بدلہ کس طرح لیا جائے — چنانچہ وہ عمائد اہلسنّت کی کتابوں کی چھان پھٹک میں لگ گئے اور انہوں نے سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر اساطین اہلسنّت کی کتابوں کا ورق ورق اور ورق کی سطر، سطر دیمک کی طرح چاٹنا شروع کیا مگر جب اس میں انہیں کچھ نہ مل سکا تو مایوسی کے بعد انہوں نے سنّی عوام کے کردار و عمل کا جائزہ لیا۔ اگر اعراس وغیرہ میں انہیں کچھ خامیاں نظر آئیں — تو

پھانس کو بانس اور رائی کو پربت بناکر پیش کیا حتیٰ کہ مزار کی چادر چومنے کو سجدہ سے تعبیر کیا! - چنانچہ دھیرے دھیرے اس ہنگامے کو قیامت صغریٰ بناکر سنّیوں کو قبر پرست اور قبر پجوا کہنا شروع کردیا اور سمجھی بوجھی اسکیم کے تحت اس پر شرک جیسے ناقابل معافی جرم کی چھاپ لگادی — حالانکہ یہ سراسر الزام اور بہتان ہے" — چونکہ پروپیگنڈے کی مشینری تیز تھی اس لئے یہ فتنہ آندھی اور طوفان کی طرح اٹھا اور وہ عوام جن کے دلوں میں حرمت انبیاء اور عظمت اولیاء کے خلاف چھپا ہوا چور تھا اب وہ نوک قلم و نوک زبان پر آگیا۔ عوام کی اس حوصلہ افزائی نے بڑھاوا دیا، پھر تدریجاً ترکش کا یہ تیر میلاد سلام، قیام نیاز و فاتحہ وغیرہ پر برسنے لگا — "حتیٰ کہ مباحات و مستحبات کو شرک اور بدعت ضلالہ کہنا شروع کردیا" — اب سنّی عوام کی کوئی بھی رسم ہو وہ دیوبند کی نظر میں دو حال سے خالی نہیں یا تو شرک ہے یا بدعت! — یہ صرف اس جلاپے کا نتیجہ ہے کہ ان کے کفریات کا مواخذہ و محاسبہ کیوں کیا گیا! — علمائے دیوبند کی خواہش تھی کہ انہیں ایک بے لگام شرابی کی طرح چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ رسول خدا کے خلاف جو زہر بھی اگلنا چاہتے اگلتے رہتے لیکن آگے بڑھ کر کوئی ان کی کلائی نہ تھام سکے — مگر شکر ہے اس خدائے قدیر کا جس نے مجدّد دین و ملت اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی اپنی ایک نعمت عطا فرمائی جس بوریہ نشین مرد درویش نے اپنے زور قلم سے شرق و غرب، عرب و عجم میں ایک تہلکہ مچادیا۔ اور دیوبند جو توہین نبوت جیسے سنگین جرم کو نشان سجدہ، لمبی داڑھی، لمبے دامن پر چھپا رکھا تھا۔ بیچ چوراہے پر اس کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ دن کے اجالے ہی میں نہیں بلکہ ان کی مکروہ و گندہ صورت رات کی تاریکی میں پہچانی جانے لگی اگر علماء دیوبند روز اوّل اپنی کفریات سے رجوع کرکے توبہ کرلیتے تو اختلاف کی خلیج اس قدر نہ بڑھتی۔ جس آگ کے بھڑکتے شعلوں میں نہ جانے کتنوں کا دامن سلگ رہا ہے۔

اس مقام پر پہونچنے کے بعد ہم مقدمات کی مثل عوام کے کورٹ میں پیش کرکے خود عوام ہی کا فیصلہ سننا چاہتے ہیں۔ اب آنے والی سطروں کو پڑھنے کے لئے اپنے آپ کو سنبھال لیجئے!

پوری دنیائے دیوبند کے پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں لکھا

جس کا مفہوم یہ ہے کہ ـــــ رسول خدا کو تھوڑا سا علم غیب ہے اگر ایسا ہے تو اس میں رسول اللہ کی کیا تخصیص، ایسا علم تو ہر جانور، پاگل، مجنوں اور بچے سبھی کو حاصل ہے۔

ہم اہلسنت اور ہر خوش عقیدہ مسلمانوں کا کہنا ہے کہ اس عبارت میں توہین نبوت ہے جو موجب کفر ہے ـــــ (اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو میری کتاب "خون کے آنسو" کا مطالعہ کیجئے)

ایسے ہی مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ میں یہ کہا۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ـــــ

"شیطان کے علم کی زیادتی تو قرآن سے ثابت ہے مگر فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے "وسعت علم" یعنی زیادتی علم کی کوئی نص ہمیں قرآن میں نہیں ملتی"۔ العیاذ باللہ من ذالک"

اسی طرح تقویۃ الایمان مولفہ مولوی اسماعیل دہلوی میں: ـــــ

"رسول خدا کو گاؤں کا چوہدری، گاؤں کا زمیندار، مر کر مٹی میں ملنے والا جس کا نام محمد یا علی وکھی چیز کا مختار نہیں، رسول خدا کو دیوار کے پیچھے کی خبر نہیں وغیرہ وغیرہ"

جیسی ہفوات وخرافات لکھ کر اپنا نامہ عمل سیاہ کیا ـــــ حوالہ جات کی اصل عبارات دیکھنی ہوں تو مری کتاب "خون کے آنسو"۔ "انکشافات" "قہر آسمانی" وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔ میں اس وقت چند تقریری پروگرام پر بعد وہی آیا ہوا ہوں عقائد نمبر کی کاپیاں پریس اس لئے نہیں جا رہی ہیں کہ ابھی تک میں اپنا مقدمہ وپیش لفظ دار المصنفین کو نہیں دے سکا اس لئے شب میں تقریری پروگرام کے بعد دن کے حصے میں کچھ لکھ لیتا ہوں چونکہ کتابیں میرے ہمراہ نہیں ہیں اس لئے اصل حوالہ جات کے لئے اپنی کتابوں کی طرف آپ کو رجوع کرا رہا ہوں۔

علماء دیوبند کی چند عبارات کا مفہوم پیش کرنے کے بعد میں اب خود عوام کا فیصلہ چاہتا ہوں کیا یہ عبارتیں قابل مواخذہ ہیں یا نہیں؟ ـــــ ہیں اور یقیناً ہیں ـــــ تو اس پر چراغ پا ہونے کی بجائے اکابر دیوبند کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے ان کتابوں میں آپ نے سنیوں کے باپ دادا کو گالیاں نہیں دیں ـــــ بلکہ آپ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے گستاخ وبے ادب ہیں۔ جن کا ادب واحترام عین ایمان ہے ـــــ ایسے سنگین حالات میں اگر علماء اہلسنت نے رجوع

اور توبہ کی تلقین کی تو برہم ہونے کی بجائے احسان مند ہو کر شکر گزار ہونا چاہیئے تھا۔ دُنیا میں ایسی مثالیں کم ملتی ہیں کہ کوئی اپنے محسن ہی پر آنکھیں لال پیلی کرے —— اس جرات و ڈھٹائی کی چلتی پھرتی تصویر دیوبند اور صرف دیوبند ہے۔

اپنے اس مجرمانہ کردار کے بعد دیوبندیوں نے اپنی بچت کی دو راہ اختیار کیں —— اوّلاً تو یہ کہ سنّیوں کو بدعتی "مشرک" اور قبر پجوا کہہ کر بدنام کرنا شروع کیا۔ اور —— ثانیاً یہ کہ روزہ، نماز میں ریا، دکھاوا کی نمائش تیز کر دی تاکہ لوگ ہماری نمازوں کو دیکھ کر ہماری کفریات اور عقیدے کی گندگی کو بھول جائیں حتیٰ کہ دھیرے دھیرے کلمہ اور نماز کی ایک چلتی پھرتی جماعت ہی بنا ڈالی —— واضح رہے دیوبندیت روزہ نماز اور اتباع سنّت کو نہیں کہتے بلکہ توہین نبوت جیسے کوڑھ اور کینسر کا دوسرا نام دیوبندیت ہے۔

چنانچہ ہم اسے پوری برملائیت سے کہہ سکتے ہیں کہ دیوبندیت اپنے گندہ عقائد اور اپنی توہین آمیز عبارتوں سے نہیں پھیل رہی ہے بلکہ اتباع سنّت کے کھوکھلے نعرے اور سجدوں کی نمائش میں پھل پھول رہی ہے کاش! عوام کو صحیح احساس ہوتا اور دیوبندی عقائد کا غیر جانبدارانہ جائزہ لے کر حقائق کی کسوٹی پر پرکھتے! —— اگر ذہن نے اُسے قبول کر لیا ہے تو اب شرک و بدعت کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

شرک

اللہ تبارک و تعالےٰ کی ذات و صفات میں کسی بھی مخلوق کو شریک ٹھہرانا اسی کو شرک کہتے ہیں۔

اللہ کی ذات میں شریک گرداننے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ معبود کی وہ ذات جو وحدہ لاشریک ہے ایک کے بجائے دو یا چند معبود کو مانا جائے اسی کو شرک فی الذات کہتے ہیں اور ایسی صفات جو خدائے بزرگ و برتر ہی کے لئے خاص بعینہ انھیں صفات کو کسی اور بندے میں ماننا اس کو شرک فی الصفات کہتے ہیں اور شرک ہی ایک ایسا جرم و پاپ ہے جس سے بچنے کی قرآن مجید میں بار بار تاکید ہے۔

علماء دیوبند کی یہ ایک سمجھی بوجھی اسکیم ہے کہ سُنّی معمولات و مراسم پر مکروہ یا گناہ کی چھاپ نہ لگائی جائے بلکہ ایسی فرد جرم عائد کی جائے کہ جس کے سنتے ہی کلیجہ کانپ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خوش

عقیدہ مسلمان اللہ کے ولیوں کے آستانے پر جاتا ہے تو دیوبندی دھرم اسے شرک سے تعبیر کرتا ہے۔
اس مقام پر میں پوری دنیا۔ دیوبند کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ بتائے:

۱۔ "قبر بنانا شرک ہے" یا "قبر پر گنبد بنانا شرک ہے" یا "قبر پر چادر چڑھانا شرک ہے" یا "قبر پر پھول ڈالنا شرک ہے" یا "ایصال ثواب شرک ہے" یا "قبر و چادر کا چومنا شرک ہے" یا "اگر بتی سلگانا شرک ہے" — یا یہ کُل کے کُل شرک ہیں۔ لہذا قبر پر جانا شرک ہے۔

۲۔ یا ان میں تو کوئی بھی شرک نہیں ہے مگر اس کا مجموعہ شرک ہے۔

۳۔ یا ان میں سے کچھ درست ہیں اور کچھ شرک ہیں مگر غیر شرک و شرک کا مجموعہ شرک ہے۔

بہرحال بظاہر اس کی یہی تین صورتیں ہیں — اب علماء دیوبند کو چھوٹ ہے کہ وہ ان تینوں صورتوں میں سے کسی کی بھی نشاندہی کر دیں — یعنی جملہ مراسم شرک ہیں" یا کچھ بھی شرک نہیں ہیں" یا "کچھ غیر شرک اور کچھ شرک ہیں" — واضح رہے شرک کسی ایک فرد سے متعلق نہیں ہوتا شرک کو شرکت چاہیئے۔ اس کے لئے کم از کم دو فرد کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً اگر قبر پر گنبد بنانا شرک ہو تو اس سے قبل اس قبر کو متعین کرنا ہوگا کہ بس اسی پر گنبد بنانا درست ہے۔ اگر کسی اور بھی قبر پر گنبد بنے گا تو شرک ہو جائے گا ایسے ہی اگر چادر چڑھانا یا پھول ڈالنا وغیرہ شرک ہو تو بھی کسی قبر کو متعین کرنا ہوگا کہ بس اسی قبر پر چادر ڈالی جائے یا پھول ڈالا جائے اور اگر یہ رسم کسی اور قبر پر ادا کی گئی تو شرک ہو جائے گا — ان تشریحات و توضیحات کے بعد اب ہم بری الذمہ ہو گئے — البتہ یہ علماء دیوبند کی ذمہ داری کو چیلنج ہے کہ وہ اپنے دعوے کی دلیل میں کسی ایسی قبر کا پتہ بتائیں جہاں یہ جملہ مراسم درست ہوں اور وہاں کے علاوہ دوسری قبر پر شرک ہو جائیں — هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۝ ہر مسلمان اسے بخوبی جانتا ہے کہ خدائے حی و قیوم کے لئے موت نہیں! جب موت نہیں تو قبر نہیں! — اور جب قبر نہیں تو چادر نہیں — معلوم ہوا یہ تمام چیزیں خدا کے لئے نہیں ہیں، بلکہ محبوب خدا کے لئے ہیں — اب ایک واضح حقیقت کا انکار گویا دن کے اجالے میں طلوع آفتاب کا انکار ہے۔

اتنی واضح اور روشن دلیل کے بعد اسے ضد، ہٹ دھرمی اور کٹ حجتی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔
یہ صرف طبقاتی تقسیم اور گروپ بندی کا نتیجہ ہے۔

بدعت | اس کا مادہ ہے "بدع" جس کے لغوی معنی ہیں کسی ایسی نئی چیز کا ایجاد کرنا جس کی

مثال و نظیر نہ ہو چنانچہ "مرقات" کے مصنف مولانا فضل امامؒ خیرآبادی نے اسی رعایت سے خطبہ میں یہ فرمایا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِیْن | تمام تعریف ثابت ہے اس اللہ کے لئے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمینوں کو

چونکہ اس سے پہلے آسمان اور زمین کی کوئی نظیر اور مثال نہیں تھی اسی لئے "اَبْدَعَ" فرمایا۔ لیکن اصطلاحِ شریعت میں بدعت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ بدعت حسنہ اور ۲۔ بدعت سیئہ

بدعت حسنہ کی تعریف یہ ہے کہ اسلام میں کسی ایسی نئی چیز کا ایجاد کرنا جس سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ اور قوت پہونچے۔ اور

بدعت سیئہ کہتے ہیں "ضِدُّ السُّنَّۃ" کو جو کسی سنّت کی ضد ہو اور اس کو بدعت ضلالہ بھی کہتے ہیں جس کے متعلق سرورِ کونین روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃ" یعنی بدعت سیئہ کی جتنی بھی اقسام ہیں ان سب کو بدعت ضلالہ ہی کہا جائے گا

گویا بدعت حسنہ بدعت کی ایک الگ تھلگ قسم ہے بدعت ضلالہ سے اس کا کوئی رشتہ و تعلق نہیں۔ بعض لوگ جو یہ ذہن دینا چاہتے ہیں کہ عہدِ رسالت یا قرونِ ثلٰثہ کے بعد اسلام میں جو بھی نئی چیز ہو گی وہ بدعت ضلالہ ہے۔ یہ ان کا سراسر فریب ہے یا تو وہ خود فریب خوردہ ہیں یا دیدہ دانستہ امّتِ مسلمہ کو فریب دینا چاہتے ہیں۔

دوستو! بات عہد اور قرن کی نہیں ہے بلکہ اصل شے اور واقعہ کی ہے۔ دیکھنا یہ ہو گا کہ نفس الامر میں اس شے کی حیثیت کیا ہے۔ خیر القرون ہی کی کوئی بات اگر اسلام و سنّت کے خلاف ہو گی تو اُسے گلے کا ہار نہ بنایا جائے گا بلکہ اُسے پاؤں سے روندا اور پائمال کیا جائے گا ایسے ہی صدیوں گذرنے کے بعد اگر کوئی ایسی نئی چیز ہو جس سے اسلام و مسلمانوں کو فائدہ پہونچے تو اُسے پاؤں کی ٹھوکر نہ ماری جائے گی بلکہ اُسے خوش آئند کہہ کر کلیجے لگایا جائے گا ــــــ اب اس ضابطے کو آپ مثالوں کے ذریعہ سمجھئے۔

مثلاً سید الشہدا سبطِ پیمبر نواسۂ رسول حضرت امام عالی مقام سرکار حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

---

[1] یہ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کے والد ماجد ہیں علیہ الرحمہ الرضوان

شہادت کا مسئلہ ہرچند یزید تابعی تھا اور بہت سے اہل صحابہ اس عہد میں اپنی حیات ظاہری میں تھے دور تو خیر القرون کا تھا لیکن کیا اس رعایت سے قتل حسین کو جائز و مباح قرار دیا جاسکتا ہے العیاذ باللہ من ذالک — سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختلاف روایت کی بنیاد پر کف لسان فرمایا مگر آئمہ مجتہدین میں بعض نے یزید کی تکفیر تک کی ہے — لہٰذا یہ کہنا کہ جو امور عہد رسالت کے بعد ہیں وہ بدعت ضلالہ ہیں یہ صحیح نہیں ہے — بات وہی درست ہے کہ اصل شے کو دیکھا جائے گا اگر وہ کسی سنت سے مزاحم نہیں ہے تو اسے بدعت حسنہ کہا جائے گا ورنہ بدعت ضلالہ ——

اگر ہر بدعت ضلالہ ہی ہوتی تو تراویح کے مسئلہ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ "نعم البدعت" نہ فرماتے — بدعت کو بہترین بدعت فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہر بدعت "بدعت ضلالہ" نہیں ہوتی — عارف حق حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مکتوبات کی کسی دفعہ میں فرمایا ہے کہ بدعت کی کوئی قسم نہیں جس سے علماء دیوبند یہ غلط فائدہ اٹھاتے ہیں کہ مجدد صاحب کی نظر میں ہر بدعت "بدعت ضلالہ" ہے — حالانکہ اس کا مفہوم یہ نہیں ہے بلکہ مجدد صاحب علیہ الرحمہ کا فرمانا ہے کہ — بدعت حسنہ بھی سنت ہی کی ایک قسم ہے لہٰذا بجائے بدعت حسنہ کے اُسے سنت کہا جاسکتا ہے — یہ قول ہمارے حق میں زیادہ مفید ہے نہ کہ ان کے حق میں۔ اور خود دیوبند کی چہار دیواری میں آج ایسے معمولات و مراسم مروج ہیں جن کا عہد رسالت میں کوئی وجود ہی نہیں تھا جیسے ختم بخاری شریف حوالہ کے لئے فتاویٰ رشیدیہ ملاحظہ فرمائیے !

عہد رسالت میں جب بخاری شریف ہی کا وجود نہیں تھا تو ختم بخاری کا کیا سوال ! ——

معلوم ہوا اسلام میں جب کوئی نئی چیز داخل ہوتی ہے خواہ مثبت پہلو سے یا منفی پہلو سے۔ اس کی دو صورت ہوگی یا تو اس میں حسن ہوگا یا قبح ! — اسی لئے سید عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : ——

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً الخ مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً الخ	یعنی جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا تو وہ اور اس پر عمل کرنے والے دونوں ہی مستحق اجر و ثواب ہیں اور جس نے بُرا طریقہ ایجاد کیا تو وہ اور اس پر عمل کرنیوالے دونوں ہی لائق زجر و توبیخ ہیں۔

یہ حدیث اس باب میں حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے کہ ہر نئی چیز کو بدعت ضلالہ نہیں کہا جاسکتا۔

اَب اِسی کسوٹی پر میلاد وسلام وقیام وغیرہ کو پرکھا جائے گا ورق الٹیے اور دوسرے مباحث کو ملاحظہ فرمایئے!

عِلمِ غیب

زیرِ چھپنے وقت کی فتنہ سامانیوں کا عالم :— مسئلہ علمِ غیب بھی اختلافات کی لسٹ میں سرِفہرست ہے۔

ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ پروردگارِ عالم نے اپنے محبوب سرورِ کونین روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ حدودِ ادب میں رہتے ہوئے اس کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ترازو و پیمانہ نہیں جس میں سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے علمِ مبارک کو تولا جا سکے!— بس اس بارے میں ہمارا آخری فیصلہ یہ ہے کہ دینے والا پروردگار جانے یا لینے والے احمدِ مختار — سرورِ کونین یہ جانتے تھے اور وہ نہ جانتے تھے— اس کہنے کو ہم گستاخی وبے ادبی تصور کرتے ہیں گویا چھوٹا منہ اور بڑی بات! — اور اسی کے ساتھ ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ پیغمبرِ خدا کا علم ہمیں معلوم ہو یا نہ معلوم اور یقیناً نہیں معلوم لیکن وہ علم خواہ کتنا ہی وسیع ہو وہ سب خدا ہی کا دیا ہوا ہے۔ اس لئے بطور نتیجہ ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کا علم ذاتی ہے اور سرکارِ دوعالم کا عطائی ہے۔ چنانچہ ہم خدا کو عالم الغیب کہتے ہیں اور سیدِ عالم کو عالمِ غیب ہمارے اس عقیدے پر آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبوی شاہدِ عدل ہیں۔ مثلاً —

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ (سورہ نساء پ۵ رکوع ۱۷)	اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

ایسے ہی دوسری جگہ ارشاد ہے :—

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝	اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں

(سورہ کورت پ۳۰ رکوع ۱)

تیسری جگہ ارشاد ہے :—

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ	غیب کا جاننے والا تو اپنا غیب کسی پر

اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ	ظاہر نہیں فرماتا سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے

—— سورہ جن پ۲۹ رکوع ۲ ——

ایسے ہی علم غیب کے ثبوت میں بہت سی احادیث ہیں جن کو گھیرا جائے تو ایک دفتر چاہیئے قرآن حکیم کی چند شہادتیں اس لئے حاضر کردی گئیں تاکہ قلب و ذہن کا اطمینان حاصل ہوجائے۔

علم غیب سے متعلق منکرین علم غیب کے متعدد اقوال ہیں جس میں بے حد تخالف و تضاد ہے، کسی کا کہنا ہے :——

"رسول خدا کو علم غیب نہیں تھا"

کسی نے یہ کہا :——

"اگر خدا کے دینے سے بھی رسول خدا کو علم غیب مانا جائے تو بھی شرک ہے"

کسی نے لکھا کہ :——

"سرور کونین کو دیوار کے پیچھے کی خبر نہیں تھی"

اور مولانا تھانوی نے تو یہاں تک لکھ دیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ :——

"پیغمبر اسلام کو کل علم غیب نہیں تھا بلکہ تھوڑا سا تھا اور اگر بعض علوم غیبیہ حاصل ہیں تو پھر اس میں رسول اللہ ہی کو کیا تخصیص ایسا علم تو ہر جانور، پاگل، بچے سبھی کو حاصل ہیں" العیاذ باللہ من ذالک۔

یہی وہ ناپاک و گندہ تصور ہے جس پر آئے دن مباحثے اور مناظرے ہوتے رہتے ہیں اس سلسلہ میں یہ بات واضح رہے کہ قرآن مجید کی وہ آیات جن سے علم غیب کا انکار ہوتا ہے اس سے مراد علم غیب ذاتی کا انکار ہے یعنی خدا کے سوا کسی کو بھی علم غیب ذاتی نہیں ہے اور وہ آیات قرآنی جن سے علم غیب کا ثبوت ہوتا ہے اس سے مراد علم غیب عطائی ہے۔

حیرت ہے اس قوم پر جو انبیاء سابقین کے لئے تو علم غیب مانتی ہے مگر اپنے نبی کے متعلق جنگ و جدال کرتی ہے —— جیسا کہ حضرت مسیح فرماتے ہیں :

اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ۔	میں تمہیں بتاؤں گا جو تم لوگ کھاکے آتے ہو اور اپنے گھروں میں جو کچھ جمع کرکے آتے ہو۔

آج تک دیوبند نے اس کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کیا کہ غیب کا جاننا اور بتانا تو خدا ہی کی شان ہے یہ حضرت مسیح کو کیسے خبر ہوگئی۔ ہم انصاف پسند دنیا سے سوال کرنا چاہتے ہیں کہ آج کے وہ کلمہ گو جو اپنے نبی کا علم غیب ماننا شرک سمجھتے ہیں وہ حضرت مسیح کے علم غیب پر ایمان لانے کے بعد کس طرح موحد رہ گئے؟ — کلمہ اور نماز کی آڑ میں کہیں ایسا تو نہیں کہ عیسائی مشنری کی ایجنٹی و دلالی کا پاٹ ادا کیا جا رہا ہے ــــ" فاعتبروا یا اولی الابصار "

میلاد، سلام و قیام

میلاد شریف کو ہم اہلِ سنت غلاموں کی طرف سے اپنے آقا کی بارگاہِ کرم میں خراجِ عقیدت تصور کرتے ہیں نہ تو اسے ہم فرض کہتے ہیں اور نہ واجب۔ ہم اسے مہماتِ دین میں شمار نہیں کرتے البتہ ایوانِ اسلام کے یہ وہ نقش و نگار ہیں جس کو دیکھ کر ایک اجنبی آنکھ بھی یقین کر لیتی ہے کہ کسی خوش عقیدہ کی زینت نگاہ ہے کسی عمارت کا پرچم اس عمارت کا جز نہیں ہوتا لیکن یہ جھنڈا بہت دُور سے خبردار کر دیتا ہے کہ اس میں کس مکتبہ فکر کا نظامِ حیات مرتب ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں پروردگار عالم نے بارہا اپنے محبوب کے میلاد کا ذکر فرمایا ہے۔ — سرکار کی آمد سے پیشتر حضرت مسیح نے بشارت دی تھی — یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ — میلاد شریف ایک ذکر خیر ہے جس کے ذریعہ مسلمانوں کو طہارت نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل معلوم ہو جاتے ہیں ایسے ہی عمل صالح کی تلقین کی جاتی ہے اور برائیوں سے اجتناب و پرہیز کی ہدایت ایک ایسا کار خیر جو عام مسلمانوں کے لئے رشد و ہدایت کا ایک روشن مینارہ ہو — اسے کنہیا کے جنم کا سوانگ کہہ کر اس سے نفرت و برگشتگی کی ایک مسموم فضا پیدا کرنا — یہ اسلام و مسلمان دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی جو اکابر دیوبند کے پیر و مرشد ہیں اس مسئلہ میں ان کی کتاب "فیصلہ ہفت مسئلہ" ایک نہ جھٹلائی جا سکنے والی دستاویز ہے جس فیصلے کے روبرو پوری دُنیائے دیوبندیت مجرموں کے کٹہرے میں کھڑی کر دی گئی ہے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے میلاد، سلام و قیام

عرس، فاتحہ وغیرہ سے متعلق سات سوالات کئے گئے تھے جس کا جواب فیصلہ ہفت مسئلہ کے نام سے چھپ چکا ہے۔

حاجی صاحب فرماتے ہیں —— جس کا مفہوم یہ ہے:

"فقیر کا مشرب یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہے اور ذریعہ برکات سمجھ کر محفل مولود منعقد کرتا ہے اور کھڑے ہوکر سلام پڑھنے میں کیف و لذت محسوس کرتا ہے"

پیرومرشد کے اس فیصلے کے بعد دیابندیوں کی زبان گدّی سے کھینچ لی گئی ہے۔ اب اس کے خلاف انکی جس قدر بھی بکواس ہے وہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کی آئینہ دار ہے۔

حاجی صاحب کے اس فیصلے میں سلام وقیام کی حقیقت بھی روشن ہوگئی۔ وہ محفل مولود میں محض سلام پڑھنے کے قائل نہ تھے بلکہ کھڑے ہوکر سلام پڑھتے۔ میلاد شریف میں سلام وقیام حاجی صاحب کا ایک ایسا عمل ہے جو "خلف" و ناخلف کی کسوٹی بن گیا ہے —— علاوہ ازیں آیت درود میں نتھو، بدھو، خیرو کو درود وسلام پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ ایمان والوں کی قید لگی ہے۔ جس قید نے واضح کر دیا کہ جو مومن ہوگا وہ بغیر کسی قیل وقال کے صلوٰۃ وسلام پڑھے گا چونکہ غیر مومن خود ہی جانتا ہے کہ مجھے حکم ہی نہیں دیا گیا اس لئے اس کے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا سوال بھی نہیں ہوتا اس کے انکار نے خود اس کی پوزیشن واضح کردی کہ وہ اس حکم کا مخاطب ہی نہیں ہے —— رہ گیا قیام چونکہ "سلموا" کے ساتھ "تسلیما" اس کا مفعول مطلق بطور تاکید لایا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ صرف سلام ہی نہ بھیجو بلکہ ایسا سلام جو ان کی شان کے لائق ہو۔ لہٰذا لیٹنے، بیٹھنے، کھڑے ہونے میں قیام ہی ایک ایسی کیفیت ہے جس میں احترام وعظمت کا عملاً اظہار ہوتا ہے اس لئے قرآن مجید کے اس مفہوم کی رعایت کرتے ہوئے اہلسنت وجماعت نے وہ قیام جو مباح تھا اُسے مستحب ومستحسن قرار دیا تاکہ "تسلیما" کی قید پر عمل درآمد ہو جائے۔ جو اظہار عظمت کا ایک ذریعہ ہے —— علاوہ ازیں قرآن میں جہاں سلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس میں لیٹنے، بیٹھنے کھڑے ہونیکی کوئی قید نہیں ہے جس کا ظاہر اور واضح مفہوم یہی ہے کہ سلام پڑھنے والے کو اختیار ہے وہ جس طرح چاہے پڑھے۔ قرآن کے اس دیئے ہوئے اختیار پر اب پہرہ بٹھانے والا کون ہے

کر کھڑے ہو کر سلام نہ پڑھا جائے ــــ اصول فقہ کا یہ دستور ہمارے حریف کو بھی مسلم ہے کہ "اصل اشیار میں اباحت ہے" جس کی حلت و حرمت، جواز و عدم جواز سے متعلق شریعت کی زبان خاموش ہے۔ وہ اُپنے اصل میں مباح ہے۔ قیام جیسی مباح شے کو روکنا گویا شرعی امور میں اُپنی غاصبانہ ٹھیکیداری کو رواج دینا ہے ــــ فقہار کرام نے اس کی بھی صراحت فرمائی ہے اگر مباح جیسی چیزوں کے مانعین پیدا ہو جائیں تو اس کی حیثیت مباح ہی کی نہیں رہ جاتی بلکہ وہ واجب کی حدوں کو چھو لیتی ہے گویا اس کی حیثیت اگر واجب کی نہیں تو کالواجب کی ہو جاتی ہے ــــ رہ گیا قیام کو روکنے کے لئے جو علمار دیوبند کی حیلہ تراشیاں ہیں الزام واتہام کی ان تمام گندگیوں سے اہلسنت کا دامن بالکل بے غبار ہے۔ اُپنے اعمال وافعال کی تشریح و وضاحت کے ذمہ دار ہم ہیں نہ کہ آنجناب۔ ہمارے عمائد و اساطین کی کتابوں میں اگر کتاب و سنت کے خلاف کچھ آپ کو مل گیا ہو (العیاذ باللہ من ذالک) تو اُسے قوم کی عدالت میں پیش کیجئے۔ البتہ اُپنے تصورات کی بنیاد پر ہمارا عمل اٹھانے کی کوشش نہ کیجئے۔

قرآن نے ہمیں سلام پڑھنے کا حکم دیا ہے اُور کیفیت ہم پر چھوڑ دی ہے لہٰذا اگر قرآن کی کوئی ایسی آیت آپ کو مل گئی ہو جس میں قیام کی ممانعت ہو تو ــــ

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۝ | اگر تم اُپنے دعوے میں سچے ہو تو اسکی دلیل پیش کی۔

؎ عجب کچھ پھیر میں ہے سینے والا جیب و داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ اُدھڑا جو وہ اُدھڑا تو یہ ٹانکا

اِسی طرح عرس و فاتحہ سے متعلق بھی حاجی امداد اللہ صاحب نے مسلک اہلسنت ہی کی تائید و حمایت فرمائی ہے چونکہ اختصار پیش نظر ہے اِس لئے میں ناظرین سے یہ کہہ کر رخصت ہونا چاہتا ہوں۔ ہر چند کہ عرس و فاتحہ، میلاد و سلام جیسے فروعی مسائل میں اہلسنت کا علمار دیوبند سے اختلاف ہے لیکن یہ کلیدی و بنیادی اختلافات نہیں ہیں۔ علمار اہلسنت کی متعدد و مستند اُور معتبر کتابوں میں قرآن و سنت، و اقوال ائمہ سے ان مسائل کو مبرہن اور مدلل کیا گیا ہے۔ انشار اللہ تعالیٰ قہر آسمانی "جلد دوم" میں یہ مسائل زیر بحث آئیں گے۔ اُور قہر آسمانی جلد دوم اُپنی نوعیت کی ایک ممتاز و منفرد کتاب ہو گی جس میں ان مسائل کے ایک ایک گوشے کو حل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔

واضح رہے دیوبند سے ہمارا بنیادی اختلاف میلاد و سلام کا نہیں ہے ــــ بلکہ علمار دیوبند

توہین نبوت کے مجرم ہیں۔ لہذا سر فہرست ان سے یہ مطالبہ نہیں ہے کہ وہ عرس و فاتحہ کے قائل ہو جائیں بلکہ آقائے دوجہاں روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو زہر افشانی کی ہے اس سے رجوع و توبہ کر لیں الاہم فالاہم کے تحت جب وہ ان منزلوں سے گذر جائیں گے تو میلاد و سلام کے لئے خود ہی دل میں جگہ بن جائے گی۔ پہلے توہین نبوت سے دل کا زنگ دور کر دیا جائے پھر عشق کا ہاتھ آگے بڑھ کر خود ہی صیقل کر دے گا۔

العقائد کو ہم آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہے ہیں۔ اگر پسند خاطر آجائے تو ہمارے علماء حق میں صحت و سلامتی اور ترقی درجات کی دعا کیجئے انہوں نے ہی ادارہ کو اس قابل بنایا کہ وہ اس عظیم کتاب کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت و سعادت حاصل کر سکے۔

اگر آپ نے ہماری خامیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ادارہ کی خدمات کو سراہا تو انشاء اللہ العزیز ہم آپ کی خدمت میں علماء حق کی نادر تصنیفات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے رہینگے۔

ہم آپ کی مخلصانہ رائے کے منتظر ہیں خدا کرے یہ کتاب عوامی رشد و ہدایت کے لئے ایک روشن منارہ ثابت ہو۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

مشتاق احمد نظامی

۲۰ ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۲ دسمبر ۱۹۷۵ء

آفس پاسبان الہ آباد ۳



عقائد ذریعۂ نجات ہیں یا اعمال؟

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

دنیا و آخرۃ کا کوئی بھی کام ہو کسی نہ کسی عقیدے کی پیداوار ہوتا ہے۔ ہر دلیل کی بنیاد کسی نہ کسی عقیدے پر ہوتی ہے۔ اگر عقائد مسلوب ہو جائیں تو دنیا میں نہ تو کسی دلیل کا وجود ہوگا اور نہ کسی عمل کا۔ کیونکہ ہر عمل سے پہلے اس کی غرض و غایت متعین ہوتی ہے جس کی کڑیاں عقائد سے جا ملتی ہیں۔ انسانی زندگی کو خاطر خواہ صحیح نتائج سے ہمکنار کرنے کے لئے کشتیٔ حیات کو ساحل نجات تک پہونچانے کے لئے فوز و فلاح کی معراج کا منتہائے عروج متعین کرنے کے لئے کسی معاشرے کو سماجی و اصلاحی ارتقاء سے دوچار کرنے کے لئے عقائد کا درست اور غیر متزلزل ہونا نہایت ضروری ہے کہ اسی سے تحریکیں مضبوط و متحد ہوتی ہیں اور کام کرنے کی حقیقی لگن جنم لیتی ہے۔ جو ایک نہ ایک دن اسے لیلائے کامیابی سے ہم آغوش کردیتی ہے۔ عقائد جیسے ہوں گے اسی طرح کے نتائج منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوں گے عقائد غلط ہیں اعمال ضائع ہوں گے۔ حیات انسانیہ کو منزل نجات تک پہونچانے سے قاصر رہیں گے۔ درحقیقت عقائد روح ہیں اور اعمال جسم۔ عقائد اصل ہیں اعمال اس کی شاخیں۔ جس طرح شاخیں بلا جڑوں کے تر و تازہ نہیں رہ سکتیں۔ نشو و نما کے لئے غذا نہیں حاصل کرسکتیں بالکل اسی طرح نجات و کامیابی کا حسین چہرہ پردہ عدم میں مخفی رہتا ہے فوز و فلاح مفقود و غیر مربوط رہتی ہے جب تک عقائد درست و مستحکم نہ ہوں۔ عقائد روح ہیں اور اعمال جسم۔ عقائد کے بغیر اعمال کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اسلام نے اسی اصول پر اپنی عمارت تعمیر کی۔ توحید باری۔ عظمت رسالت بنیادی عقائد ہیں جن کے بغیر اعمال ناقص نامکمل اور بے بنیاد ہوتے ہیں۔ ایمان کے معنی ہیں تصدیق بالجنان صدق دل سے یقین کرنا۔ زبانی اقرار اور عمل بالارکان اس کے لوازمات ہیں قرآن نے اعمال کو دوسرا درجہ دیا ہے اور ایمان کے ساتھ مربوط و مشروط قرار دیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ——

اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ——

اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا	بیشک ہم نے آپ کو شہادت دینے والا، خوشخبری سنانے والا، ڈرانے والا رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اس پر ایمان لاؤ۔ یعنی اس کی عزت و توقیر کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔ (نمازیں پڑھو)

رسول کی عزت و توقیر کے بغیر نہ ایمان ہی مکمل ہے اور نہ اعمال ہی مقبول۔ کوئی خواہ کتنا ہی پرہیزگار کیوں نہ ہو۔ کلمہ طیبہ کا کتنا ہی ورد کیوں نہ کرتا ہو۔ کیسی ہی لچھے دار تقریر کرتا ہو لیکن اگر اس کی تقریر تحریر اعمال و افعال گفتار و کردار سے توقیر رسالت نہیں ظاہر ہوتی تو ہین کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ کھلا ہوا بے دین ہے۔ ایمان کی اس کو ہوا بھی نہ لگے گی۔ درحقیقت وہ اسلام کے بنیادی عقیدے ہی سے منحرف ہو گیا ہے۔ اسے باغیوں کی صف میں جگہ ملے گی۔ عاشقان رسول کی صفیں کبھی بھی اسے قبول نہ کریں گی۔ معلوم ہوا کہ ایمان توحید باری عظمت رسالت کا نام ہے۔ اعمال بغیر ایمان کے ناقابل اعتبار ہیں عقیدے میں خامی بے دینی اور بد کرداری پیدا کرتی ہے۔

ایمان کے لئے سب سے مہلک مرض شک و شبہات ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ یقین کامل کے بغیر طمانیت قلبی نہیں حاصل ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ خالق کائنات نے (سورہ فاتحہ کے بعد) قرآن کی سب سے پہلی سورۃ میں اس کی طرف تنبیہہ بلیغ فرمائی —— ارشاد فرمایا ——

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ	یہ کتاب اس میں کچھ بھی شک و شبہ نہیں ہے۔

جہاں شکوک و شبہات ہیں وہیں مذبذب و اضطراب ہے عزم بالجزم پیدا ہی نہ ہوگا اور نہ عقیدہ ہی پختہ ہوگا —— اسی بنا پر رب العزت جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ عقیدے اور ایمان کی پختگی کے ساتھ شکوک و شبہات سے بالاتر ہو کر اس کتاب کی صداقت پر ایمان لاؤ —— کوئی کتاب اس وقت تک سرچشمۂ ہدایت نہیں بن سکتی جب تک کہ شبہات کو شہر بدر کر کے والہانہ عقیدت اور شیفتگی کے ساتھ اس کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔ کیونکہ ہر قسم کی کامیابی اور نجات کا راز عقیدوں کی پختگی میں پوشیدہ ہے۔

سرکارِ دو عالم روحی لہ الفدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

من قبل منی الکلمہ التی عرضت علی عمی فابی فھی لہ نجاۃ	جس نے مجھ سے وہ کلمہ قبول کر لیا جس کو میں نے اپنے چچا پر پیش کیا تھا۔ انھوں نے انکار کر دیا تو وہی کلمہ اسی کے لئے باعثِ نجات ہے

جس نے خالص عقیدے کے ساتھ کلمہ قبول کیا۔ نجات صرف اسی کے لئے ہے کیونکہ عقائد ہی سے اعمال کی صحت منتج ہے۔ عقائد میں ریب وشبہات کا رخنہ ہو۔ تو۔ اعمال میں دراڑ پڑ جاتی ہے۔ تحریر و تقریر کے انداز بدل جاتے ہیں۔ عشق و محبت کی روح اعمال و کردار سے پرواز کر جاتی ہے۔

منافقین کے اعمال متزلزل تھے انھوں نے ریب و اضطراب کو عیاری و مکاری کے ذریعہ چھپانے کی کوشش کی۔ مگر جیسا کہ آپ نے دیکھا وہ سعی لاحاصل ہی رہی۔ عقائد کی خرابی گفتار و کردار کے دریچے سے برابر جھانکتی رہی۔ بدر، احد، تبوک وغیرہ غزوات کے واقعات شاہد ہیں اور اس کے بین ثبوت ہیں۔ انتشار پیدا کرنے کی مختلف سازشیں بے نقاب ہوئیں۔ جنھوں نے عقائد کے خراب ہونے کی غمازی کی۔ اور بہت سے مقامات پر عقائد کی بے راہ روی، اعمال کی خرابی بن کر طشت از بام ہوگئی۔ جس سے سارے معاشرے کو نقصان پہونچا۔ مبادا یہ مرض متعدی بن کر صحت مند عناصر کی صحت پر اثر انداز نہ ہو جائے، طبیب امت نے بروقت نباضی کی۔ اور انھیں باہر نکال پھینکنے کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔ ان کے عذرِ لنگ نامقبول قرار دیئے گئے۔

غزوۂ تبوک میں منافقین شریک نہ ہوئے۔ مقابلہ رومیوں کی جابر حکومت سے تھا۔ دُور دراز کا سفر۔ گرمی کا زمانہ۔ اخراجات کی قلت۔ انھوں نے یہ مشہور کرنا چاہا کہ اس غزوہ میں ہلاکت و تباہی کے علاوہ کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔ فرمانِ رسالت کی عظمت و صداقت کا انکار ہی اس قسم کے ناشائستہ اعمال کا بانی ہو سکتا تھا۔ مومنین صادقین نے صدائے رسالت پر لبیک کہا۔ ادھر رومیوں پر رعب طاری ہوگیا۔ مقابلہ کو نہ آئے۔ سرحدی زمینداروں اور حاکموں سے معاہدہ اور تاوان جنگ وغیرہ بہت سامان لے کر فاتحانہ شان و شوکت کے ساتھ شمعِ رسالت مع پروانوں کے وطن واپس آئے ——— نکتہ چینوں اور عظمتِ رسالت میں شک و شبہات کے مرتکب منافقین کے دلوں میں کھلبلی مچ گئی۔ مالِ غنیمت میں حقدار اور حصہ دار بن جانے کے لالچ میں دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر معذرت خواہ ہوئے ——— اعمال کی کوتاہی تو

قابل درگذر ہے مگر عقائد کے بنیادی فساد کو کیسے نظرانداز کیا جاسکتا تھا۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورہ توبہ پ۱۱)	منافقین معذرت کرنے آپ کی واپسی پر آئے۔ فرمائے کہ تم عذر نہ کرو۔ ہم تمھاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔ بیشک اللہ نے تمھاری تمام خبریں ہم کو بتادی ہیں۔ اللہ اور اس کا رسول تمھارے تمام اعمال دیکھے گا۔ پھر تم مرنے بعد غیب و شہادت جاننے والے خدا کے حضور میں پیش کئے جاؤ گے جو تم کو تمھاری کرتوتوں سے باخبر کردے گا۔

اپنی منافقت پر دوبارہ پردہ ڈالنے کے لئے معذرت خواہی کا خدائے وحدہ لاشریک لہ نے کیا جواب دیا۔ بات اگر عمل کوتاہیوں تک ہوتی تو حضرت کعب وغیرہ کی طرح توبہ مقبول ہوسکتی تھی۔ مگر یہاں بنیادی عقیدوں کی خرابی تھی۔ نجات کا دروازہ بھی بند ہوچکا تھا۔ کسی طرح بھی توبہ قبول کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ کیونکہ اس طرح سارا معاشرہ متاثر ہوسکتا تھا — حالانکہ وہ کلمہ پڑھتے۔ روزہ، نماز، حج زکوٰۃ اداکرتے۔ مسلمانوں کی طرح صورت ولباس اختیار کرتے لیکن صرف اعمال ہی نجات کا ذریعہ نہ بن سکے — اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد خداوندی کے مطابق ان کی توبہ نامقبول ہونے کا اعلان کردیا۔ ان کا باقاعدہ مقاطعہ کردیا۔ چونکہ انہوں نے انسانیت کی بنیاد کھوکھلی کرنے کی کوشش کرکے نہ صرف اپنا نقصان کیا تھا بلکہ دُنیائے انسانیت سے غداری بھی کی تھی لہٰذا ان سے تمام انسانی رشتے بھی منقطع کردیئے گئے — اور حکم نازل ہوگیا کہ:

لَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ۔	ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو اگر ان میں کوئی مرجائے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو۔



(علامہ مولانا محمد دانش علی صاحب فریدی)

ایمان

یوں تو مدعیان اسلام کے کتنے ہی طبقات بساط عالم پر ابھرے اور پھر حرف غلط کی طرح مٹ گئے کچھ ان میں وہ ہیں جن کا دھندلا انعکاس بھی ذہن و دماغ میں باقی نہ رہا۔ صفحات تواریخ و سیر پر ان کے نقوش مل سکتے ہیں جیسے معتزلہ جبریہ، قدریہ، کرامیہ وغیرھا لہٰذا ان پر نقد و نظر محض عبث بلکہ باعث اضاعت وقت ہے۔ موجودہ مذاہب میں ہر مذہب بہانگ دہل تحریر و تقریر کی پوری توانائی کے ساتھ اعلان عام کر رہا ہے کہ ہماری منتخب شاہراہ ہی انسانیت کو فلاح و نجات کی ضمانت دے سکتی ہے۔ ہمارا ہی نظریۂ حیات خدارسی کی منزل کی صحیح نشاندہی کر سکتا ہے۔

قدرت کی جانب سے انسان کو سرمایہ شعور و پندار کی دولت بے پایاں سے مالامال کر کے مکلف کر دیا گیا ہے اسی عقل و شعور کی رہنمائی میں انسان کو دنیا میں ایک پاکیزہ اور باوقار زندگی گزارنے کے لئے اور آخرت میں نجات و فلاح کے حصول کے لئے ایک ٹھوس نظریہ ایک غیر مبدل دستور کا پابند ہونا پڑے گا۔ تمام مدعیان اسلام کا یہ مسلم فیصلہ ہے کہ صرف ایمان ہی ایک مقدس معاشرہ مرتب کر سکتا ہے۔ اور ایمان ہی فلاح و نجات، امن و امان اور سکون و اطمینان کی ضمانت دے سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں ایمان ہی کے مفہوم کی وضاحت مقصود ہے۔ ہر طبقہ ایمان کا مدعی ہے۔ حالانکہ ہر طبقہ کے نظریات میں بون بعید اور تضاد و تخالف موجود ہے۔ قرآن عظیم و احادیث و کتب ملت کا ہی فیصلہ ناطق اور واجب التسلیم ہوگا

علم کلام کی غیر معمولی نہایت مستند کتاب شرح عقائد میں ہے:

ان الایمان فی الشرع ھو التصدیق بما جاءہ من عند اللہ ای تصدیق النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالقلب فی جمیع ماعلیہ بالضرورۃ والاقرار باللسان الا ان التصدیق رکن منہ لایحتمل السقوط اصلاً والاقرار قد یحتملہ فی حالۃ اکراہ۔

اس کی شرح رمضانی میں ہے — ای فیما اشتہر کونہ من دین الرسول بالخبر المتواتر انتہی

حاصل یہ کہ ایمان نام ہے ان تمام ضروریات دین کی توثیق وتصدیق کا جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے شارع علیہ السلام تک پہونچیں نیز ان تمام امور کا زبان سے اقرار واظہار کا رمضانی میں تشریح کی گئی کہ امور ضروریہ سے مراد وہ احکام وارشاد ہیں جن کا دین محمدی سے ہونا خبر متواتر سے ثابت ہو جو عوام میں شہرت عامہ رکھتے ہوں، جیسے وجود صانع، نماز پنجگانہ وغیرہ۔ شرح عقائد کی مذکورہ بالا عبارت کا یہ مفہوم بھی ہے کہ رکن ایمان صرف تصدیق ہے اور اقرار واظہار دنیاوی احکام کے نفاذ کا ذریعہ ہے اس کا ماحصل یہ کہ اگر تصدیق قلبی پر کسی کی موت ہو گئی اور وہ اقرار باللسان نہ کر سکا تو عند اللہ وہ صاحب ایمان گیا۔ ایک غیر معروف انسان کی شکل وشباہت میں حامل وحی حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر سوال کیا — اخبرنی عن الایمان قال ان تومن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر وتومن بالقدر خیرہ وشرہ قال صدقت یا رسول اللہ ایمان کیا ہے۔ سرور کونین علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور کتب آسمانی اور انبیاء اور قیامت اور تقدیر خیر وشر کی تصدیق ویقین کا نام ایمان ہے — حضرت جبرئیل نے عرض کیا آپ نے سچ فرمایا زبان نبوت نے ایمان کی غیر مبہم اور نہایت واضح تشریح ارشاد فرما دی۔

امام الائمہ سراج الامہ عماد الملہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں — لا نکفر اھل القبلۃ — ہم اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے — اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین کو حق مانتے ہوں۔ جو ضروریات دین میں سے کسی ایک کا منکر ہو وہ اہل قبلہ سے نہیں — شرح عقائد کے حاشیہ میں ہے —

ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے ہم اس کو ایماندار ہی کہیں گے یہ اس لئے کہ ایمان وکفر کے درمیان کوئی تیسرا درجہ نہیں — قرآن مجید میں ہے — ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا اولئک ھم الکافرون — اور چاہتے ہیں کہ ایمان وکفر کے درمیان کوئی تیسری راہ نکالیں یہی ٹھیک ٹھیک کافر ہیں

آج کل کے مذاہب باطلہ نے قول امام سے سیدھے سادے مسلمانوں کے صحیح وسالم ذہن وفکر کو برباد کر کے رکھ دیا ان کے خرمن دیانت کو آتش فریب سے پھونک ڈالا ان کو سبز باغ دکھایا گیا کہ امام مذہب کا ارشاد ہے۔ اہل قبلہ کبھی کافر نہ ہوگا — (اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین کے حق ہونے پر متفق ہوں جیسے عالم کے حادث ہونا، جسموں کا محشور ہونا، عز وجل کا کلیات اور جزئیات کا عالم ہونا، وغیرہ وغیرہ جو عمر

پھر نیکیوں پر مداومت کرے اور یہ اعتقاد رکھے کہ عالم قدیم ہے۔ جسموں کا حشر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جزئیات نہیں جانتا وہ اہل قبلہ سے نہیں۔ اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے سے مراد یہ ہے کہ اس میں کفر کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہ پائی جائے۔ اور اس سے کفر کے موجبات میں سے کوئی موجب نہ صادر ہو۔ اس تشریح کا ماحصل یہ ہوا کہ جو شخص ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرے یا وہ شان الوہیت یا شان رسالت میں گستاخی کرے وہ اہل قبلہ میں سے نہیں۔ وہ فرد بالضرور کافر ہے۔ اس کو کافر کہنا لا نکفر اھل القبلۃ کے منافی نہیں) (امجدی) ——— اور اس آیت کریمہ سے ان کو بے خبر رکھا گیا۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملٰئکۃ والکتب والنبیین۔	یعنی کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو ہاں اصل میں نیکی یہ ہے کہ ایمان لاؤ اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر۔

اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوا کہ مشرق و مغرب خواہ کعبہ مقدسہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنا ہی کچھ نیکی نہیں بلکہ اصل نیکی اللہ عزوجل و قیامت وغیرہ ضروریات دین پر ایمان لانا ہے۔

تفسیر معالم التنزیل میں ہے: ———

فقال قوم عنی بھا الیھود والنصارٰی وذالک ان الیھود کانت متصل قبل المغرب الی البیت المقدس والنصاری قبل المشرق وزعم کل فریق منھم ان البرفی ذالک۔	ایک قول پر اس کے مخاطب یہود و نصاریٰ ہیں یہود سمت مغرب۔ بیت المقدس کی طرف نماز میں منہ کرتے اور نصاریٰ مشرق کی طرف اور ہر ایک کا گمان تھا کہ اسی میں نیکی ہے۔

معلوم ہوا کہ کسی سمت متوجہ ہو کر خواہ سمت کعبہ ہی ہو نماز پڑھنا ہی دلیل ایمان نہیں ——— سرور کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں: ———

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔	ایمان دار ہو ہی نہیں سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی اولاد اس کے باپ اور تمام بنی نوع انسان سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

کیا امام کی نگاہ اجتہاد میں یہ آیت کریمہ اور حدیث مصطفےٰ علیہ التحیہ والثناء نہ تھی — صرف نماز پڑھنا یا زکوٰۃ دینا ایمان نہیں ہے بلکہ ایمان اور ہی شے ہے — کلمۂ شہادت کا اقرار بھی تو دلیل ایمان نہیں جیساکہ شرح عقائد الامام نسفی میں ہے :———

لیست حقیقۃ الایمان مجرد کلمۃ الشہادۃ علی مازعمت الکرامیۃ

بھلا کلمۂ شہادت کی عظمت و رفعت کا کون منکر ہوگا مگر تنہا تنہا یہ بھی ایمان کی ضمانت نہیں پیش کرتا۔

کہاں ہیں وہ عجیب الخلقت لوگ جو پیٹھ پر ستو باندھ کر گاؤں گاؤں نگر نگر کلمہ اور نماز پڑھاتے پھرتے ہیں ؎

بڑے پاک باطن بڑے پاک دل
ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

ارے وہی کوہ قاف والے جن کی — پیشانیوں پر ہاتھی کے پیر کے نشان بنے ہوتے ہیں جن کے پاجامے انڈر ویئر کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں، جن کا چکنا سر فرخ آبادی تربوز کی یاد دلاتا ہے۔

میرے عزیز دوستو! — ان تمام اقوال کی تعبیر میں اختلاف ضرور ہے اطلاق میں یقیناً تخالف ہے۔ مگر جن کے دلوں میں محبت رسول کی شمع روشن ہے جن کا قلب و ذہن عشق رسول کی حرارت سے مالامال ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ سب کا مضمون سب کا مفہوم و مقصود اختلاف و تضاد کے شائبہ سے پاک ہے۔ امام اعظم قدس سرہٗ کی عبارت کا حاصل بھی یہی ہے کہ جو اہل ہے ہم اس کی تکفیر نہ کریں گے۔ اس پر اسلام و ایمان کا حکم کریں گے جب تک اس سے کوئی ایسا امر ظاہر نہ ہو جو تصدیق قلبی کی تکذیب کرتا ہو اور محبت رسول کا مطلب بھی یہی ہے کہ سرکار نے جو کچھ فرمایا اس کو حق و صواب یقین کرے دل کے تمام گوشے اور دماغ کے تمام اجزاء ان کے احترام و اعزاز سے مالامال ہوں — جیساکہ اسی شرح عقائد میں امام جلیل الشان نے فرمایا ———

حقیقۃ الایمان ھو التصدیق القلبی فلا یخرج المومن عن الاتصاف بہ الا بماینافیہ الایمان.

ایمان کی حقیقت وہی تصدیق قلبی ہے اس وقت تک اس کو ایمان دار کہا جائے گا جب تک کوئی ایسا امر اس سے سرزد نہ ہو جو منافی ایمان ہو۔

اسی میں ہے :———

فلو حصل ھذا المعنی لبعض الکفار

یعنی اگر کسی کافر میں تصدیق قلبی پائی جاوے

وکان اطلاق اسم الکافر علیہ من جہتہ ان علیہ شیئاً من امارات التکذیب والانکار کما اذا فرض ان احدا صدق بجمیع ما جاء بہ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وسلم واقربہ وعمل بہ مع ذلک شد الزنار بالاختیار وسجد للصنم بالاختیار نجعلہ کافراً لما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جعل ذلک علامۃ للتکذیب والانکار۔

جب بھی اس پر لفظ کافر ہی کا اطلاق کیا جائے گا اگر اس میں کوئی علامت تکذیب وانکار پائی جاوے جیسا کہ ہم ایک ایسا انسان فرض کرتے ہیں کہ شارع علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا اس نے اس کی تصدیق کی زبان سے اقرار بھی کر لیا اور اس پر عمل پیرا بھی ہوا۔ مگر زنار باختیار باندھتا ہے یا باختیار پیش اصنام سجدہ ریز ہوتا ہے اس پر حکم کفر ہی کریں گے۔ اس لئے کہ شارع علیہ السلام نے ان چیزوں کو علامت کفر فرمایا ہے۔

اسی آیت مذکورہ الصدر میں فرمایا گیا کہ محض روبہ شرق وغرب ہونا ہی ایمان نہیں جب تک تصدیق قلبی نہ ہو اور کوئی ایسا کردار اور کرتوت ہو جو تکذیب امر ضروری پر دلیل ہو — اسی لئے سرکار عزت مدار علیہ السلام نے فرمایا کہ — "ایمان دار ہو ہی نہیں سکتا جب تک میں اس کے نزدیک تمام کائنات سے محبوب تر نہ ہوں" — جس کے دل کی تجوری میں عشق رسول کی دولت محفوظ ہو گی جس کے سینہ میں محبت رسول کی شمع روشن ہو گی جس کے سینے میں حرارت ایمانی ہو گی جو سرکار کے دامن رحمت سے مضبوط رابطہ رکھے گا یقیناً ان کے ہر فرمان پر سر تسلیم خم کرے گا' ان کے ارشاد کے احترام کو سعادت ابدی اور دولت سرمدی سمجھے گا اگر کوئی بالفرض ہر آن میں لا الٰہ الا اللہ کی کروڑوں ضربیں لگائے ہر سانس میں بارگاہ الوہیت میں سجدہ عبادت پیش کرے زکوٰۃ کی ایک ایک پائی حقدار تک پہنچا دے۔ آقائے نامدار کی محبت کا دعویدار ہے اور تمام فرائض وواجبات کو لازم حیات جانے — مگر ختم نبوت کا منکر رہے — نگاہ شرع مطہر میں یقیناً جزماً کافر ہے — اس لئے کہ آیت کریمہ ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور احادیث متواترہ مثلاً ختم بی النبوۃ کا صراحۃً منکر ہے — جب کہ قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کی باطل نبوت پر ایمان لائے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی شان اقدس میں سخت گستاخی کی جیسا کہ اس ناپاک شعر میں ہے ؎

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو ؛ اس سے بہتر غلام احمد ہے

کیا قادیانی زبان پر کلمۂ شہادت نہیں ؟ کیا قادیانی نمازی نہیں؟ کیا فرضیت زکوٰۃ، ملائکہ، جنت، دوزخ، تقدیر کا قائل نہیں ؟ کیا کلمہ شہادت نہیں پڑھتا ؟ بااین ہمہ تکذیب امر ضروری کی وجہ سے سرحد ایمان سے نکل گیا ہے۔

وہابی دیوبندی تبلیغی مودودی ان کی شکل وشباہت اور طریقۂ کار میں ضرور معمولی سا اختلاف جھلکتا ہے مگر ان سب میں وہی ابلیسی روح ہے۔ شراب ایک ہے رنگ پیمانہ بدلا ہوا ہے۔ یہ سب جڑواں ہیں۔ ایک ہی غلیظ اور سڑی ہوئی چھاتی کا دودھ پی کر پلے بڑھے ہیں۔ ان سب کا مورث اعلیٰ وہی اسمٰعیل ہے جس کی ناپاک روح ان سب میں رواں دواں ہے ان سب کے معتقدات مشترک ہیں یہ سب رضاعی بھائی ہیں — کہیں علم غیب کو خاصہ خدا بتایا اور مانا تو زید وعمر و پاگل جانوروں کو بھی علم غیب بخش دیا۔ میلاد پاک کو کنھیا کے جنم سے بدتر کہہ دیا — خدا کو کاذب مان لیا — حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بنی اسرائیلی چرواہا کہہ کر اپنی ذہنی گندگی کا ثبوت فراہم کر دیا۔ — ختم نبوت کو کمالات نبوی سے خارج کر دیا — ہزاروں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کو ممکن کہہ دیا۔ یہ تمام اقوال سراسر تصدیق قلبی کی تکذیب پر شہادت و برہان ہیں — کیا یہ نمازی حاجی نہیں ؟ کیا نماز و کلمہ گاؤں گاؤں پڑھتے پڑھاتے نہیں ؟ — کیا ان کو ایماندار کہا جائے گا ؟

ایسے تمام منافقین ہر سانس میں ایمان مجمل ایمان مفصل بلکہ ساتوں کلموں کی رٹ لگائیں — ان کے پرفریب سجدوں کی کثرت سے چٹائیں گھس جائیں مگر جب تک اس عناد ونفاق پر قائم ہیں صاحب ایمان نہیں ہو سکتے — ان المنافقین فی الدرک الاسفل —

ارشاد ربانی ہے : —

اذا جاءک المنفقون قالوا نشهد انك لرسول الله و الله يعلم انك لرسوله والله يشهد ان المنفقين لكذبون اتخذوا ايمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله۔

اے حبیب جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم لوگ گواہی دیتے ہیں کہ بے شک یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تو جانتا ہی ہے کہ بیشک آپ رسول اللہ ہیں بیشک منافقین جھوٹے ہیں۔ انھوں نے اپنے جھوٹے ایمان کو ڈھال بنا لیا ہے پس یہ اللہ کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

کیا ان کی گواہی ایمان کو بچاسکی قدرت کی جانب سے ان پر کفر کی مہر ہوگئی۔ دورِ رسالت کے منافقین کلمہ گو بھی تھے نمازی بھی تھے حاجی بھی تھے مگر زبانِ نبوت نے ان کی فریب کاری کا پردہ چاک کر دیا۔ ان کے چہرہ سے عیاری کی نقاب کو ہٹا کر ان کی اصلی صورت کو ظاہر فرما دیا ـــــ مسلمان ان کے ادعائے ایمان ان کی نماز وغیرہ اعمال ظاہری سے فریب نہ کھائیں خدا نے عقل و شعور بخشا ہے۔

آج پالن گجراتی بھولے بھالے سیدھے سادے عوام کو ابلیسی توحید سے گمراہ کر رہا ہے۔ ابلیس نے کہا تھا ـــــ ؎ تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں

گجراتی کے نزدیک توحید کا مفہوم وہی تقویۃ الایمانی مفہوم ہے کہ خدا کے سوا اوروں کو ماننا خبط ہے۔ اس کے نزدیک شرک ساون بھادوں بن کر برس رہا ہے۔ شبرات کا حلوا۔ نذر و نیاز۔ میلاد پاک۔ قیام۔ قبروں پر پھول ڈالنا، عرس کرنا، یا رسول اللہ، یا علی، یا غوث کہنا، انبیاء اولیاء سے مدد مانگنا، قوالی سننا، بزرگوں کو حاجت روا سمجھنا غرض ہر وہ کام جس سے عوام یا خواص متعلق ہیں شرک ہیں اور مشرک کی بخشش نہیں۔ اس کا بھی وہی اسمٰعیلی انداز فکر ہے۔ رشید احمد، اشرف علی ہی کا کلمہ گو ہے جیسا کہ ناپاک کتاب شریعت یا جہالت کے صفحہ ۳۰ پر ہے حقانی حنفی عالم ہیں جن کا تعلق تبلیغی جماعت سے ہے۔ اس کے شرک کی تلوار اندھے کی لاٹھی ہے جس سے شاید کوئی دامن بچالے۔ اپنے گھر والوں کو بھی مشرک بنا ڈالا خود بھی اقراری مشرک تھا مگر کہتا ہے کہ مجھ کو ہدایت مل گئی (شریعت یا جہالت)

اپنے گھناؤنے کردار و گفتار پر پردہ ڈالنے کے لئے اہل سنت پر افترا کرتا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں نمازی، اہل قبلہ کو کافر کہتے ہیں کلمہ پڑھنے والوں کو کافر کہتے ہیں ـــ مگر اس بدمست شرابی سے کوئی پوچھے کہ کیا اہل سنت کلمہ گو نمازی اہل قبلہ نہیں پھر ان پر شرک کی بمباری کیسی؟

حاصل یہ کہ ایمان کی حقیقت تصدیق قلبی ہے بشرطیکہ کوئی امر ایسا صادر نہ ہو جس سے کسی امر ضروری کی تکذیب ہوتی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایمان مقدم ہے یا عمل

آج کل یہ فتنہ بھی کالرا کے جراثیم سے کچھ کم مہلک نہیں کہ بھائیو! ہم کو عقیدہ سے بحث نہیں ہم تو کلمہ اور نماز پڑھانے آئے ہیں اپنے ایمان سے رہیں سارے نمازی ہوشیار۔ کچھ شیاطین ہیں مسجد میں خضر کی صورت ہماری آنکھوں نے دیکھا کہ جب سادہ لوح مسلمان ان کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے ہیں تو ان کے ذہن و فکر، اندازِ گفتگو

پر ابلیسی توحید والوں کا مکمل قبضہ ہو جاتا ہے ان کے متاع ایمان سرمایہ عشق رسول پر خوبصورت انداز میں ڈاکہ ڈالا جاتا ہے — ع ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد — کی مثل رنگ وہابیت میں ایسا رنگ جاتے ہیں کہ ان کا منہ بھی شرک و کفر کا توپ خانہ بن جاتا ہے۔ ان کے منہ سے بھی وہی شرک و کفر کی بمباری شروع ہو جاتی ہے۔

رسول کے فدائیو! — مصطفےٰ کے شیدائیو! پھونک کر قدم رکھو ان کی ناپاک صحبت بلکہ شیطانی سایہ سے دُور رہو — ایمان اصل ہے نماز روزہ تمام اعمال اس کی فرع اور اس کا ثمرہ۔ اگر اعمال کو تقدم حاصل ہوتا بغیر ایمان کے اگر عمل کی کوئی قیمت ہوتی — تو منافقین جو کلمہ گو بھی تھے نمازی بھی تھے مسلمانوں کے دوش بدوش رہتے تھے مگر ان کو مسجد نبوی میں بھی پناہ نہ دی گئی — اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے: — ع ہزار سال عبادت کند نمازی نیست

قرآن مجید میں ہے: —

عاملة ناصبة تصلى نارا حامية	عمل کریں گے مشقتیں بھریں گے مگر بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

آئمہ ملت کا اتفاق ہے کہ ایمان مقدم ہے۔ اگر درخت کی جڑیں کاٹ دی جائیں تو وہ کبھی بار آور یا سرسبز و شاداب نہیں رہ سکتا بلکہ ایندھن بنا کر آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ اسی طرح انسان اگر تصدیق سے خالی ہو کر عمل کا مجسمہ بن جائے جہنم ہی کا سزاوار ہوگا۔

امام نسفی نے شرح عقائد میں فرمایا — ووردفی الکتاب ایضا جعل الایمان بشرط صحۃ الاعمال کما فی قولہ تعالیٰ ومن یعمل من الصلحت وھو مؤمن جملہ "وھو مومن" — حال اور حال بمنزلہ شرط ہوتا ہے۔ آیت پاک نے وضاحت فرمادی کہ صاحب ایمان ہی کا عمل صالح مقبول ہے اور ایمان ہی منجی اور ضامن نجات ہے — سورہ عصر میں فرمایا گیا والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنو وعملوا الصلحت — اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ایمان کو عمل پر تقدم حاصل ہے پھر قرآن عظیم میں کہیں بھی کفار و مشرکین سے اعمال کا مطالبہ نہیں بلکہ ایمانداروں سے ہے — یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام۔ یایھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص — اسی طرح کثیر آیات جن سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن کہ ایمان عمل پر مقدم ہے واللہ الھادی وھو تعالیٰ اعلم۔



(مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی اعظمی)

ایمان بالقدر

اندرون قعرِ دریا تختہ بند م کردہٗ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

ایمان بالقدر کا مسئلہ بڑا باریک، اہم اور نازک ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ قدرتِ خداوندی کے ان سربستہ رازوں میں ہے جہاں تک پہونچنے میں فکر و فہم کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں اور لغزشوں، ٹھوکروں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اس حقیقت کی اتھاہ گہرائی تک پہونچنے کے لیے جتنی کرید ہوتی ہے الجھنوں کا دامن اور وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ اسی کثرتِ تجسس کا بھیانک نتیجہ ہے کہ لوگ گمراہی کے تپتے ہوئے صحراؤں میں بھٹکتے نظر آتے ہیں۔ اور انہیں ہدایت کی چھاؤں نہیں ملتی۔ جب ہی اللہ کے برگزیدہ رسول نے اس پر بحث تحیص کرنے سے سخت منع فرمایا ہے۔ میرا نقطۂ نظر شاید غلط نہ ہوگا کہ مسئلہ قدر کے پیچ و خم میں الجھنے والوں میں جدید علوم و فنون سے وابستہ حضرات زیادہ تعداد میں ہیں یہ لوگ قضا و قدر کی ٹھوس حقیقت کو ایک خواب سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ گویا تقدیر کا انکار بھی کوئی فیشن ہے جس کے بغیر تہذیب یافتہ لوگوں میں ان کا شمار نہ ہوگا ہماری یہی بدقسمتی ہے کہ گناہوں کو شہد کی طرح حلق سے نیچے اتار لیتے ہیں اور ایمان کو کڑواہٹ کا احساس تک نہیں ہوتا ہے جیسے ہمارا مذہبی شعور مفلوج ہوگیا!

سائنس و ٹیکنالوجی کی دنیا میں بسنے والے حضرات کو سائنسی نظریات نے یکسر مادہ پرست بنا دیا ہے وہ رفتہ رفتہ لادینیت کی طرف بڑھ رہے ہیں وہ روحانی قوت اور ان دیکھے حقائق پر یقین کرنے کیلئے تیار نہیں۔ وہ اس پراسرار حقیقت پر قہقہہ لگاتے ہیں کہ انسان کے وجود سے پہلے اس کی تمام حرکات و سکنات صحیفۂ ازل میں مرقوم ہو چکی ہیں اور اس کے لباس وجود میں آنے کے بعد اسی ازلی تحریر کے مطابق ہر چیز رونما ہوتی ہے یہ لوگ مادی پیچیدگیوں میں گم ہو کر متاعِ ایمان کھو رہے ہیں اور ایک ایسی نئی پگڈنڈی اختیار کر رہے ہیں جو گمراہی و بددینی کے شہر کی طرف جاتی ہے حالانکہ وہ اپنے زعم میں صحیح

منزل کی طرف گامزن ہیں اب انہیں کون بتائے ؟

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان ست

یہ لوگ اپنے ایمانی چہروں کے خدوخال ان احادیث کے آئینے میں دیکھ سکتے ہیں !

عن علی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن عبد حتی یؤمن باربع یشہد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ بالحق ویومن بالموت ویومن بالبعث ویؤمن بالقدر	حضرت علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ چار چیزوں پر ایمان لائے بغیر مومن نہیں ہوتا شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول برحق ہوں اور موت، بعث آخروی اور قدر پر ایمان لائے۔
عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن عبد حتی یؤمن بالقدر خیرہ و شرہ حتی یعلم ان ما اصابہ لم یکن لیخطئہ وان ما اخطاہ لم یکن لیصیبہ۔	جابر ابن عبد اللہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ تقدیر کے خیر و شر پر ایمان رکھنے سے مومن ہوتا ہے اور اس پر ایمان ضروری ہے کہ جو کچھ زندگی کو پیش آیا ہے اس میں خطا نہیں ہے اور جس میں خطا کی ہے اس میں اصابت نہیں !

کائنات بڑی وسیع و عریض ہے۔ یہاں ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں اور ہر ایک کے سوچنے کا طریقہ علیحدہ اور نقطۂ نظر جداگانہ ہے اس لئے سب سے پہلے کائنات کی یہ اعلیٰ ترین مخلوق، گوشت و پوست کا یہ حسین و خوبصورت ڈھانچہ جس کا نام انسان ہے اس رنگ و بو سے بھری کائنات میں اس کی حیثیت کیا ہے اس پر غور کرنا ہے !

دُنیا کے پردے پر انسانوں کی جو یہ متحرک تصویریں دکھائی دیتی ہیں کوئی سنگتراشی کر رہا ہے کوئی علم و فن کے موتی بکھیر رہا ہے۔ رات کے پرہول سناٹے میں کوئی نقب زنی کر رہا ہے۔ پولیس مجرم کی جستجو میں سرگرم ہے۔ پادری صلیب کے سامنے کھڑا ہے اس کے لب تھرتھرا رہے ہیں۔ مندر کا پجاری گھنٹی کی آواز پر جھوم رہا ہے۔ مسلمان مسجد میں خدا سے راز و نیاز کی باتیں کر رہے ہیں۔ کسان اپنے کھیت کی سرسبز و شاداب فصل پر گنگنا رہا ہے۔ کاروان اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ کوئی پھول کی کاشت

میں ہمہ تن مصروف ہے ___ کیا ان متنوع اور رنگ برنگ مسکراتی بولتی اور چلتی تصویروں کے بارے میں صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ یہ فلموں کے اداکاروں کی طرح اپنا رول انجام دے رہے ہیں بالفاظ دیگر خدا نے جو کام جس شخص کے سپرد فرمادیا ہے وہ اس کی تعمیل میں مصروف ہے اس کے خلاف وہ ایک انچ بھی جنبش نہیں کرے گا۔ نہ اس کی اپنی قوت ارادی ہے نہ کوئی نظریۂ حیات! ایک زندگی ہے جو غیبی طاقت کے اشاروں پر ناچ رہی ہے پتھروں کی طرح جامد ہے خود متحرک نہیں ہوسکتی جب تک کسی محرک کا اثر قبول نہ کرے۔ اسے کوئی اختیار نہیں مجبور محض ہے۔ اس کا اپنا کوئی عمل نہیں سب ارادۂ الٰہی کا نتیجہ ہے۔ یہ عقیدہ ہے فرقہ جبریہ کا جو خود کو مجبور محض کہلاتا ہے اور بس!

اِس نادان فرقہ کے بوجھ سے اَب شاید دھرتی پاک ہوچکی ہے۔ اس نے اپنی بااختیار حقیقت کو پہچانا ہی نہیں۔ ورنہ خود کو پتھروں کی دُنیا سے وابستہ نہ کرتا۔ ایک کُتا بھی اس سے زیادہ سوجھ بوجھ رکھتا ہے جب ہم اس کی طرف کوئی پتھر اُچھالتے ہیں تو وہ پتھر کی طرف نہیں بلکہ ہماری طرف حملہ آور ہوتا ہے دراصل اس فرقہ نے بالغ نظری سے اپنی حرکات و سکنات کا جائزہ نہیں لیا کسی چیز کی گرفت کی حرکت میں اِنسان کا اپنا اختیار ہوتا ہے لیکن رعشہ کی حرکت میں اس کا اپنا اختیار نہیں۔ پانی سے لبریز کٹورے کو ایک تندرست آدمی حرکت دیتا ہے اور پانی زمین پر ڈال دیتا ہے اس فعل میں اس کا اپنا اختیار ہے لیکن رعشہ کے مریض کی حرکت سے کٹورے کا پانی گرتا ہے اس میں اس کا اپنا اختیار نہیں ___ شرح عقائد میں اس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے: ___

لانا نفرق بالبضی ورۃ بین حرکۃ البطش وحرکۃ الارتعاش ونعلم ان الاول باختیارہ دون الثانی ولو یکن للعبد فعل اصلاً لما صح تکلیفہ ولا یترتب استحقاق الثواب والعقاب۔

اِنسان کی دوسری حیثیت اس کے بالکل برعکس ہے یعنی اِنسان پتھروں کی طرح ساکت و جامد نہیں بلکہ وہ قدرت و اختیار کا سرچشمہ ہے کوئی شے اس کی دسترس سے باہر نہیں ہر چیز پر اسے تسلط حاصل ہے ہر شے پر مضبوط گرفت ہے یہ اِنسان ہی طاقت ہے کہ وہ بے گناہوں کے خون سے دامن سرخ کرتا ہے کبھی حسن عمل سے زندگی کے سادہ خاکوں میں رنگ بھرتا ہے۔ امتحان کی کڑی منزل سے گذرتا ہے۔ عیش و نشاط کی ٹھنڈی چھاؤں میں ہنستا بولتا ہے۔ علم و فن سے آراستہ ہوتا ہے جہالت کو اپنا شیوہ بنالیتا

ہے۔ چاند کی حسین منزل کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ کبھی تحت الثریٰ کی اتھاہ گہرائی میں ڈوب جاتا ہے۔ پھولوں سے دامن بھرتا ہے کانٹوں سے رفو کرتا ہے۔ برائی کا خوگر بنتا ہے بھلائی کے قالب میں ڈھلتا ہے۔ گناہوں میں لذت ڈھونڈتا ہے کبھی حسن کردار میں تلخی محسوس کرتا ہے — غرض کہ وقت کے اسٹیج پر انسان جو کچھ کرتا ہے خود اپنے اختیار سے کرتا ہے اسے عملی زندگی میں اختیار کلی حاصل ہے اس پر کسی خارجی قوت کا دباؤ نہیں، وہ اپنے افعال کا خود خالق ہے — یہ عقیدہ ہے فرقہ قدریہ کا — جو قضاو قدر کا منکر ہے!

دو فرقوں نے انسان کو دو نقطۂ نگاہ سے دیکھا اور پرکھا اور دونوں گمراہ کن نتیجے پر پہونچے۔ ایک نے اس کی کردی سنگ و حجر سے ملا دی۔ دوسرے نے تمام اختیارات اس کے دامن میں ڈال دئے — یہ دونوں فرقے باطل اور ان کے نظریات بھی ضلالت سے لبریز ہیں — ان کے بارے میں بارگاہ رسالت سے جو فرمان نافذ ہوا ہے — ملاحظہ فرمائیے!

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم صنفان من امتی لیس لهما فی الاسلام نصیب المرجئة والقدریة

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا میری امت کے مرجیہ و قدریہ فرقوں کا اسلام میں کوئی حصّہ نہیں

—— (رواه الترمذی) ——

عن ابن عمر قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول فی امتی خسف ومسخ وذالك فی المکذبین بالقدر

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا میری امت میں خسف و مسخ (زمین کے اندر دھسنا اور مسخ صورت ہو جانا) کے لوگ ہوں گے اور یہ وہی لوگ جو قضا و قدر کی تکذیب کریں گے۔

عن یحیی بن یعمر قال کان اول من قال فی القدر بالبصرة معبد الجهنی فانطلقت انا وحمید بن عبد الرحمٰن الحمیری حاجین او معتمرین فقلنا لو لقینا احدً

یحیٰی ابن یعمر سے مروی کہ سب سے پہلے بصرہ کے اندر معبد جہنی نامی ایک شخص نے قدر کا سوال اٹھایا۔ راوی کا بیان ہے میں اور حمید بن عبد الرحمان حمیری حج یا عمرہ کے ارادے سے

امن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسئلنا عما یقول معولاء فی القدر فوفق لنا عبد اللہ بن عمر بن الخطاب داخل المسجد فاکتنفیتہ انا وصاحبی احدنا عن یمینہ والاخر عن شمالہ وظننت ان صاحبی لسیکل الکلام الی یا ابا عبد الرحمٰن انہ قبل ظہر قبلنا ناس یقرؤون القرآن یتقفرون العلم وذکر من شانہم وانہ یزعمون ان لاقدری الامر الف اذا لقیت ھؤلاء فاخبرھم انی بریٔ منھم براء منی والذی یحلف بہ عبد اللہ بن عمر لوان لاحدھم مثل اُحد ذھبًا فانفقہ ماقبل اللہ منہ حتی یومن بالقدر الخ

نکلے دل میں شوق پیدا ہوا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے ملاقات ہو جاتی تو ہم ان سے اس فرقہ کے بارے میں پوچھتے جو قدر کے سلسلہ میں ایسا عقیدہ رکھتا ہے۔ خدا نے توفیق دی حضرات عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی مسجد میں داخل ہوتے ہوئے ملاقات ہوگئی تو ہم دونوں نے انہیں وسط میں کرلیا اور ہم ان کے دائیں بائیں ہوگئے۔ میں نے گمان کیا کہ میرا ساتھی مجھے بات کرنے کا موقع دے گا۔ میں نے گفتگو کا آغاز کیا اے ابو عبد الرحمان (عبد اللہ بن عمر کی کنیت) ہمارے یہاں کچھ لوگ ظاہر ہوئے ہیں جو قرآن بھی پڑھتے ہیں اور علم کا شوق بھی رکھتے ہیں مگر وہ قدر پر یقین نہیں رکھتے۔ ابن عمر نے فرمایا جب تمہاری ان سے ملاقات ہو تو کہہ دینا کہ میں ان سے جدا ہوں اور وہ لوگ مجھ سے جدا ہیں خدا کی قسم اگر ان کے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور اُسے خرچ کر ڈالیں پھر بھی خدا قبول نہیں فرمائے گا جب تک قدر پر ایمان نہ لائیں۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ ان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم ۵ (رواہ ابو داؤد)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قدریہ اس امت کا مجوس ہے اگر وہ مرض میں مبتلا ہو جائے تو اس کی عیادت نہ کرو اور اگر مر جائے تو نہ جاؤ۔

قدریہ تضاد قدر کا منکر، اور بندہ کو اپنے افعال کا خالق اور خود مختار ثابت کرتا ہے اس کا نظریہ

سے کہ اشیار ازل میں مقدر نہیں بلکہ خدا کو ان کے وقوع کے بعد علم ہوتا ہے پہلے سے اسے کوئی علم حاصل نہیں کچھ عرصہ بعد اس فرقہ نے اپنے نظریات میں کچھ تبدیلی تو کردی لیکن ایک نیا شوشہ چھوڑا کہ خدا کی جانب سے خیر ہے شر نہیں — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسے مجوس (آتش پرست) سے تشبیہ دینا بایں معنی ہے کہ مجوس کی طرح اس نے بھی دو خداؤں بلکہ سینکڑوں خداؤں کا وجود مانا۔ مجوس کے مذہب کی اساس نور و ظلمت پر ہے۔ خیر فعل نور ہے اور شر، فعل ظلمت! — اس واسطے مجوس کے یہاں خالق خیر یزدان اور خالق شر اہرمن ہے — لیکن قدریہ تو ہر انسان کو اپنے افعال کا خالق مان کر سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں خداؤں کا وجود مان لیا۔

یہ تو رہا جبریہ و قدریہ کا نظریہ اور ان کا فاسد عقیدہ! — ہمارا عقیدہ ان سے مختلف ہے۔ قرآن و حدیث کی رو سے یہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تمام اشیار کو ازل ہی میں مقدر فرمادیا ہے اور اس کے علم میں ان کے وقوع کا صحیح وقت بھی معین ہے اس پر کشش کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ ماضی کے کھنڈر میں جو واقعات مدفون ہیں زمانہ حال کی کوکھ سے جو حادثات جنم لے رہے ہیں اور مستقبل میں جو واردات رونما ہونے والی ہے قلم نے سب کچھ لوح محفوظ میں ثبت کردیا ہے اس کے خلاف کچھ نہ ہوگا۔ اور یہی ہمارا عقیدہ ہے — اس حقیقت کا قرآن شاہد ہے:—

وما تسقط من ورقة الا يعلمها ولا حبة فی ظلمت الارض ولا رطب ولا يابس الا فی كتاب مبين۔	اور جو پتا گرتا ہے وہ اسے جانتا ہے اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔

اس آیت کریمہ کے تحت تفسیر خازن میں ہے:—

فيه قولان احدهما ان الكتاب المبين هو علم الله الذی لا يغير ولا يبدل والثانی المراد بالكتاب المبين هو اللوح المحفوظ لان الله كتب فيه علم مايكون وقد ما كان قبل ان يخلق السموات والارض۔	اس آیت پاک میں دو قول ہیں کتاب مبین سے یا تو علم الٰہی مراد ہے جس میں تغیر و تبدل نہیں یا اس سے لوح محفوظ مراد ہے جس میں خدا نے زمین و آسمان کی آفرینش سے پہلے علم ماکان و مایکون رقم فرمایا۔

دوسری آیت ہے:

قُلْ لَنْ یصیبنا الا ما کتب الله لنا۔	تم فرماؤ ہمیں نہ پہونچے گا مگر وہ جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا۔

اس آیت کے تحت اسی تفسیر میں ہے:

قل یا محمد لھؤلا اللذین یفرحون بما یصیبك من المصائب المکروہ لن یصیبنا الا ما قدرہ الله لنا وعلینا وکتبہ فی اللوح المحفوظ لان القلم جف بما ھو کائن الی یوم القیامۃ من خیر وشر الخ	جو لوگ آپ کی مصائب و شدائد دیکھ خوش ہوتے ہیں اے رسول آپ ان سے فرما دیجے کہ خیر و شر میں سے جو کچھ خدا نے ہماری تقدیر لکھ دیا ہے وہی ظاہر ہو رہا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم اول ما خلق الله القلم فقال لہ اکتب قال ما اکتب قال اکتب القدر فکتب ما کان وما کائن الی الابد۔ (رواہ الترمذی)	عبادہ ابن صامت سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اس سے لکھنے کو کہا قلم نے عرض کی میں کیا لکھوں ارشاد ربانی ہوا قدر کو تحریر کر تو قلم نے ابد تک سب کچھ لکھ دیا۔

دوسری حدیث ہے:

رسول الله صلی الله علیہ وسلم یقول کتب الله مقادیر الخلق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنۃ وکان عرشہ علی الماء	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارض و سما کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوق کی تقدیر تحریر فرمائی اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

اس کے علاوہ اور بہت سی آیات و احادیث ہیں جنہیں خوف طوالت کی وجہ سے قلم انداز کرتا ہوں ــــ قرآن و حدیث کی ان تصریحات سے قضا و قدر کا ثبوت یقینی ہو جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس کی چند قسمیں ہیں قضائے مبرم حقیقی یہ ازلی فیصلہ علم الٰہی میں کسی چیز پر معلق نہیں ہوتا ہے اس میں ترمیم و تبدیل بھی ممکن نہیں بلکہ یہ بندوں کی حد قدرت سے

باہر ہے حتیٰ کہ جو لوگ وحی والہام کے مرکز ہوتے ہیں جن پر فیضانِ الٰہی کی بارش ہوتی ہے وہ بھی اگر اس قضا میں تبدیلی کے بارے میں لب کشائی کرتے ہیں تو انہیں اس سے باز رہنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قومِ لوط کی بدکاری وشہوت پرستی پر آنے والے بھیانک عذاب کو رد فرمانے کی کوشش کی تو زبانِ قدرت بول اٹھی۔

یا ابراهیم اعرض عن هذا انه قد جاء امر ربك وانهم آتیتهم عذاب غیر مردود.	اے ابراہیم اس خیال میں نہ پڑو بے شک تیرے رب کا حکم آچکا ہے ان پر عذاب آئے گا پھیرا نہ جائے گا۔

تو قومِ لوط پر نزولِ عذاب مبرم حقیقی تھا جس میں تبدیلی ناممکن تھی۔

قضائے معلق یہ قضا فرشتوں کے صحیفوں میں معلق ہوتی ہے اور کسی کارِ خیر مثلاً صدقہ و خیرات کی برکت سے اس میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اس قضا تک اولیاء کرام کی پہونچ ہو جاتی ہے اور ان کی دعاؤں کی برکت سے اس میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔

ع نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

معلق شبیہ بہ مبرم یہ قضا علم الٰہی میں کسی چیز پر معلق ہوتی ہے لیکن فرشتوں کے دفتروں میں تعلیق مذکور نہیں ہوتی اس قضا تک خاص اکابر کی رسائی ہو جاتی ہے غوث اعظم رضی اللہ عنہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں "میں قضائے مبرم کو رد کر دیتا ہوں"

اور حدیث پاک میں جو وارد ہے: ————

ان الدعاء یرد القضاء بعد ما ابرم	دعا قضائے مبرم کو رد کر دیتی ہے۔

قضا و قدر کی ان تینوں قسموں کی روشنی میں قرآن پاک کی اس آیت کو ————

یمحو الله مایشاء ویثبت عنده ام الکتاب	یعنی اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور ثابت کرتا ہے اور اصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے۔

دیکھا جائے تو اس کی مختلف تفسیروں سے قطع نظر اس کا تعلق آخری دو قسموں سے معلوم ہوتا ہے ورنہ پہلی قسم میں تو ترمیم و تنسیخ کی گنجائش ہی نہیں۔

تقدیر کے سلسلہ میں یہاں ایک خلش ذہن میں پیوست ہو سکتی ہے کہ پچھلی وضاحتوں سے یہ

ثابت ہوا کہ زمین و آسمان کے وجود میں آنے سے قبل تقدیر تحریر میں آچکی ہے — لیکن حدیث میں اس کے خلاف اشارہ ملتا ہے — چنانچہ حدیث میں ہے :—

عن ابن مسعود قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو الصادق والمصدوق ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوما نطفۃ ثم یکون علقۃ مثل ذالک ثم یکو مضغت مثل ذالک ثم یبعث اللہ ملکا باربع کلمات یکتب عملہ واجلہ ورزقہ وشقی او سعید الخ

حضرت ابن مسعود سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ صادق و مصدوق تھے آدمی کی بناوٹ ماں کے شکم میں چالیس روز نطفہ کی صورت میں، پھر اتنی مدت لوتھڑا کی شکل میں اور اتنا ہی عرصہ پارۂ گوشت کی صورت میں رہتی ہے پھر اس کی طرف اللہ تعالیٰ چار باتوں کے لئے ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کا عمل، رزق اور شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے۔

اس اشکال کا یہ جواب ہے کہ تقدیر تو ازل ہی میں لکھدی گئی شکم مادر میں صرف اس کا نفاذ ہوتا ہے!

قضا و قدر کی اس وضاحت کے بعد ہر ذی شعور آدمی یہ سوال کر سکتا ہے کہ جب ازل ہی میں ہر فعل و عمل تحریر میں آچکا ہے اور اسی کے مطابق کائنات میں اس کا وقوع ہوتا ہے خیر و شر، شقاوت و سعادت جنم لیتی ہے یعنی جو تیر وقت کی کمان سے نکلتا ہے یہ اسی ازلی فیصلہ کا نتیجہ ہوتا ہے بلفظ دگر انسان کو وہی کرنا پڑتا ہے جو اس کے وجود سے پیشتر صحیفۂ قدر میں ثبت ہو چکا ہے اور جو شخص ایک اداکار کی طرح اپنا پارٹ انجام دے رہا ہے جیسا کہ فرقۂ جبریہ کا نظریہ گویا یہ بڑا پیچیدہ موڑ ہے۔ اکثر ذہن ٹھوکر کھاتا ہے اور غلط منزل کی طرف مڑ جاتا ہے۔ قضا و قدر کا ہرگز یہ مفہوم نہیں کہ جو کچھ زیر تحریر آچکا ہے انسان کو وہی کرنا پڑتا ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ زید جو کچھ کائنات میں آکر کرنے والا تھا وہی اس کا نصیب ہے اور اسی کے بیان کا نام قدر ہے نہ کہ لکھنے کے مطابق زید عمل کرتا ہے — اس کی ایک خارجی مثال کے ذریعہ وضاحت کی جا سکتی ہے — آگرہ میں تاج محل ایک حسین و دلکش عمارت ہے شاہجہاں نے اسے تعمیر کروایا۔ جب اس کی تاریخ لکھی جاتی ہے تو مورخ کا قلم اس طرح "شاہجہاں" برصغیر کے شہنشاہ تھے ان کا خزانہ جواہرات سے لبریز تھا اپنی جان سے زیادہ عزیز بیوی ارجمند بانو عرف ممتاز محل کی وفات پر اس کی حسین یادگار قائم کرنے کا خیال مسکرا اٹھا انھوں نے دیس بدیس سے بہترین فنکاروں، سنگتراشوں اور پچی کاروں کو بلوایا، بیش قیمت پتھروں، گرانقدر ہیروں اور انمول

کوششوں کے حصول کے لیے انہوں نے خزانہ کا منہ کھول دیا۔ چنانچہ بیس سال کی طویل مدت میں بیس ہزار مزدور کی پیہم و مسلسل محنت و عرق ریزی کے بعد ایک نادر روزگار عمارت دریائے جمنا کے کنارے کسی حسین دوشیزہ کی طرح مسکرا اٹھی فنی ماہروں نے اس عمارت کے مرمریں جسم میں فن کا آخری قطرہ نچوڑ کر رکھ دیا یہی عمارت ہو تاج محل کے نام سے مشہور ہوئی جو تمام دنیا سے حسن و دلکشی کا خراج حاصل کر رہی ہے" تاریخ نگار نے انہیں واقعات کو سپرد قلم کیا جو تاج محل کے سلسلے میں وقت کے سینے میں محفوظ تھے ۔۔ ہم کہہ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کو ازل ہی میں مقدر فرما دیا کہ شاہجہاں بنوائے گا۔

فرق اتنا ہے کہ مورخ گذشتہ واقعات کو قلم بند کرتا ہے کیونکہ مستقبل اس کی دسترس سے باہر ہوتا ہے لیکن علم الٰہی سے باہر نہیں بلکہ اس کا علم تو تینوں زمانوں پر محیط ہے اسے معلوم کہ شاہجہاں اس طرح کی عمارت تعمیر کرائے گا ۔۔ اب اگر اسے کوئی جبر پر محمول کرتا ہے تو یہ اس کی کج فہمی و نادانی ہے بلکہ بندوں کو خدائے تعالیٰ نے یک گونہ اختیار سے بھی نوازا ہے جس پر ان کے عذاب و ثواب کا دارومدار ہے ۔۔ شرح عقائد نسفی میں ہے: ۔۔۔۔

وللعباد افعال اختیاریة یثابون بها ویعاقبون علیها.	یعنی بندوں کے کچھ اختیاری افعال ہیں جن پر ثواب و عقاب کی بنیاد ہے۔

البتہ ان اختیاری فعلوں کا خالق وہ خود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے ۔۔ قرآن کریم میں ہے: ۔۔۔

واللہ خلقکم وما تعلمون ای عملکم	اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے اعمال کا خالق ہے

شرح عقائد میں ہے: ۔۔۔۔

واللہ خالق لافعال العباد من الکفر والایمان والطاعة	ایمان اور طاعت سب کا خالق اللہ ہے

اس کی کیفیت شرح عقائد کے الفاظ ہی کے اجالوں میں ملاحظہ فرمائیے: ۔۔۔۔

فان قصد فعل الخیر خلق اللہ قدرة فعل الخیر فیستحق المدح والثواب ان قصد فعل الشر خلق اللہ قدرة فعل الشر وکان هو المضیع لقدرة	انسان نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اپنے جوارح کو حرکت دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نیکی پیدا فرما دیتا ہے جبھی وہ قابل تعریف اور ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور جب بُرے کاموں کا قصد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی بے نیازی

فعل الخير فيستحق الذم والعقاب۔

ے بدی موجود فرما دیتا ہے چونکہ انسان خیر کی قدرت کو ضائع کر دیتا ہے اسی وجہ سے قابل مذمت اور لائق عقاب ہو تا ہے

حالانکہ یہ اس کے اختیار کی بات ہے کہ خدا کی پیدا کردہ قدرت وطاقت کو کار خیر کے لئے استعمال کرے۔

شرح عقائد میں ہے :—

ان القدرة صالحة للضدين عند ابی حنيفه رحمة الله عليه حتى ان القدره المصروفة الى الكفر بعينها القدرة التى لتصرف الى الايمان لا اختلاف الا فى التعلق وهو لا يوجب الاختلاف فى نفس القدرة فالكافر قادر على الايمان المكلف به الا انه صرف قدرته الى الكفر وضيع باختياره صرفها الى الايمان فاستحق الذم والعقاب۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک قدرت دو متضاد چیزوں کی صلاحیت رکھتی ہے وہی قدرت جو کفر کے لئے استعمال کی گئی وہی بعینہ ایمان کے لئے بھی استعمال کی جا سکتی ہے صرف تعلق میں اختلاف ہے اور اس سے نفس قدرت کے اختلاف پر کوئی اثر نہیں پڑتا تو کافر ایمان پر قادر اور اس کا مکلف ہے مگر اس نے اپنی قدرت کفر پر صرف کر ڈالی اور اپنے اختیار سے ایمان کی بجائے کفر پر صرف کر کے اسے ضائع کر دیا اسی بنا پر مذمت وعقاب کا مستحق ہوا۔

دو پیالوں میں شہد اور زہر رکھا ہے۔ شہد میں شفاء اور زہر میں اثر ہلاکت محض اسی قادر وحکیم کا پیدا کردہ ہے اس نے اپنے بے پناہ فضل وکرم سے بالغ نظر اور روشن دماغ حکیموں کی زبان سے اس حقیقت کا انکشاف کرایا کہ شہد میں منفعت اور زہر میں ہلاکت ہے یہ آواز موج ہوا میں ڈھل کر ساری کائنات میں پھیل گئی۔ اب کسی نے شہد کا پیالہ اٹھایا اور کسی نے زہر کے پیالہ کو منہ سے لگایا۔ جذب وحرکت اسی کی پیدا کردہ ہے شہد حلق سے نیچے پہونچا لیکن اس میں بذات خود نفع نہیں بلکہ یہ بھی دست قدرت ہی پہ منحصر ہے وہ نہ چاہے تو منوں شہد سے کچھ نہ ہو گا اور زہر کا بھی یہی حال ہے۔ بایں ہمہ شہد کا پینے والا قابل تحسین وآفریں اور زہر کو حلق سے نیچے اتارنے والا سزاوار ملامت ہے ہر صاحب ادراک یہی کہے گا کہ اس بدبخت نے خودکشی کا ارتکاب کیا اوّل سے آخر تک بندہ جن جن حرکات وسکنات سے دوچار ہوا ان سب کا خالق اللہ ہے اور وہ بندہ کاسب :— قرآن عظیم میں ہے :—

لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت

اسکا فائدہ ہے جو اچھا کمایا اور اسکا نقصان ہے جو برائی کمائی

اور کسب اس کا اپنا اختیاری فعل ہے جس پر عذاب وثواب کی بنیاد ہے۔ بہرحال

لا جبر ولا قدر بل الامر بینهما۔ | نہ تو جبر ہے نہ قدر بلکہ معاملہ بیچ میں ہے۔

ایک روز مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ خطبہ دے رہے تھے ایک شخص جو واقعۂ جمل میں آپ کے ساتھ تھا۔ اس نے عرض کی — "یا امیرالمومنین مسئلہ قدر کی خبر دیجئے!"

"بڑا عمیق دریا ہے اس میں قدم نہ رکھ" — آپ نے جواب دیا۔

سائل نے پھر اصرار کیا۔

"اللہ کا راز ہے زبردستی اس کا بوجھ نہ اٹھا" بار دگر آپ نے جواب دیا۔

سائل مطمئن نہ ہوا اصرار کرتا ہی رہا۔

تو آپ نے فرمایا اگر نہیں مانتا تو سن! "دو امروں کے درمیان ایک امر ہے۔ نہ آدمی مجبور محض ہے نہ اختیار تام اس کے سپرد ہے" — سائل نے عرض کی فلاں شخص کہتا ہے آدمی اپنی قدرت سے کام کرتا ہے اور وہ حضور میں حاضر بھی ہے — آپ نے اسے سامنے لانے کا حکم دیا — لوگوں نے اسے کھڑا کیا — جب اس پر آپ کی نظر پڑی تو نیام سے تلوار چار انگل کی مقدار نکل آئی اور فرمایا "کام کی قدرت کا تو خدا کے ساتھ مالک ہے یا اس سے جدا مالک ہے خبردار ان دونوں باتوں میں سے کوئی نہ کہنا کہ کافر ہو جائے گا اور میں تیری گردن مار دوں گا" — اس نے عرض کی — "یا امیرالمومنین پھر میں کیا کہوں؟"

آپ نے ارشاد فرمایا — "اس خدا کے دیئے سے اختیار رکھتا ہوں اگر وہ چاہے تو مجھے اختیار دے بغیر اس کی مشیت کے مجھے کچھ اختیار نہیں"۔

شائد اسی نظریہ سے متاثر ہو کر ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے: —

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گل بھی ہے
انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی تو کر لے

قضا و قدر کا مسئلہ بڑا نازک ہے۔ اس میں الجھنے اور بحث و مباحثہ کرنے سے حدیث میں سخت ممانعت آئی ہے اس لئے سکوت بہتر ہے ورنہ ایمان خطرے میں پڑ سکتا ہے۔



(حضرت منظر قدیری پورنوی)

عقیدۂ تقدیر

دُنیا میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی ماہیت سے کما حقہٗ واقفیت تقریباً ناممکن ہے ان میں سے بعض کی نوعیت خارجی وجوہ سے فہم و ادراک میں نہیں آتی۔ اور بعض عقل و فہم بالاتر ہونے کے سبب سمجھ میں نہیں آتیں موخر الذکر اشیاء میں سے بعض وہ اشیاء ہیں جو مذہبی طریقے پر ایک امتحان قدرت ہوتی ہے۔ اور ذراسی مداخلت بجائے عمر بھر کے حسنات رائیگاں جاتے ہیں مسئلہ تقدیر بھی انہیں میں سے ہے۔

مسئلہ تقدیر کی نزاکت نوعیت و ماہیت مسلم امر ہے۔ لیکن انسان جو بالطبع غیر معلوم اشیاء اور منع کی ہوئی چیزوں کے حالات معلوم کرنے پر حریص ہے مسئلہ تقدیر میں بھی اپنی محدود عقل سے کام لینے سے نہ رکا۔ اور آخر ایسے ارتکاب کا مرتکب ہوا جو اس کی مذہبی زندگی کے شایانِ شان نہ تھے۔

بعض نے کہا کہ تقدیر کا خیر و شر سب خدا کی طرف سے ہے۔ اور عذاب و ثواب یا جزا و سزا کوئی چیز نہیں ہے۔ بعض نے قرار دیا کہ تقدیر اور فاعل تقدیر نیز خالق تقدیر کوئی چیز نہیں۔ دنیا ابتدا سے چلی آتی ہے۔ اور اس طرح چلتی رہے گی۔ نظام عالم خود فطرت ہے۔ اس کا کوئی جز خلاف فطرت نہیں۔

بعض نے سمجھا کہ امور نیک مقاصد خیر تقدیر ہیں۔ برائیاں اور ناقص ارادے تقدیر میں نہیں۔ یہ انسانی یا شیطانی فعل ہے — غرض ہر شخص نے تقدیر کو اپنی محدود عقل کے موافق سمجھا۔ اور جو ناقص فہم میں آیا۔ قرار دے لیا۔ یہ اختلاف خطرناک اس وجہ سے واقع ہوئے۔ کہ انسان نے ایک ایسے مسئلہ میں اپنی عقل سے کام لیا۔ جو اس کی عقل سے بالاتر تھا۔ اسلام نے اپنے مطیع و منقاد بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ تقدیر کے مسئلہ میں عقل سے کام نہیں تقدیر کا مسئلہ خالق تقدیر کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے اس میں کلام کرنا دین و دنیا میں موجب خسران ہوگا۔

اسلام کے اس پاکیزہ حکم نے ہمارے فرائض مسئلہ تقدیر سے متعلق صرف اتنے رکھے ہیں کہ ہم بحیثیت پیرو مذہب ہونے کے تقدیر کو بحکم الٰہی جان کر درک کہنہ و حقیقت سے باز رہیں اور ایک لفظ بھی اس کے متعلق نہ نکالیں — لیکن افسوس ہے کہ اسلام کے ماننے والوں نے جہاں اسلام کے اکثر حصص سے روگردانی اختیار کرلی ہے اور غیر قوموں کے شعائر و خصائل کو پسند کرلیا ہے وہاں مسئلہ تقدیر میں بھی بہت سی باتیں

پیدا کرلی ہیں اور الانسان حریص علی ما منع کے مصداق بن کر تقدیر کے مسئلہ میں شرعی و مذہبی ممانعت کا ذرہ بھر خیال نہیں کیا ہے جس سے ایک مذہبی قوم کی مذہبی زندگی کو نہ صرف نقصان پہونچ رہا ہے۔ بلکہ بین طور پر تعلیم اسلام کو ناکافی و اپنی سمجھ سے کمتر درجہ دیا جا رہا ہے۔

ذیل میں ہم مسئلہ تقدیر کو نہایت واضح طریق پر تعلیم اسلام کے مطابق درج کرتے ہیں۔ اور دکھلاتے ہیں کہ بزرگان اسلام نے اس سے زیادہ تقدیر کے بارے نص محدود سے کام لینے اور ناقص سمجھ کی تاویلات کا جامہ پہنانے سے منع قرار دیا ہے اس لئے ہمارے لئے کوئی ضرورت اس امر کی داعی نہیں ہوسکتی کہ ہم خواہ مخواہ اس مسئلہ میں گفتگو کرنے یا اپنی سمجھ سے نوعیت تقدیر کو مطابق کرنے کی کوشش کریں۔

تقدیر کا مادہ قدر ہے۔ جو دال کے سکون و فتح دونوں طریق پر صحیح ہے لغت میں قدر کے معنی "اندازہ کردہ خدا برائے بندہ لکھے ہیں۔

معنی مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت تقدیر خدا کا ایک اندازہ ہے۔ جو اس نے انسان کے واسطے قرار دیا ہے۔ اس لئے خدا کے اندازہ میں مداخلت کرنا کسی نوع سے بھی درست نہیں۔

بزرگان مذہب نے لکھا ہے کہ تقدیر تین قسم پر منقسم ہے:

(۱) تقدیر معلق یعنی وہ تقدیر جو علم و اندازہ باری تعالیٰ میں حکم قطعی نہیں رکھتی کہ اس کے خلاف ناممکن ہو۔ بلکہ اس میں اسی وقت تعلیق ہے۔ جب تک کہ خدا کے اندازہ کے موافق کوئی خارجی اس کی تعلیق کو حکم قطعی سے نہ بدل دے۔ جو شے اس تعلیق کو بدلنے والی ہے اس کا علم و اندازہ خدا کو ہے لیکن اس میں مصلحت یہ ہے کہ نظام عالم کے اسباب جن کا تعلق تقدیر معلق میں پیدا کرنے سے ہے بیکار نہ ہو جائیں۔ اس تقدیر کی تعلیق دعا یا دوا وغیرہ سے حکم قطعی اختیار کرلیتی ہے۔ اور تعلیق جاتی رہتی ہے۔ دنیا میں دعاؤں کی قبولیت دواؤں کا اثر اور ان صدقات و عبادت کے نتائج کا ترتب جو مخصوص طور پر کسی کام کے لئے کئے جاتے ہیں اسی تقدیر پر موقوف ہے۔

(۲) تقدیر مبرم یعنی وہ تقدیر جو خداوند تعالیٰ نے غیر موقوف و غیر معلق قرار دی ہے۔ جس کا حکم قطعی اور خداوند تعالیٰ کا اندازہ قطعی و غیر تغیر پذیر ہے اس تقدیر میں جو اندازہ خدا نے کر دیا ہے وہ ضرور وقوع میں آئے گا۔ اس کے خلاف ناممکن ہے۔

(۳) تقدیر بعلم الٰہی یہ تقدیر نہ معلق ہے نہ مبرم اس خصوص تقدیر میں خاصان خدا کو عرض د

معروض کی اجازت ہے مذکورہ بالا تشریحات سے معلوم ہوگا کہ دنیا میں مصائب و ابتلاء، خواہش و آرزو جس قدر امور انسانی ہستی سے متعلق ہیں وہ تقدیر سے ضرور تعلق رکھتے ہیں لیکن چونکہ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ وہ تقدیر کی کس صنف میں ہیں اس لئے جد و جہد، دعا، دوا اور ہر ایک قسم کی مناسب و ضروری تدابیر سے دست کش نہیں ہونا چاہیئے ممکن ہے جس چیز کی خواہش ہم کو ہے۔ وہ معلق بعلم الٰہی ہو۔ مبرم نہ ہو اور تدابیر سے ہم اس میں کامیاب ہو جائیں۔ کتب تصوف میں امور خرقِ عادات اور بہت سے ایسے واقعات ہمیں ملتے ہیں۔ جو تقدیر معلق کے ثبوت میں بہترین دلائل ہو سکتے ہیں۔

حضرت غوث اعظم اور ان کے پیر حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ کہ ایک شخص حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سفر تجارت کی اجازت حاصل کرنے آیا۔ آپ نے فرمایا کہ۔ تیرے اس سفر میں مجھے جانی و مالی نقصان نظر آتا ہے، بہتر ہے کہ اس سفر کو ترک کر دیا جائے ـــــ شخص مذکور دوبارہ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اجازت سفر چاہی۔ حضرت نے اجازت عطا فرمائی، شخص مذکور کو اجازت مل جانے پر وہ چلا گیا، اور اموال تجارت کی خرید و فروخت کر کے واپس لوٹا۔ واپسی میں ایک مقام پر اس نے خواب میں دیکھا، کہ ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کیا ہے اور چاروں طرف سے گھیر کر ان کے اموال و اجناس و نقد کو لوٹ لیا ہے اور تلوار و تیرے اُسے بھی زخمی کر دیا ہے۔ خواب سے بیدار ہوا دیکھا کہ مال و جان سلامت ہے، غرض سفر کر کے خیر و عافیت سے مکان پہونچا اور حضرت حماد کی خدمت میں حاضر ہوا ـــــ حضرت نے شخص مذکور سے فرمایا۔ اس سفر میں تیرے لئے خطرہ جان و مال ضرور تھا لیکن عبد القادر جیلانی نے قضا کو دعا سے رد کر کے بیداری سے خواب میں تبدیل کر دیا ـــــ اسی قسم کے بہت سے واقعات اس ثبوت میں موجود ہیں۔ جن سے کوئی صاحب ادراک و عقل مند انسان انکار نہیں کر سکتا۔



(مولانا محمد سلیم اختر صاحب پورنوی)

توحید و رسالتؐ پر کتاب و سُنّتؐ کے شواہد

"شریعتِ اسلامیہ" کے مسائل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ مسائل جن کا تعلق صرف تصدیقِ قلب اور اعتقاد سے ہے۔ دوسرے وہ مسائل جن کا تعلق تصدیق کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی ہے — پہلی قسم کا نام "عقائدِ اسلام" اور دوسری قسم کو "اعمالِ اسلام" کہتے ہیں — دینِ اسلام میں عقائد کو اعمال سے وہی تعلق ہے جو درخت کی جڑ کو اس کی شاخوں سے اور مکان کو اس کی بنیادوں سے ہوا کرتا ہے جس طرح کسی درخت کی جڑ کٹ جانے کے بعد شاخوں کی سرسبزی و شادابی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور جس طرح کسی مکان کی بنیادوں کے متزلزل یا منہدم ہو جانے کے بعد مکان کے قیام و استحکام کو سوچا بھی نہیں جا سکتا — بالکل ٹھیک اسی طرح اسلامی عقائد کے بغیر اسلامی اعمال کو نقش برآب یا "ہوائی محل" کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا!

یوں تو اعمالِ اسلام کی طرح عقائد اسلام کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے مگر عقائد اسلام کے وہ بنیادی اصول جو تمام عقائد اسلامیہ کا محور اور دین اسلام کی پوری عمارت کے سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں وہ صرف تین ہیں :-----

۱۔ توحید ۲۔ رسالت ۳۔ قیامت

عقائد اسلامیہ کے یہی وہ تین عنوان ہیں۔ جو تمام عقائد اسلام کی اصل الاصول ہیں — اور قرآن و حدیث سے مستنبط ہونے والے تمام اعتقادی احکام کا محور اور دار و مدار ہیں۔ اور "علم العقائد" کے تمام مسائل انہی تین اصول کی فروع اور شاخیں ہیں — ان میں سے صرف اوّل الذکر دو عنوانوں پر مجھے انتہائی اختصار کے ساتھ کچھ روشنی ڈالنی ہے جو حسب ذیل ہے :

اسلامی توحید عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ خدا کو ایک مان لینا بس یہی "توحید" ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلامی توحید یعنی دین اسلام نے جس توحید کے عقیدہ و

اعتقاد کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کے لئے فقط اتنی ہی بات کافی نہیں ہے کہ خالقِ کائنات کو "واحد حقیقی" مان لیا جائے۔ کیونکہ اس معنی میں تو "فلاسفۂ یونان" بھی توحید کے قائل ہیں۔ حالانکہ ان کی بے تکی توحید کو اسلامی توحید سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ فلاسفۂ یونان کو تو اپنی خیالی توحید واجب الوجود کا اتنا بڑا خبط ہے کہ ان لوگوں نے اپنی اس من گھڑت توحید کے چکر میں پورے گھن چکر بن کر خدا کو جاہلِ مطلق جان لینا گوارا کر لیا —— چنانچہ آپ یہ سن کر حیران رہ جائیں گے کہ حکمائے یونان میں ایسے ایسے جاہل اور خبطی ہو چکے ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معاذ اللہ خدا جاہلِ مطلق ہے اور اس کو کسی چیز کا بھی علم نہیں۔ یہاں تک کہ اس کو اپنی ذات کا بھی کوئی علم نہیں ہے۔ چنانچہ وہ برملا اپنے اس کافرانہ و جاہلانہ عقیدے پر اس طرح دلیل پیش کرتے ہیں کہ خدا خود ہی اپنی ذات کو نہیں جان سکتا۔ کیونکہ اگر وہ اپنے کو جان لے گا تو وہ خود ہی عالم (جاننے والا) بھی ہو گا۔ اور خود ہی معلوم (جانا ہوا) بھی ہو گا۔ تو پھر خدا کا عالم و معلوم ہونا لازم آئے گا۔ اور ظاہر ہے کہ عالم اور معلوم میں غیریت اور تغائر ہوا کرتا ہے۔ عالم اور معلوم دونوں ایک ہی نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا خدا اگر اپنی ذات کو جان لے گا تو پھر خدا کی ذات میں اثنینیت اور اس کا دور ہونا لازم آئے گا جو اس کی توحید حقیقی کے منافی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا اپنے کو نہیں جان سکتا ——

ومن لّم یَعرِفْ نَفسَہٗ فَکَیفَ یَعرِفُ غَیرَہٗ۔	یعنی جو اپنے آپ کو نہیں جانتا وہ بھلا اپنے غیر کو کیونکر اور کیسے جان سکتا ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا نہ اپنے آپ کو جانتا ہے نہ اپنے غیر کو وہ بالکل ہی جاہلِ مطلق ہے (معاذ اللہ)۔

غور فرمایئے کہ فلاسفۂ یونان جو واجب الوجود (خدا) کو واحد حقیقی مانتے ہوئے یہ کافرانہ عقیدہ رکھتے ہیں، کہ معاذ اللہ خدا جاہل مطلق ہے۔ ان کافروں کو بھلا کون ہے جو اسلامی موحد کہہ سکتا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے فقط خدا کو واحد حقیقی تسلیم کر لینا ہی یہ اسلامی توحید نہیں ہے بلکہ اسلام نے جس توحید کا تصور پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ خدا کو تمام صفات ذاتیہ مثلاً حیات، قدرت، سننا، دیکھنا، کلام، علم، ارادہ وغیرہ کے ساتھ متصف مانتے ہوئے اور تمام ان اوصاف کو جو اس کی شانِ الوہیت کے منافی اور عیوب و نقائص ہیں مثلاً تمثیل، تعطیل، تولید، ظلم، جہل، کذب وغیرہ کو اس کی ذات میں محال جانتے ہوئے بلکہ ان اوصاف کو بھی اس کی ذات میں محال

تسلیم کرتے ہوئے جو نہ کمال ہیں نہ نقصان یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ واحد حقیقی ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ احکام میں، نہ اسماء میں۔

یہ ہے وہ اسلامی توحید جو کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا مفہوم ہے چنانچہ مسلمان کا بچہ بچہ ایمان مجمل میں اس مفہوم کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ ——————

آمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَائِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ	یعنی میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور صفتوں کے ساتھ ہے اور میں نے اس کے تمام احکام کو قبول کیا۔

غرض قرآن مجید اور احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ اسلامی توحید ہے جو آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کا نچوڑ اور عطر ہے۔

کون نہیں جانتا کہ سورۂ اخلاص میں قل ھو اللّٰہ احد ۝ اللّٰہ الصمد ۝ لم یلد ولم یولد ۝ ولم یکن لہ کفوًا احد ۝ فرما کر توحید الٰہی کا ذکر فرماتے ہوئے ارشادِ ربانی ہوا کہ اے پیغمبر! آپ فرما دیجئے کہ اللہ ایک ہے اللہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے نہ اس کو کسی نے جنا ہے۔ اور اس کا کوئی جوڑا ہے۔

غور فرمایئے کہ خدا کی وحدانیت کے ساتھ تمام ان عیوب و نقائص سے خدا کی برأت کا اعلان بھی ہے جو شان الوہیت کے منافی۔

اسی طرح سورۂ حشر میں ارشاد ہوا کہ: ——————

ھو اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ۚ ھو الرحمٰن الرحیم ۚ ھو اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو ۚ الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر ۚ سبحٰن اللّٰہ عما یشرکون ۚ ھُوَ اللّٰہُ الخالق الباریٔ المصور	یعنی اللہ وہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غیب اور شہادت جاننے والا۔ وہ بڑا مہربان بہت ہی رحم والا ہے۔ اللہ وہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ، پاک، سلامتی دینے والا، امن دینے والا۔ غالب، عزت والا، وہی اللہ ہے جو سب کا پیدا کرنے والا، سب کو وجود بخشنے والا، صورت بنانے والا، اس کے

لہ الاسماء الحسنیٰ۔ | بہت سے اچھے اچھے نام ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے کہ ان آیات اور اس قسم کی سینکڑوں آیتوں میں خدا کو اس کی صفات کمالیہ ذاتیہ کے ساتھ متصف مان کر اور تمام منافی الوہیت اوصاف سے بری و منزہ تسلیم کرتے ہوئے اس کے واحد حقیقی کا اعلان کیا گیا ہے۔

لہٰذا اب اس اسلامی توحید کی روشنی میں مندرج ذیل مسائل روز روشن کی طرح عیاں ہو گئے کہ:

۱ــــ اگر کوئی خدا کو ایک مانتے ہوئے اس کا مثل ممکن مانے۔ یا اس کے لئے بیٹا، بیٹی، بیوی ثابت کرے یا اس کے لئے زمان و مکان اور جہت ثابت کرے تو وہ اسلامی موحد نہیں ہو سکتا۔

۲ــــ اگر کوئی خدا کو ایک مانتے ہوئے یہ عقیدہ رکھے کہ وہ کوئی کام ہی نہیں کرتا بلکہ وہ معطل محض ہے جیسے فلاسفۂ یونان کا یہی عقیدہ ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا اہل اسلام کے نزدیک موحد نہیں ہو سکتا۔

۳ــــ اگر کوئی خدا کو ایک مانتے ہوئے اس کے علم کا انکار کرے جیسے یونانی حکماء کا ایک گروہ تو وہ بھی اسلامی موحد نہیں۔

۴ــــ اگر کوئی خدا کو ایک مانتے ہوئے اس کی ذات میں عیوب و نقائص مثلاً ظلم، جھوٹ، وغیرہ کو محال نہ مانے۔ بلکہ امکان کذب باری کا قائل ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اسلامی موحد کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

۵ــــ اگر کوئی خدا کو ایک مانتے ہوئے خدا کی صفات ذاتیہ کا انکار کرے تو وہ بھی اسلامی موحد نہیں۔

۶ــــ لاکھوں بار خدا کے واحد حقیقی ہونے کا اعلان کرنے کے باوجود اگر کوئی خدا کی صفات کمالیہ میں سے کسی ایک صفت کا بھی انکار کرے یا منافی الوہیت کسی ایک صفت کو بھی خدا کے لئے ثابت کرے تو وہ اسلامی توحید کا ماننے والا نہیں کہلا سکتا۔

رسالت

خداوند تعالیٰ کے وہ خاص برگزیدہ اور منتخب بندے جن کو وہ اپنے فضل و کرم سے چن کر اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے ان کے پاس بذریعہ "وحی" اپنا پیغام بھیجتا ہے وہ نبی کہلاتے ہیں ان میں سے بہت سے نبیوں کو "رسول" کہتے ہیں مسلمانوں کو جس طرح خدا کی توحید پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی طرح خداوند قدوس کے تمام نبیوں اور رسولوں کی صداقت

پر ایمان لانا بھی ضروری ہے - کسی ایک نبی یا رسول کا انکار کفر ہے - اسی طرح کسی غیر نبی کو نبی مان لینا بھی کفر ہے - قرآن مجید میں ہے کہ — لا نفرق بین احد من رسلہ

اسلام میں رسالت کا تصور

اسلام نے نبوت و رسالت کا جو تصور پیش کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اور رسول خداوند تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں چونکہ بندے حادث، فانی، عاجز ہیں اس لئے وہ براہ راست خداوند واجب الوجود، قدیم و قادرِ مطلق کی ذات سے اکتسابِ فیض نہیں کر سکتے۔ اس لئے خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے اپنے کچھ بندوں کو عام بندوں سے زیادہ قدرت و توانائی اور قسم قسم کے کمالات عطا فرما کر اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان فیض رسانی کے لئے واسطہ بنا دیتا ہے۔ چنانچہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی خاص صلاحیتوں کی بنا پر خداوند تعالیٰ سے براہ راست فیض حاصل کر کے عام بندوں تک فیضان خداوندی کا افاضہ فرماتے رہتے ہیں اور خداوند قدوس کا پیغام بندگانِ خدا تک پہونچاتے رہے ہیں۔

ایک مثال

عام طبعیات میں تفہیم کے لئے اس کی یہ مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ مثلاً پانی میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ براہ راست آگ سے گرمی حاصل کر کے گرم ہو جائے اس لئے پانی کو آگ سے گرم کرنے کے لئے پانی اور آگ کے درمیان ایک برتن کا واسطہ ضروری ہے کہ برتن کو آگ پر رکھ دیا جائے اور برتن میں پانی ڈال دیا جائے تو برتن آگ سے حرارت حاصل کر کے پانی تک آگ کی حرارت کو پہونچا دے گا - اور پانی گرم ہو جائے گا —— بلا تشبیہ اسی طرح عام بندوں میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ خود بخود براہ راست خداوند قدوس سے فیض حاصل کر سکیں۔ اس لئے عام بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان انبیاء کرام ایک واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں کہ وہ اپنی کامل صلاحیتوں کی وجہ سے خود بخود براہ راست خداوند تعالیٰ سے فیض حاصل کر کے عام بندوں تک پہونچاتے ہیں۔

ناظرین کرام! —— جب اسلام نے نبی و رسول کا یہ تصور پیش کیا ہے کہ انبیاء کرام خدا اور عام بندوں کے درمیان حصول فیض کے لئے واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں تو مندرجہ ذیل دو مسائل انتہائی وضاحت کے ساتھ حل ہو گئے

۱ — کوئی نبی نہ خدا ہو سکتا ہے۔ نہ بالکل عام امتی جیسا ہو سکتا ہے۔

۲ — جو نبی کو بالکل عام انسانوں جیسا ایک انسان بتائے اور فضل و کمال میں نبی کو تمام انسانوں سے ممتاز اور افضل و اعلیٰ نہ مانے وہ رسالت پر ایمان لانے والا نہیں کہلا سکتا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

زمانۂ حال کے بعض تجدد پسند اور مغرب زدہ لوگوں نے اپنی زبان و قلم سے اس غلط عقیدہ کا بہت زیادہ پروپیگنڈہ کیا ہے اور کر رہے ہیں کہ نبی اور رسول کی حیثیت بس ایک قاصد اور ایلچی کی ہوا کرتی ہے اور نبی ایک ڈاکیہ اور پوسٹ مین سے زیادہ کوئی مقام نہیں رکھتا جس طرح ڈاکیہ کسی کا خط تم کو لاکر دے دیتا ہے اور چلا جاتا ہے اسی طرح انبیاء کرام خدا کا پیغام بندوں تک پہونچا کر چلے جاتے ہیں (معاذ اللہ)

برادرانِ ملت! — یہ مقام نبوت و رسالت کا اتنا غلط تصور ہے جس نے قلوب مومنین سے عظمتِ انبیاء کا جنازہ نکال دیا اور امت مسلمہ کا ایک طبقہ تنقیص و توہین انبیاء علیہم السلام کے جرم عظیم کا مرتکب ہو کر عذاب دارین کی لعنتوں میں گرفتار ہو گیا اور اصولِ اسلام کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا۔ فیااسفاہ ویا حسرتاہ

برادرانِ ملت! — حق یہ ہے کہ اسلام میں نبی اور رسول کا مقام بہت ہی بلند اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام خدا کے پیغامبر اور اس کے احکام کو خدا کے بندوں تک پہونچانے کے لئے آتے ہیں۔ مگر حاشا و کلا یہ بالکل غلط ہے کہ وہ پوسٹ مین اور ڈاکیہ کی حیثیت رکھتے — توبہ توبہ۔ نعوذ باللہ۔ ہرگز نہیں — بلکہ وہ خدا کی طرف سے پیغمبر اور شارع بن کر تشریف لاتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ تمام بندوں پر ان کی اطاعت و فرماں برداری کو لازم اور ضروری قرار دیتا ہے۔ نبی و رسول خدا کے خلیفہ اس کے نائب، اس کے دیئے ہوئے اختیارات سے آمر۔ ناہی۔ محلِّل۔ مُحرِّم۔ ہوا کرتے ہیں — اس مضمون کی سینکڑوں آیتیں اور حدیثیں ہیں جن کو اگر جمع کر دیا جائے تو ایک ضخیم دفتر تیار ہو جائے گا۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ:—

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔	یعنی ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا ہے تاکہ لوگ اس کی اللہ کے حکم کی اطاعت کریں۔

کہیں فرمایا کہ :

اَطِیْعُوا اللہَ وَالرَّسُوْلَ	یعنی اے لوگو! تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

کہیں ارشاد فرمایا کہ :

مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا	یعنی رسول جو کچھ تمہیں دیں اس کو لے لو۔ اور جن چیزوں سے منع کریں ان سے باز رہو۔

کہیں یہ فرمایا کہ :

وَمَنْ یَّعْصِ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ	یعنی اللہ اور رسول کی نافرمانی ممنوع اور حرام ہے۔

اسی طرح حدیثوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"اگر مجھے اپنی امت کے مشقت میں پڑ جانے کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا فرض قرار دے دیتا۔ اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک موخر کر دینے کا حکم دے دیتا"

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ

"اگر میں کہہ دیتا کہ ہر سال حج کرنا فرض ہے تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا"

وغیرہ وغیرہ بہت سی حدیثوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نبی و رسول کو خداوند عالم نے احکام تشریعیہ کے بارے میں خصوصی اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ وہ جس کے لئے جو چاہیں حلال و حرام فرما دیں۔ اور جس کے لئے چاہیں فرض و واجب قرار دیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شارع، آمر، ناہی، مطاع اور مقتدیٰ بنا کر بھیجا ہے۔ —— ظاہر ہے کہ ایک ڈاکیہ اور پوسٹمین ایسے اور اتنے اختیارات کا مالک نہیں ہوا کرتا۔ پھر بھلا یہ کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ نبی اور رسول کی حیثیت تو ایک قاصد اور ایلچی سے زیادہ نہیں ہوا کرتی ؟

بہر کیف مقام نبوت و رسالت کی اس مختصر توضیح و تشریح اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے مناسب جلیلہ اور ان کی باعظمت حیثیت واضح ہو جانے کی روشنی میں مندرجہ ذیل عقائد ضروریات دین میں سے ہیں۔

۱ —— وحیِ نبوت انبیاء کے لئے خاص ہے۔ اس وحی کو جو غیر نبی کے لئے مانے وہ کافر ہے ؟

۲ —— ہر نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ یعنی ان کے لئے خداوند تعالیٰ نے گناہوں سے حفاظت کا وعدہ فرمالیا ہے، جس کے سبب ان سے کسی گناہ کا صادر ہونا شرعاً محال ہے۔

۳ —— جو کسی نبی سے نبوّت کا زوال جائز ٹھہرائے وہ کافر ہے۔

۴ —— احکام خداوندی کے پہونچانے میں انبیاء سے سہو ونسیان محال ہے۔

۵ —— انبیاء علیہم السلام کا تمام گناہوں سے اور تمام اُن خصائل رزیلہ سے جو مخلوق کے لئے باعث عزّت ہوں جیسے جھوٹ، خیانت، جہالت، بخل وغیرہ بلکہ ایسے تمام اعمال وافعال سے جو وجاہت اور شاندار ی کے خلاف ہیں قبل نبوّت اور بعدِ نبوّت معصوم ہونا ضروری، بلکہ ان کے جسم کا ان تمام امراض سے بھی پاک ہونا ضروری ہے جو مخلوق کے لئے باعث متنفر ہوں۔ جیسے برص، جذام، گنجاپن وغیرہ۔

۶ —— ہر نبی کی تعظیم وتوقیر فرض عین ہے بلکہ تمام فرائض کی اصل ہے کسی نبی ورسول کی ادنیٰ سی توہین یا تکذیب کفر ہے — (والعیاذ باللہ تعالیٰ عنہ)



(مولانا عبد المصطفیٰ صاحب اعظمی)

اسلام اور دیگر مذاہب عالم

ادارۂ پاسبان کی جانب سے میرے لئے جو عنوان مقالہ تجویز فرمایا گیا ہے اگر حق تحریر ادا کیا جائے تو اختصار کی شرط قبول کرنے کے بعد بھی کئی سو صفحات درکار ہوں گے اور مجھے یقین ہے کہ میرے مقالہ کو پاسبان کے ایک خاص نمبر میں صرف چند صفحات مل سکیں گے اس لئے میں اس عنوان پر تفصیلی تحقیق سپرد قلم کرنے کے بجائے ایک سرسری مطالعہ اور ایک اجمالی تعارف ہی پر اکتفا کروں گا۔

اسلام کا دوسرے مذاہب سے موازنہ کرنے کی صورت میں ان عناصر کا ایک سرسری خاکہ ضرور پیش کرنا پڑے گا جن پر مذاہب عالم کی بنیاد رکھی گئی ہے جو مذاہب کے تنظیمی نقشوں میں اساس کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے بغیر کوئی مذہب مذہب اور کوئی نظام نظام کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا —— وہ عناصر مندرجہ ذیل ہیں :——

(۱) نظام عقائد (۲) نظام عبادت (۳) نظام اخلاق

اسلام اور اس کے علاوہ دنیا کے تمام مذاہب خواہ وہ منزّل من اللہ ہوں اور بعد میں تحریف و تبدیل کی نذر ہو گئے ہوں یا چند انسانوں کی مشترک اختراع فکر کا نتیجہ ہو، ان کی بنیاد کچھ معقول دلائل کے اوپر ہو یا وہ اوہام و خرافات نیز اساطیر الاوّلین کا مجموعہ ہوں مندرجہ بالا تین اساسی قدروں کا دعویٰ ہر ایک میں ملے گا۔ اس لئے مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ پیش کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان عناصر ثلٰثہ کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا جائے — آیئے سب سے پہلے ہم دنیا کے مشہور مذاہب کے نظام عقائد کا جائزہ لیں اس معذرت کے ساتھ کہ اس مختصر سے مقالے میں عقائد کی تمام جزئیات کا استقصار نہ ہو سکے گا۔ البتہ ان میں صرف عقیدۂ الٰہ اور عقیدۂ رسالت پر گفتگو ہو سکے گی۔

عقیدۂ الٰہ

دنیا میں اپنے اتباع کی کثرت اپنے مشنوں کی حرکت اور بلند و بانگ دعوؤں کی وجہ سے مذہب مسیحیت اس وقت پورے کرۂ ارض کے اوپر چھایا ہوا ہے لیکن جب ہم اس کی مادی دلفریبیوں سے قطع نظر اس کے ایمانی، اخلاقی، اور عباداتی، اقدار کا جائزہ لیتے ہیں تو انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر کمزور اور ضعیف بنیادوں پر قائم ہونے والا مذہب اس قدر مقبول کیوں ہے پھر ہمیں بے ساختہ اس دور میں پروپیگنڈے اور اشاعتی اداروں کی اہمیت کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جب تک دنیا کا ہر فرد اس قدر بالغ نظر نہ ہوجائے کہ وہ مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرکے اپنے لئے ایک موزوں اور مناسب راستہ دوسرے لفظوں میں صراط مستقیم اختیار کر سکے اس وقت تک لوگ پروپیگنڈوں پر ایمان لاتے رہیں گے۔

ہم یقیناً اس اسلام کے اوپر ایمان لائے ہیں جسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جلوہ گر ہوئے تھے جس کے متعلق نجاشی شہنشاہِ حبشہ نے کہا تھا کہ یہ دونوں مذاہب تو ایک ہی نورِ مطلق کے دو جلوے ہیں لیکن مسیحیت کا موجودہ تصورِ الٰہ کس قدر لرزا دینے والا کس قدر غیر معقول اور ناقابلِ یقین ہے وہ اس عقیدے کی مشہور اصطلاح التثلیث فی الواحدۃ والوحدۃ فی التثلیث سے ظاہر ہے یہ وہ اصطلاح ہے جس پر پورے عیسائی ازم کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ایک تین اور تین ایک کی غیر معقول ریاضی تقسیم اور وحدت کو کون قبول کر سکے گا۔ اس اصطلاح کا مفہوم مسیحی کتب عقائد میں یہ پیش کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ روح القدس، اور الٰہ تینوں ایک ہیں اور تینوں تین ہیں۔ بعض تصریحات کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ مریم علیہما السلام اور الٰہ تینوں ایک ہیں اور تینوں تین ہیں آیئے روح القدس اور مریم علیہا السلام سے قطع نظر صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مزعومہ الوہیت کا ہم جائزہ لیں۔

عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بندوں کے گناہوں کی جزا کے طور پر سولی دے دی گئی تاکہ وہ خود سولی پر چڑھ کر اپنے امتیوں کے لئے کفارہ بن جائیں اول تو یہ

بات کس قدر عجیب سی لگتی ہے کہ گناہ امتی کر رہے ہیں اور کفارے کے طور پر سولی رسول کو دی جا رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود الٰہ تھے تو پھر کیونکر وہی منتقم ہوئے اور وہی منتقم بن گئے انھیں کے حکم پر سولی لٹکائی گئی اور خود ہی اپنی مرضی پر قربان ہو گئے اور پھر جو سولی پر چڑھ جائے اور تختہ دار پر انتہائی اضطراب کے عالم میں دم توڑ دے کیا وہ خدا ہو سکتا ہے پھر عبرانی کے تمام نوشتوں میں یہ بات متفق علیہ طور پر درج ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وقت صلیب یہ ارشاد فرمایا تھا۔

ایلی ایلی لِمَ سبقتنی

اے میرے خدا، اے میرے خدا۔ تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا

اگر وہ خدا تھے تو کس خدا کو آواز دے رہے تھے الوہیت کی جو صفت ان کی ذات کا لازمہ تھی وہ ان سے جدا کیونکر ہو گئی۔ دراصل اسلام کے علاوہ تمام مذاہب عالم میں شرک فی الالوہیتہ ہی ایک مشترک جرم ہے جو ناقابل معافی ہے عیسائیت کی طرح یہودیت بھی ابوۃ الٰہ کی قائل ہے چنانچہ یہودی حضرت عزیز علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ ہندو مت میں ہر اوتار درجہ الوہیت پر فائز ہے۔

العیاذ باللہ۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اسلام کے علاوہ تمام مذاہب عالم کا تصور الٰہ بدیہی البطلان ہے کیونکہ الٰہ واحد کے مقابلے میں متعدد الٰہ کا تصور خود عقیدہ الٰہ کے منافی ہے اس لیے کہ متعدد الٰہ ممکن ہی نہیں قرآن عظیم نے بہت واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا

کائنات کا نظام متعدد خداؤں کے ذریعے سے نہیں چل سکتا

غالباً اسی تصور کو ایک مغربی مفکر نے بہت واضح طور پر پیش کیا ہے "کوئی شخص دو آقاؤں کی بندگی نہیں کر سکتا ہے۔"

اسلام کا عقیدہ الٰہ

تمام مذاہب عالم کے مقابلے میں اسلام نے عقیدہ الٰہ کو بہت واضح طور پر پیش فرمایا

ہے اس طور پر کہ ذات پاک تعالیٰ شانہٗ کی تمام صفات کا تصور کر ڈالئے کہیں بھی آپ کی عقل آپ کا ذہن یہ نہ کہے گا کہ یہ صفت شان الوہیت کے منافی ہے بلکہ ہر صفت کے حقائق و معارف کے انکشاف کے بعد ہر صاحب شعور بے ساختہ پکار اٹھے گا کہ بیشک یہ صفت صفتِ الٰہی ہے اسلام کے عقیدۂ الٰہ میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ کے اثباتی انداز کے بعد لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ کا منفی طریقہ تفہیم شان الوہیت کس قدر پیارا اور کس قدر عقل و فکر سے قریب تر ہے اسلام نے نہ صرف ذات الٰہ میں ممکنات کی شرکت کا انکار کیا ہے بلکہ واضح طور پر یہ اعلان فرمایا ہے کہ وَلَا ضِدَّ لَهٗ وَلَا نِدَّ لَهٗ ولا شبیہ له ولا مثیل لہٗ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ صفات میں بھی شرکت ناممکن ہے تجسیم وغیرہ کا انکار فرما کر عقیدہ الٰہ کی بلند ترین حیثیت پیش فرمادی ہے ایک مغربی مستشرق کے غالباً اسی حقیقت کا اعتراف اپنے ان جملوں میں کیا ہے۔

"قرآن کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ اس نے عقیدۂ الٰہ کو مرئی اور مجسم نہ پیش فرما کر ہمیشہ کے لئے ذلیل ہونے سے بچا لیا"

حقیقت یہ ہے کہ تمثیل و تجسیم وغیرہ ہی حقیقت الٰہ پر پردہ ڈال دیتی ہیں اور انسان الٰہ تک پہونچنے کے بجائے مظاہر میں الجھ کر رہ جاتا ہے وہ نقوش راہ کو منزل معرفت تصور کر لیتا ہے۔ عقیدۂ الٰہ کا اثر انسان کی پوری زندگی پر پڑتا ہے بالخصوص وہ نظام تو براہ راست متاثر ہوتا ہے جو اس عقیدے سے تشکیل پاتا ہے وہ معاشرہ جس کی تعمیر عقیدۂ الٰہ کے تحت ہوتی ہے اس کا ہر ہر گوشہ اس عقیدے کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کذب باری تعالیٰ کو ممکن مان لیا جائے تو اسلامی نظام حیات کی دیواریں متزلزل ہو جائیں گی بلکہ اسلامی قوانین کا قصر رفیع فرش زمین پر ڈھیر ہو جائے گا اس لئے کہ یہ امکان کذب نہ معلوم کتنے نقائص کے امکانات اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے اُبھرے گا یہاں تک کہ مسلم پرسنل لا ریں جس کو خالص الٰہی قانون کی حیثیت سے تسلیم کیا جا چکا ہے وہ خود منزل امکان میں ممکن التغیر والتبدل قرار پائے گا کیونکہ ممکن ہے کہ کسی قانون کے ارشاد کے وقت امکانِ کذب دائرہ امکان سے صرف ایک قدم آگے بڑھ کر وقوع پذیر ہو گیا ہے —— العیاذ باللہ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تمام قومیں جو خدائے واحد کے

مقابلے میں بے شمار خداؤں کی پرستش کرتی ہیں جن کی پیشانیاں بے شمار بارگاہوں میں خراج سجدہ پیش کرنے کے لئے جھکی ہوتی ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے تمام مسائل میں انتہائی مضطرب اور بے قرار آتی ہیں ایک سر ہے اور ہزاروں موہوم مراکز سجدہ سجدے طلب کر رہے ہیں۔ بیچارہ کہاں کہاں اپنی پیشانی جھکائے اور اپنے کمزور سے وجود کے اوپر کس کس کی حاکمیت مطلقہ مسلط کرلے غالباً یہی وہ مصلحت تھی جس کے پیش نظر قرآن حکیم نے بے شمار مقامات پر عقیدۂ توحید کو بہت واضح طور پر پیش فرماکر بار بار مختلف اسالیب بیان کے ساتھ ساتھ ذہنوں میں اتارا ہے کہ کہیں یہ مقدس عقیدہ مجروح نہ ہونے پائے ورنہ انسان گمراہی کے ورطہ دیجور سے نکل کر ہدایت کے ساحل نور سے کبھی دوچار نہ ہو سکے گا۔

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام کے علاوہ تمام مذاہب عالم کے یہاں عقیدۂ الٰہ تصدیق عقیدہ کی صراحت لئے ہوئے نہیں بلکہ تصور محض کا ابہام لئے ہوئے ملتا ہے۔ اس لئے کہ ان کے یہاں الٰہ کا صرف تصور ہے جسے تصورِ الٰہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسلام میں الٰہ ایک حقیقت ہے ایک عقیدہ ہے، اور یہ ایک امر مسلم ہے کہ تصور زندگی نہیں دیتا بلکہ زندگی صرف عقیدے سے ملا کرتی ہے جو انسان کی پوری زندگی پر چھا جاتا ہے اور انسان اپنی زندگی کا ہر قدم الٰہ واحد کو شہید و بصیر یقین کرتے ہوئے اٹھاتا ہے۔ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کی بنیاد کا جب یہ عالم ہے تو اس بنیاد پر جس معاشرے کی عمارت تعمیر کی جائے گی اس کا کیا عالم ہوگا ـــــ

"عقیدۂ رسالت"

اسلام کے علاوہ دوسرے ادیان و مذاہب میں رسالت کا جو تصور ہے وہ تصورِ الٰہ کی طرح سے ہی ناقص نامکمل، مائل بہ ابتذال غیر مؤثر، اور منصب رسالت سے فروتر ہے اس لئے کہ رسالت جس مہتم بالشان منصب کا نام ہے اس کے حامل کی حیثیت خواہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو مگر ارباب مذاہب قدیمہ نے ان کو اس طور پر پیش کیا ہے کہ ان کی حیثیت ایک عام مصلح اور ایک عام قائد سے آگے نہیں بڑھتی عہد عتیق اور عہد جدید کی تمام تحریروں کا مطالعہ کیجئے تو

یہ کھل کر سامنے آجائے گی کہ مجرمین تحریف نے انبیار کی زندگی کو سینکڑوں تضاد کا حامل بنا کر پیش کیا ہے۔ ایک طرف انبیار کرام میں سے بعض افراد کو وہ خدا کا بیٹا اور الٰہ تصور کرتے ہیں تو دوسرے انبیار ورسل کو نبی مان کر بھی انھیں لائق گردن زنی، لائق صلیب ودار، باغی ومجرم وغیرہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہود کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے نہ معلوم کتنے انبیار کرام کے خون ناحق سے ان کے ہاتھ آپ کو رنگے ہوئے نظر آئیں گے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جن انبیار ورسل کے قوانین کو وہ معیار مانتے ہیں۔ خود ان کو گناہ گار خطاشعار اور مجرم ثابت کرنے میں بڑے جور واقع ہوئے ہیں اور ان کی بیباکیاں اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام جو ابوالانبیار ہیں اور جن کی ذات پاک کے بارے میں تمام مذاہب جو منزل من اللہ ہیں یا ہونے کے دعویدار ہیں متحد القول ہیں کہ وہ جلیل القدر پیغمبر تھے مگر ان کی نبوت کا اقرار کرتے ہوئے بھی یہود ونصاریٰ ان کو مجرم وخاطی تصور کرتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کی ذات پاک سے منسوب کرکے انھوں نے یہ عقیدہ وضع کرلیا ہے کہ ہر انسان پیدائشی گناہگار ہے اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ کیا تھا اور ان کے گناہ کے نتیجے میں ان کی اولاد فطرۃً اور خلقۃً گناہگار ہے۔

کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ مصلحت ایزدی کی بنیاد پر حضرت آدم علیہ السلام سے سرزد ہونے والی ذلت کو وہ گناہ کہتے ہیں۔ غور فرمائیں کہ گناہ کے نتیجے میں ہمیشہ تباہیاں اور بربادیاں ہوتی ہیں شہر ویران ہوجاتے ہیں، آبادیاں اجڑ جاتی ہیں۔ چہرے بدل جاتے ہیں صورتیں مسخ ہوجاتی ہیں، پتھر برسائے جاتے ہیں، آگ اور خون کی بارش ہوتی ہے، زمین الٹ دی جاتی ہے — مگر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کا یہ کیسا گناہ ہے کہ جس کے نتیجے میں آبادیاں بڑھتی ہیں، ویرانے ختم ہوجاتے ہیں، زندگی سنورتی ہے، ابنار آدم خلافت ارض کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات بنا لقد کرمنا بنی آدم کے تاج کرامت سے نوازا گیا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ کے مظاہر حسن جلوہ گر ہوئے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی نسل پاک سے سیدالمعصومین حاصل تخلیق کائنات شاہکار عالم ایجاد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے کیا یہ ساری عظمتیں اور سربلندیاں

انسان کو حضرت آدم کے مفروضہ گناہ کے ثمرے میں ملیں، عیاذاً باللہ

اس عقیدے کی ایک دردناک تصویر یہ ہے کہ انھوں نے انسان کو پیدائشی مجرم قرار دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انسان مایوس ہوگیا اور اس یاس کے نتیجے میں جب گناہ بڑھے اور انسان نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ ہم پیدائشی مجرم ہیں جب ہمارے جرم کی وجہ سے لذّت فردا ہم کو ملنے والی نہیں ہے تو لذت امروز سے دامن کشی نادانی ہوگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انسانوں نے اللہ کی زمین کو گناہ سے بھر دیا تو عیسائیوں نے اور ارباب کلیسا نے فوراً عقیدۂ کفارہ کو جنم دیا۔ یعنی انسان پیدائشی مجرم تو ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب ودار قبول فرما کر تمام انسانوں کے گناہ بخشوا دیئے۔ بس کیا تھا وہاں مایوسی نے انھیں بحر عصیاں میں غوطہ زنی پر مجبور کیا تھا اور یہاں نجات کے یقین نے انھیں گناہوں میں ڈبو دیا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام لوگوں کے گناہوں کا کفارہ بن چکے ہیں تو پھر گناہ کیوں نہ کئے جائیں۔

ایک اور زاویہ نگاہ سے غور کریں تو یہ بات اور زیادہ واضح ہوجائے گی کہ صرف یہی نہیں کہ انھوں نے اپنے انبیاء کے مقدس منصب کی توہین کی بلکہ انھوں نے ان کے مشن، ان کی تحریک، اور ان کے اخلاق حسنہ پر تحریف و تبدیل کے پردے ڈال دیئے۔

مشہور مستشرق پروفیسر رینان لکھتا ہے:

ستکون حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام مستتراً فی حمید الزمان
حتیٰ لم لیبج لسان زمان بعدہٗ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات گرامی زمانے کے تقلب میں اس طرح پوشیدہ ہوگئی ہے کہ ان کی حیات کے بعد زمانے کی زبان ان کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکی۔ ایک ایسا جلیل القدر پیغمبر جس کی زندگی کو پوری حیات انسانی کے لئے دستور حیات ملنے ہیں، ان کے متعلق انجیل صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے۔ گہوارے میں کلام فرمایا۔ ۱۲ برس کی عمر شریف تک لوگوں کے سامنے مختلف معجزات بالخصوص احیاء موتی و اشفاء اکموہ و مبروص

وغیرہ سے متعلق پیش کرتے رہے جب لوگوں کو ان کی نبوت کا یقین ہوگیا تو وہ غائب ہوگئے۔ ۳۲ سال کی عمر میں دوبارہ ظاہر ہوئے یہودیوں نے شدید اختلاف کیا۔ ایک سمندر کے کنارے کچھ مچھیروں اور چرواہوں کو وعظ فرمایا اور پھر انھیں صلیب دے دی گئی۔

کیا صرف اتنی ہی زندگی سے عہد سے لے کر لحد تک کے لئے کوئی دستور حیات تیار ہوسکتا ہے اگر کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی سے معاشرتی مسائل اخذ کرنا چاہے سلطنت وحکومت کے قوانین طلب کرے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے متعلق سوال کرے قانون ازدواج و پرورش اولاد و حقوق والدین وغیرہ کے متعلق پوچھے تو ان کی موجودہ مشہور زندگی میں ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔

یہ تو اسلام اور پیغمبر اسلام کا احسان عظیم ہے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر اور وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۝ قرار دے کر عیسائیت کی آبرو رکھ لی ورنہ آج عیسائیوں کو یہ بھی ثابت کرنا دشوار ہو جاتا کہ حضرت عیسیٰ نام کی کوئی تاریخی شخصیت بھی کبھی جلوہ گر ہوئی تھی۔ غالباً اسی بات کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا:

"دنیا نے اپنے سردار کے پہچاننے میں غلطی کی ہے جب وہ روح الحق فارقلیط (احمد صلی اللہ علیہ وسلم) جلوہ گر ہوگا تو میری صحیح حیثیت کو دنیا کے سامنے پیش کرے گا۔"

تقریباً یہی حال دنیا کے دوسرے مذاہب کا بھی ہے قرآن عظیم کا مطالعہ کریں تو یہود کا بھی حال اس سے کچھ زیادہ مختلف نظر نہ آئے گا۔ ہنود وغیرہ کے یہاں جو اوتار وغیرہ کا عقیدہ ہے وہ تو ارباب فہم کے نزدیک بدیہی البطلان ہے ان پر گفتگو کرنا تضیع اوقات کے مترادف ہوگا۔

لیکن یہاں آکر ہمیں اسلام کی حقانیت کے اعتراف پر مجبور ہونا پڑتا ہے اس لئے کہ اس نے جو عقیدۂ رسالت پیش کیا ہے جامع، کامل، عظیم، واضح اور روشن ہے۔ اسلام انبیاء اور رسل کو مصطفیٰ اور برگزیدہ تصور کرتا ہے وہ انہیں خدا کی نگاہ قدرت کا انتخاب کہتا ہے وہ ان کی ہر حرکت وعمل کو منجانب اللہ یقین کرتا ہے وہ ان کے نطق پاک کو خدا کا کلام قرار دیتا ہے ان کے ارشادات کو منشاء ایزدی سے تعبیر کرتا ہے انھیں بشریت عامہ کی سطح سے بہت

بلند تصوّر کرتا ہے اس طور پر کہ ایک غیر نبی انسان لاکھ ترقی کر جائے مگر نبی نہیں ہو سکتا اور ان میں سب سے بڑھ کر یہ عقیدہ ہے کہ وہ عصمت انبیاء کا قائل ہے۔ اسلام کی نگاہ میں ہر نبی و رسول معصوم عن الخطاء ہے اس لئے کہ اگر نبی ارتکاب خطاء کر سکتا ہے تو یقیناً جو قانون وہ عطا کرے گا اس کو بھی ہم خطاء سے پاک تصور نہیں کر سکتے۔ اس طور پر صرف نبی کی ذات ہی نہیں بلکہ پورا قانون حیات مجروح ہو جائے گا۔ پھر یہ دعویٰ ممکن نہ ہوگا کہ ہمارے نبی نے ہم کو جو قانون عطا فرمایا ہے وہ مبرا عن الخطاء ہے۔ افضل ترین ہے، اس سے بہتر قانون کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ ہماری جَمْعِیَۃِ رُھْبَانُ وَقِسِّیْسِیْن نے اور پاپایانِ کلیسا نے دوسرے لفظوں میں خدایان مسیحیت نے غور و فکر کے بعد فیصلہ دے دیا ہے کہ اس میں کوئی خطا نہیں ہے تو یہ اور حیرت انگیز بات ہوگی اس لئے کہ نبی کی مقدس ترین زندگی اور اس کے پیغام کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت فرمانے والا خدا ہے نبی کے امتی نہیں یہ بات تو اس بھی زیادہ عجیب ہوگی کہ قانون ساز پارلیمنٹ کے عالی دماغ افراد سڑک پر کھڑے ہو کر عوام الناس کی بھیڑ سے سندِ صحت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں یونہی اگر جس کے ناکام طرفین کے اقوال باطلہ کی طرح سے نبی کو اپنے ہی جیسا فرض کر لیا جائے تو پھر ہم اس کے قوانین کو بالائے طاق رکھ کر خود قانونِ حیات کی ترتیب کا حق رکھتے ہیں اس لئے کہ جب نبی ہمارے ہی جیسا ہے تو ہمیں بھی حق ہے کہ ہم قانون بنالیں یا پھر اس بات کی کیا ضمانت کہ نبی سے کوئی خطاء سرزد نہیں ہوئی ہوگی یا پھر یہ کہ نبی نے جس ماحول میں بیٹھ کر قانون پیش فرمایا تھا، یقیناً وہ اس کے مطابق ہوگا مگر آج حالات بدل گئے ہیں نبی کو غیب معلوم نہیں تھا نبی نے آج کے موجودہ حالات کا جائزہ نہیں لیا ہوگا۔ اس لئے آج سے ۱۴ سو برس پہلے والا قانون آج کے لئے ناقابل عمل ہے —— مگر اسلام نے جو تصور رسالت پیش فرمایا ہے وہ ان تمام فتنوں کا سدّباب کر دیتا ہے۔ اسلام اس بات کا قائل ہے کہ ماضی حال مستقبل سب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہوں کے سامنے ہیں ان کا عطا فرمودہ قانون حیات سب پر حاوی ہے نہ ماضی کے اندر طاقت تھی کہ نبی کے قانون کو چیلنج کر سکتا اور نہ عصر جدید کے اندر طاقت ہے کہ نبی علیہ السلام کے قانون سے بہتر کوئی قانون پیش کر سکے اور نہ عصور مستقبلہ میں یہ

یہ ممکن ہو سکے گا۔ یوں ہی قرآن نے نبی علیہ السلام کو بشر تو فرمایا ہے مگر عام انسانوں جیسا نہیں بلکہ سید البشر امام الانبیاء حامل سیادتِ مطلقہ و افضلیت عامہ ظاہر ہے اس عقیدۂ رسالت کے بعد نبی کی حیات پاک ہر لغزش اور ہر خطارے سے معصوم و مصئون ہے جو مذہب اس قدر پاکیزہ تصور رسالت پیش کرتا ہو اس کو حق ہے کہ وہ ایک عالمگیر نظام حیات کے حامل ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ اور کائنات اس کے دعوے پر ایمان لائے۔

(۲) نظام عبادت

اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کی عبادتوں کا جائزہ لیجئے تو یہ محسوس ہوگا کہ مسیحیت یہودیت، ہندو مت، بودھ مت میں عبادت رہبانیت اور ترک لذات کا نام ہے عبادت زندگی نہیں دیتی بلکہ زندگی سے فرار سکھاتی ہے۔ عبادت زندگی کا حوصلہ، مستقبل کا عزم، کامیابی کا یقین اور جرأت و ہمت بخشنے کے بجائے یاس، قنوطیت، عافیت پسندی، نوازع فطریہ سے علیحدگی، زندگی اور زندگی کے اقدار عزت سے بیزاری بخشتی ہے، وہ انسان کی بہترین صلاحیتوں کو فنا کر دیتی ہے جن کے ذریعے سے وہ جہانبانی کے فرائض انجام دے سکتا تھا۔ وہ انسانوں کا رشتہ انسانوں سے توڑ دیتی ہے اور صومعہ نشینی یا صحرا نوردی کا حکم دیتی ہے جہاں یہ نغمہ گنگنایا جاتا ہے:

"کسے را با کسے کارے نباشد"

ظاہر ہے کہ یہ نظام عبادت اس دنیا کے بسنے والوں کا نہیں ہو سکتا جہاں زندگی کی عمارت تعاون اور تمانع پر قائم ہوتی ہے جہاں خوشیاں ہیں مسرتیں ہیں غم و اندوہ ہیں قہقہے اور نغمے ہیں، سسکیاں اور آہیں ہیں۔ جہاں جذبات و احساسات کی کارفرمائی ہے جہاں فطرت کا حسن کائنات کی ہر شے کو دعوت نظارہ دے رہا ہے۔ جہاں

ہر گیاہے کہ از زمیں روید وحدہ لاشریک می گوید

کے نغمے بربط دل پر چھڑتے ہیں۔ اور جہاں ؎

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

کی آئینہ بندی ہے

جو عبادت زندگی کی عظمتوں کے حصول کی تڑپ کے بجائے زندگی سے بیزاری کا درس دیتی ہے وہ زندگی نہیں بلکہ موت ہے —— اس کے برعکس اسلام کا نظام عبادت کس قدر خوبصورت اور زندگی کی عظمتوں سے بھرپور ہے اسلام ایک خدائے وحدہٗ قدوس کی بارگاہ میں سجدے کا حکم دیتا ہے تو دوسری طرف رزمگاہ حیات میں تیز گامی کو لازمۂ حیات قرار دیتا ہے۔ ھم باللیل رھبان و بالنھار فرسان سے اپنے ماننے والوں کی صفت بیان کرتا ہے اسلام ایک طرف تو توکّل علی اللہ کا حکم دیتا ہے تو دوسری طرف لیس للانسان الّا ما سعیٰ کے مقدس فرمان سے ہموار فکر و عمل کو مہمیز دیتا ہے۔ اسلام اگر روزے کا حکم دیتا ہے تو دوسرے مذاہب کے برت کی طرح آسودگی شکم کے لئے دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کے لئے نہیں بلکہ دوسروں کی بھوک کو محسوس کرکے دوسروں کے لئے آسودگی حیات کا سامان فراہم کرنے کے لئے۔ اسلام اگر حج پاک کا حکم دیتا ہے تو صرف اس لئے نہیں کہ چند دنوں کے لئے علائق دنیوی سے قطع تعلق کرکے اللہ کی راہ میں جہاد بالنفس کی لذّت کشی کی جائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک اجتماعی مرکز اسلام سے وابستہ ہونے کے لئے کعبۃ اللہ کی دیواروں کے نیچے سجدہ ریزی کا حکم دیتا ہے تاکہ وحدت کلمہ کی بنیاد پر انسان رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو فراموش کرکے طبقاتیت کی تمام دیواروں کو ڈھاکر نسلی اور جغرافیائی حدبندیوں سے آزاد ہوکر اپنے وجود کو اسلام کے ایک مقدس ترین معاشرے کا ایک فرد تصور کرے جس میں ایک انسان دوسرے انسان کی تمام تر انسانی قدروں کا محافظ ہے جہاں ایک کا درد دوسرے کا درد اور ایک فرد کی خوشی تمام ملت اسلامیہ کی مسرت سے تعبیر کی جاتی ہے۔

عبادت کے نظام کا جائزہ لیں تو یہاں بھی زندگی سے فرار نہیں بلکہ زندگی کے بحر ناپیدا کنار میں اپنے قطرۂ وجود کو فنا کر دینے کا نام ہے ؎

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

۲۴ گھنٹے میں ۵ بار ایک محلہ کے لوگ محلہ کی مسجد میں حاضر ہو کر اپنی وحدت ملی کا ثبوت دیں سال میں ایک بار اطراف وجوانب کے لوگ عیدگاہ میں حاضر ہو کر اجتماعی زندگی کی مسرتوں سے ہمکنار ہوں اور زندگی میں ایک بار کعبۃ اللہ کی دیواروں کے نیچے تمام دنیا کے مسلمان رنگ و نسل جغرافیائی تقسیموں لونی ونسلی غرور کو پاش پاش کر کے اجتماعی سجدۂ نیاز پیش کریں.

عبادت کے لئے بھی کسی خاص گوشۂ عافیت کی اس طور پر قید نہیں لگائی گئی کہ اس کے بغیر عبادت ممکن ہی نہیں بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے لئے پوری زمین سجدہ گاہ ہے۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کریں تو یہ بات ثابت ہوگی کہ اللہ کی بارگاہ میں سر جھکانا بھی عبادت ہے۔ اور اللہ کے بندوں سے پیار کرنا بھی عبادت' اسلام میں عبادت زندگی بخشتی ہے زندگی کا وقار عطا فرماتی ہے آفاق وانفس پر حکمرانی کا مستحق بناتی ہے۔ استقلال وہمت بخشتی ہے، جرأت وحوصلہ سے نوازتی ہے خدا کی بارگاہ میں سر جھکا کر اپنی انسانی خودی کی حفاظت کا درس دیتی ہے۔ اندازہ فرمائیں کہاں اسلام کا پاکیزہ ترین نظام عبادت اور کہاں دوسرے مذاہب کی عبادتیں جن کا نقشہ قرآن عظیم نے اپنی اس آیت کریمہ میں کھینچا ہے؛

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۝

اور ان کی عبادت تو گھر کے پاس صرف سیٹیاں اور تالیاں ہیں

(۳) نظامِ اخلاق

نظام عقائد اور نظام عبادت کی طرح سے دنیا کے دوسرے مذاہب کے دامن ایک باضابطہ نظام اخلاق سے بھی خالی ہیں. اس لئے کہ اس وقت ہمارے سامنے متمم مکارم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جتنے بھی معلمین اخلاق کے صحائف موجود ہیں ان میں انسان کی صرف چند خصلتوں کا تذکرہ ہے جسے انگلیوں پر شمار کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر مسیحیت ہی کو لیجئے اس کی کل اخلاقی تعلیمات کو صرف ان چند جملوں میں سمیٹا جاسکتا ہے۔

(۱) اکرام والدین (۲) خون ناحق سے پرہیز (۳) زنا سے بچنا (۴) سرقہ سے دست کشی (۵) شہادت کاذبہ سے احتیاط.

میں عرض کرتا ہوں کیا ان چند اخلاقی تعلیمات سے انسان کی پوری زندگی کو سنوارا جا سکتا ہے؟ کیا مہد سے لے کر لحد تک زندگی کے تمام گوشوں پر یہ تعلیمات حاوی ہیں؟ کیا ان تعلیمات میں انسان کے ان تمام رشتوں کا تذکرہ ہے جن سے وابستہ انسان کی پوری زندگی کو صرف ان چند اوامر و نواہی کے حوالے کیا جا سکے؟ — ان سوالات کا جواب آپ کو یقیناً نفی میں ملے گا۔

اس کے برعکس اگر آپ اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت ہی تکمیل اخلاق ہے — خود ارشاد فرماتے ہیں:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق

قرآن عظیم ان کے مقدس منصب کی نشاندہی فرما رہا ہے وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام اخلاق انسان کی پوری زندگی کے اوپر چھایا ہوا ہے مہد سے لے کر لحد تک زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے لئے اسلام کی اخلاقی پابندیاں موجود نہ ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ سرکار عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب ایک شخص نے سوال کیا کہ اے ام المومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق پاک کیا تھا تو انھوں نے ارشاد فرمایا: "كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن" ان کا خلق قرآن ہے۔ قرآن پاک میں الحمد کی الف سے لے کر والناس کی س تک ہر ہر آیت کریمہ پر تمہیں تصویر کردار مصطفےٰ نظر آئے گی۔

ایک اور نقطہ نظر سے اگر آپ مسیحی اخلاقیات کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مسیحی اخلاقیات کا حاصل صرف تذلل اور انفعال ہے۔ خدا کے علاوہ انسانوں کے آگے بھی جذبۂ خود سپردگی ہی اس کا خلاصہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب یہ جملہ زبان زد عوام و خواص ہے مَنْ ضَرَبَ عَلٰى خَدِّكَ الْاَيْمَنِ فَادِرْلَهُ الْاَيْسَر جو تمہارے داہنے رخسار پر طمانچہ مارے اُسے بایاں رخسار خود بخود پیش کر دو — کیا اس کا مطلب یہ نہ ہوا کہ جو تمہارے ایک کلیسا پر حملہ کرے اس کو دوسرا کلیسا بھی پیش کر دو۔ جو تمہاری ایک مملکت چھین لے اسے دوسری مملکت بھی پیش کر دو؟ کیا یہ تعلیم کسی نظام سلطنت و اقتدار کے لئے کوئی اخلاقی ضابطہ دے سکتی ہے اس تعلیم کی روشنی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ناممکن ہے ظلم کا استیصال اور عدل کی ہمنوائی محال ہے۔

کمزوروں کا تعاون اور ظالمانہ قوتوں کی مدافعت بعید از قیاس ہے یہی وجہ ہے کہ مشہور جرمن مفکر نطشے نے جب مسیحی اخلاقیات کا مطالعہ کیا بیساختہ پکار اٹھا۔

"مسیحیت کی اخلاقی تعلیمات، انحطاط، تذلل اور بوسیدگی کی طرف مائل ہیں۔
وہ انسان کی بہترین صلاحیتوں کو فنا کر دیتی ہیں۔"

ڈاکٹر کیلی نے بھی اسی مفہوم کو پیش کیا ہے:

"جا و بیجا انکسار اور فروتنی ظلم کے سامنے خود سپردگی یہ ساری خصلتیں مسیحیت کی پیداوار ہیں غیر متمدن دنیا کے لئے ممکن ہے کہ اس طرز اخلاق میں زندگی رہی ہو مگر آج کی متمدن دنیا کا مسیحی اخلاقیات میں کوئی حصہ نہیں ہے۔"

دوسرے لفظوں میں وہ اعلان کر رہا ہے کہ عیسائیت کی اخلاقی قدریں عصر جدید اور تمدن حاضر کا ساتھ نہیں دے سکتیں اس کے برعکس اگر آپ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں اور اسلام کی اخلاقی قدروں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے جہاں تواضع اور انکساری کا حکم دیا ہے وہیں ظلم کفر اور عصیان و سرکشی کے مقابلے میں جہاد کا بھی حکم دیا ہے اسلام ایک نظام عدل ہے ایک متوازن نظام خلق ہے یہی وجہ ہے کہ آج پورے یورپ نے مسیحیت کی اخلاقی تعلیمات سے عملاً کنارہ کشی اختیار کر لی ہے اور اسلامی اخلاق حسنہ کو انھوں نے شعوری اور لاشعوری دونوں طریقوں سے قبول کر لیا ہے — غور فرمائیں کہ دنیا کے سب سے بڑے مدعی اخلاق مذہب (مسیحیت) کا جب یہ عالم ہے تو یہودیت، بودھ مت اور ہندو مت وغیرہ کا کیا عالم ہوگا جہاں کسی اجتماعی اخلاق کا کوئی تصور ہی نہیں ہے محض بعض صداقتوں کی طرف کچھ مبہم اشارے ہیں جو انسان کی مکمل رہنمائی نہیں کر سکتے جب اسلام کے علاوہ دنیا کے تمام مذاہب کے نظام عقائد، نظام عبادت، نظام اخلاق کا ناقص ہونا ثابت ہو گیا — تو آیئے ہم قرآن عظیم کی اس آیت کریمہ کی تلاوت کریں۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۞

بے شک دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔



(مولانا قمر الزماں صاحب اعظمی)

پیغمبر خدا کی حیثیت محض قانون داں کی ہے

یا

قانون ساز کی؟

قانون ساز و قانون داں یہ دو لفظ عرف میں الگ الگ معنی کے لئے آتے ہیں۔ قانوں داں کے معنی ہیں قانون جاننے والا۔ جس کی حیثیت صرف قانون کے کلیات و جزئیات کے معتد بہ حصے پر عبور کی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے اندر اتنی مہارت ضروری ہے کہ وہ ہر نئے پیش آنے والے حادثہ کا حکم قانون کے کلیات سے یا اس کے مثل و نظیر دوسرے جزئی پر قیاس کر کے نکال سکے جس کی مثال وکیل اور بیرسٹر ہیں کہ یہ لوگ صرف قانون داں ہوتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی قابل ذہین فطین ہوں یہ لوگ قانون کی دفعات یا اس کی عبارت میں کوئی ادنیٰ سا رد و بدل نہیں کر سکتے قانون کے اصطلاحی معنوں میں کوئی تغیر نہیں کر سکتے اگرچہ ان میں اتنی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ نئے مقدمات کے لئے قانون کی دفعات سے احکام نکال لیتے ہیں اور اسے اپنے دعویٰ کے مطابق کرنے کے لئے ہفتوں، مہینوں بحث و تمحیص کر سکتے ہیں مگر قانون میں کوئی ترمیم نہیں کر سکتے۔

شریعت اسلامیہ میں ان کی نظیر علماء دین ہیں جو شریعت کے اُصول و فروع پر حاوی ہوتے ہیں۔ اتنی استعداد رکھتے ہیں کہ کوئی نیا واقعہ رونما ہو تو اس کا حکم استخراج کر لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ مسائل شرعیہ پر اعتراض کرنے والوں کو دندان شکن جواب بھی دے لیتے ہیں مگر شریعت کے کسی حکم کو بدل نہیں سکتے۔ اس میں کوئی ترمیم نہیں کر سکتے اس کے الفاظ کو نیا معنی نہیں پہنا سکتے۔

رہ گیا قانون ساز تو یہ لفظ اس با اختیار ہستی پر اطلاق کیا جاتا ہے جو جب چاہے خواہ با اختیار خود یا باذن مختار مطلق قانون کی جس دفعہ کو چاہے منسوخ کر دے اس میں رد و بدل

کردے، الفاظ کے معنی معین کردے جن افراد کو چاہے جس قانون سے چاہے مستثنیٰ کردے۔
اس کی ایک مثال ہمارے معاشرہ میں شہنشاہ کی ہے کہ وہ اپنی مملکت کا آمر مطلق ہوتا ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے جو قانون چاہتا ہے ختم کر دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے جس قانون سے چاہتا ہے مستثنیٰ کر دیتا ہے —— دوسری مثال وزیر قانون کی ہے۔ کہ وہ شہنشاہ کے اذن واختیار سے قانون بناتا ہے۔ اس میں ترمیم و تبدیلی کرتا ہے۔

اب جب قانون داں و قانون ساز دونوں الفاظ کے معانی ذہن نشین ہوگئے —— تو اب آیئے شریعت اسلامیہ کے تاسیس کا ایک تحقیقی جائزہ لیں اور یہ تلاش کریں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت صرف قانون داں کی تھی یا یہ کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باذن اللہ قانون ساز بھی تھے۔

۱— اس بحث کے چند پہلو ہیں ایک یہ کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باذن اللہ قانون ساز بھی تھے۔

۲— آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قانون ساز ہیں احادیث کی روشنی میں۔

۳— آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قانون ساز ہیں شواہد کی روشنی میں۔

اس بارے میں اُمت کا عقیدہ آج سے پہلے کیا رہا اور کیا ہے۔ آیات قرآن کریم پر اگر کوئی تحقیقی نظر ڈالے تو اسے اس باب میں صدہا نصوص مل جائیں گی۔ سرسری نظر ڈالنے پر بھی جو نصوص سامنے ہیں وہ کم نہیں۔ آپ قرآن مجید کی تلاوت کریں جگہ جگہ ملے گا۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ جس نے اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی کی وہ فاسق وظالم ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اللہ عزوجل کے مختار و مطلق ہونے کے بارے میں کسی مدعی اسلام کو ادنیٰ شبہ نہیں ہوسکتا ہے اس کی شان تو فعال لما یرید اور یحکم ما یشاء ہے۔ اللہ عزوجل کی اطاعت و عصیان کے موازی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم اور عصیاں کی ممانعت اس کی دلیل ہے کہ اس باب میں مختار و ماذون، عطائی و ذاتی وجوب وارکان، حدوث و قدم وغیرہ کا فرق تو ہے۔ مگر واجب الاتباع و مطاع ہونے میں کوئی امتیاز نہیں۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح اللہ عزوجل شریعت میں

"نسخ" ترمیم و تبدیل تخصیص و تقیید کرسکتا ہے۔ اسی کے اذن سے اس کے رسول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم بھی یہ سب اختیار رکھتے ہیں اور یہی معنیٰ قانون ساز کے ہیں ــــ اِن عمومی ارشادات کے علاوہ آیئے چند خصوصی ارشادات ملاحظہ کریں۔

ارشاد ہے :ــــــــ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔	فرمادو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم کو محبوب بنادے گا۔

اور ہر شخص جانتا ہے کہ 'اتباع' کا یہی مطلب ہے کہ جو حکم دیا جائے اس کو مانا جائے اس پر عمل کیا جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ رسولؐ جو حکم دیں اس کا ماننا لازم ہے تو ثابت ہو گیا کہ رسولؐ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اُمّت کو جو چاہیں حکم دیں۔ یہی قانون ساز کے معنیٰ ہیں اور فرمایا گیا :ــــــــ

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا	حق ظاہر ہو جانے کے بعد جو بھی رسول کے خلاف کرے اور مومنوں کے راستے کے علاوہ کوئی پکڑے ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ مڑا اور اسے جہنم میں ڈالیں گے اور یہ بُرا ٹھکانا ہے۔

رسول کا خلاف یہی ہے کہ وہ جو فرمائیں نہ مانا جائے۔ اس پر عمل نہ کیا جائے۔ یہ اسی بنا پر ہے کہ ان کا ہر حکم قانون شریعت ہے اور جس کا ہر حکم شریعت ہوتا ہے وہ قانون ساز ہوتا ہے صرف قانون داں نہیں ــــ اور سنئے سورہ نُور میں ہے :ــــــــ

فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ (پ۱۸ رکوع ۱۵)	جو لوگ رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں وہ ڈریں کہیں ان کو فتنہ نہ آئے یا دردناک عذاب نہ پہونچے۔

رسول کے حکم کے خلاف کرنے والے پر یہ وعید اسی لئے ہے کہ ان کے کسی حکم کی خلاف ورزی شریعت کی خلاف ورزی ہے اور یہ حیثیت شریعت ساز کی ہو سکتی ہے ــــ صرف شریعت داں کی نہیں۔

ــــــــ

لہ صلی اللہ علیہ وسلم

لیجئے سورۂ احزاب کی آیت ہے:——

مَاكَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○

کسی مسلمان مرد، یا مسلمان عورت کی مجال نہیں کہ اللہ ورسول کوئی حکم فرمائیں تو انھیں اپنے معاملہ کا اختیار رہے اور جو اللہ ورسول کا حکم نہ مانے وہ بلاشبہ کھلے بند گمراہ ہو گیا۔

اس آیت کریمہ کی مراد کی توضیح کے لئے اس کا شانِ نزول بھی سنتے چلئے —— حضور سیدعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنّی زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح کا پیام زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے بھائی کو دیا۔ ان لوگوں نے نامنظور کیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی —— غور کیجئے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت زینب کا نکاح طے ہونا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی نے بنفسِ نفیس فرمایا خود ہی پیام دیا اس بارے میں کوئی آیت نہیں اُتری تھی مگر اسے نامنظور کرنے پر اتنی سخت وعید آئی اور اسے اللہ کا بھی حکم فرمایا گیا۔ اس کی نافرمانی کو اللہ کے حکم کی نافرمانی قرار دیا گیا —— یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیثیت صرف قانون داں کی نہیں قانون ساز کی بھی ہے۔

احادیث

۱—— تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتٰبَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ۔

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک ان دونوں کے پابند رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

کتاب اللہ کے قانونِ شریعت ہونے میں کسی کو انکار کی گنجائش نہیں۔ اس کے موازی آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنّت رسول اللہ کو بھی رکھا جس سے معلوم ہوا کہ سنّت رسول بھی قانون شریعت ہے اور یہ اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قانون ساز تسلیم کیا جائے۔ جن کے ارشاد کردار اور تقریر کا نام سنّت ہے۔

۲—— حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جسے ابوداؤد ابن ماجہ دارمی نے نقل فرمایا —— ارشاد ہے:——

الا یوشک رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بھذا القرآن ماوجدتم فیه من حلال فاحلوه وماوجدتم فیه من حرام فحرموہ. وان ماحرم رسول اللہ کما حرم اللہ۔

کوئی پیٹ بھرا اپنی مسند پر بیٹھا یہ کہنے لگے تم صرف قرآن کے پابند ہو اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو اور اس میں جو حرام پاؤ اسے حرام جانو حالانکہ رسول اللہ نے جسے حرام فرمایا وہ اسی کے مثل ہے جسے اللہ نے حرام فرمایا۔

۳ —— امام ابوداؤد نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کے ہم معنی روایت کی —— اس میں یہ ارشاد فرمایا:——

الا وانی واللہ قد امرت ونھیت عن اشیاء انھا لمثل القرآن.

سنو۔ قسم خدا کی میں نے کچھ چیزوں کا حکم فرمایا ہے اور کچھ چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ بیشک وہ قرآن کے مثل۔

۴ —— امام ترمذی ابوداؤد وابن ماجہ اور امام احمد وبیہقی حضرت ابورافع رضی اللہ تعالےٰ عنہ اسی کے مثل روایت فرمائی اس میں یہ ارشاد ہے:——

لا الفین احدکم متکئا علی اریکته یاتیه الامر من امری مما امرت به اونھیت عنه فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ۔ مشکوٰۃ شریف ص۲۹

اپنی مسند پر ٹیک لگائے کسی کو یہ کہتے نہ پاؤں کہ جب اس کے پاس کوئی چیز میری فرمودہ یا میری منع کردہ آئے تو یہ کہدے میں نہیں جانتا ہم نے جو کتاب اللہ میں پایا اس کی اتباع کی۔

ان احادیث کو پڑھئے اور دیکھئے جن لوگوں نے صرف اللہ کے حلال کئے ہوئے کو حلال جانا اور اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حرام جانا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلال کئے ہوئے کو حلال، اور حرام کئے ہوئے کو حرام نہیں جانا ان پر کتنا شدید غضب فرمایا۔ اور بلا کسی اشتباہ کے فرمایا کہ میری حلال کردہ اشیاء۔ اور حرام کردہ اشیاء اسی کے مثل ہیں جسے اللہ نے حلال فرمایا۔ یا حرام فرمایا—— کیا کسی قانون داں کا قول۔ قانون ساز کے قول کے مثل ہو سکتا ہے؟—— کیا جو قانون داں اور قانون ساز کے اقوال میں تفریق کرے وہ اس شدید غضب کا مستحق ہے؟—— اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور ضرور نفی میں ہے تو جو لوگ اللہ عزوجل کو قانون ساز مانتے ہیں انھیں ماننا پڑے گا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

جی ضرور بضرور قانون ساز ہیں۔

۵ — امام مالک و احمد و بخاری و مسلم و نسائی ابن ماجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں۔ کہ ارشاد ہوا:—

لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوٰۃ۔	اگر امت پر شاق ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم فرما دیتا۔

تیسیر وغیرہ میں اس حدیث کو متواتر بتایا ہے انھیں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد و نسائی نے یوں روایت فرمائی کہ ارشاد ہوا:—

لولا ان اشق علی امتی لامرتھم عند کل صلوٰۃ بوضوء ومع کل وضوء بسواک۔	اگر اس کا لحاظ نہ ہوتا کہ میری امت پر شاق ہوگا تو انھیں حکم دیتا کہ ہر نماز کے وقت وضو کریں اور ہر وضو کے ساتھ مسواک کریں۔

۶ — ابن ماجہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ یوں ارشاد ہوا:—

لولا ان اشق علی امتی لفرضتہ علیھم۔	اگر میری امت کی مشقت کا خوف نہ ہوتا تو مسواک ان پر فرض کر دیتا۔

۷ — امام ابونعیم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ ارشاد فرمایا:—

لولا ان اشق علیٰ امتی لامرتھم ان یستاکوا بالاسحار	اس کا لحاظ نہ ہوتا کہ میری امت پر شاق ہو تو میں حکم فرما دیتا کہ ہر پچھلے پہر مسواک کیا کریں۔

۸ — امام بخاری و مسلم و نسائی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:—

لولا ان اشق علی امتی لامرتھم ان یصلوھا ھکذا یعنی العشاء نصف اللیل۔	اگر میری امت پر شاق ہونے کا خیال نہ ہوتا تو میں حکم دیتا کہ اسے یعنی عشاء کو اس وقت یعنی آدھی رات کو پڑھیں۔

غور کیجئے۔ ہر نماز کے وقت وضو یا مسواک یا ہر وضو کے ساتھ مسواک یا ہر صبح کو مسواک یا نماز عشاء کا نصف لیل تک موخر کرنا فرض نہیں۔ مگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کا لحاظ ہے کہ ان چیزوں کے فرض فرما دینے سے امت مشقت میں پڑ جائے گی ورنہ ان چیزوں کو

فرض کر دیتا۔ مگر چونکہ ان کے فرض کر دینے سے امت مشقت میں پڑ جائے گی۔ اس لئے میں نے ان کو فرض نہیں فرمایا۔

۹ —— یہ قول کسی قانون داں کا نہیں ہو سکتا یہ قول صرف قانون ساز کا ہو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:—

فانی احرم علیکم حق الضعیفین الیتیم والمرأۃ	میں دو کمزوروں کی حق تلفی تم پر حرام کرتا ہوں۔ یتیم اور عورت۔ متفق علیہ۔

۱۰ —— ارشاد ہے:——

لا تشرب مسکرا فانی حرمت کل مسکر۔	نشہ کی کوئی چیز نہ پی میں نے ہر نشہ آور حرام فرما دیا۔

شواہد شواہد و نظائر بھی اس باب میں اتنے کثیر ہیں کہ ان سب کا احاطہ دشوار ہے اور جو فقیر کے علم میں ہیں ان سب کا یہ نمبر متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے چند پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱ —— صحاح ستہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب حاضر ہوئے۔ عرض کی میں ہلاک ہو گیا —— فرمایا۔ کیا بات ہے —— عرض کی۔ میں نے رمضان میں اپنی بیوی سے ہمبستری کر لی ہے —— فرمایا۔ ایک غلام آزاد کر سکتا ہے ؟ —— عرض کی۔ نہیں —— فرمایا۔ کیا اس کی طاقت ہے کہ مسلسل ساٹھ روزے رکھے —— عرض کی۔ نہیں —— فرمایا۔ کیا اتنی استطاعت ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے —— عرض کی۔ نہیں —— اتنے میں سوا دو من خرمے کسی نے پیش کئے۔ فرمایا۔ انہیں خیرات کر دے —— عرض کی۔ اپنے سے زیادہ محتاج پر نہ ؟ مدینہ بھر میں کوئی گھر ہمارے برابر محتاج نہیں ——

یہ سن کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اتنا ہنسے کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ فرمایا۔ —— جا۔ اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔

۲ —— اسی کے مثل کفارہ ظہار میں بھی وارد ہے۔

ظہار اور روزے کا کفارہ یہ مقرر ہے کہ وہ غلام آزاد کرے۔ اس کی استطاعت نہ ہو تو دو مہینے لگاتار روزے رکھے۔ اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے۔ مگر یہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان قانون سازی ہے کہ ان دونوں صاحبوں کو اس کفارہ سے مستثنیٰ

فرمادیا نہ صرف یہ کہ مستثنیٰ فرمادیا بلکہ انھیں اتنے کثیر خرما عطا فرمائے۔

۳ —— امام احمد مسند میں ثقات رجال صحیح مسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص آئے اور اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو ہی نمازیں پڑھوں گا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ کیا صرف قانون داں کی یہ حیثیت ہے کہ وہ اللہ کی فرض کی ہوئی تین نمازوں کو معاف کردے؟ یہ صرف قانون ساز کا عہدہ ہے۔

۴ —— حارث بن اسامہ بن نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور خود حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، مصنف ابن شیبہ و تاریخ بخاری و مسند ابو یعلیٰ و صحیح ابن خزیمہ اور معجم کبیر طبرانی میں مروی ہے — کہ فرمایا: ——

من شهد له خزيمه او شهد عليه فحسبه	خزیمہ کسی کے موافق یا مخالف گواہی دیں ان کی تنہا گواہی کافی ہے۔

حالانکہ قرآن کریم میں ہے:

وَاَشْهِدُوا ذَوَی عَدْلٍ مِّنْكُمْ	تم میں سے دو عادل گواہی دیں۔

مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی تنہا شہادت کو دو کے برابر فرمادیا۔ یہ دلیل ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قانون ساز ہیں۔

۵ —— سونا اور ریشمین کپڑا مردوں کو حرام ہے —— مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء کے لئے سونے کی انگوٹھی اور حضرت سراقہ کے لئے کسریٰ کے زریں کنگن اور حضرت عبدالرحمان بن عوف و زبیر رضی اللہ عنہما کے لئے خارش کے وقت ریشمی لباس حلال فرمایا۔

۶ —— حکام کے لئے تحفہ قبول کرنا جائز نہیں۔ مگر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حلال فرمایا۔ (سیف فی کتاب المفتوح)

۷ —— فرماتے ہیں: ——

قد عفوت عن الخيل والرقيق فهاتوا صدقة الرقة من كل اربعين درهما درهم.	میں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کردی روپوں کی زکوٰۃ دو ہر چالیس درہم میں ایک درہم۔

صحیحین اور مسند امام احمد اور شرح معانی الآثار میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا :——

اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَاِنِّي اُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا.	اے اللہ ابراہیم نے مکہ کو حرم کر دیا اور میں ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان کو حرم بناتا ہوں.

یعنی مدینہ طیبہ کہ حجۃ الوداع کا موقعہ ہے. حرم مکہ کے احکام بیان فرما رہے ہیں. ارشاد ہوا - اس کا میدان صاف کیا جائے. یعنی گھاس نہ چھیلی جائے —— حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر عرض کی :——

اِلَّا الْاِذْخِرَ فانه لقينهم ولبيوتهم	سوائے اذخر کے یا رسول اللہ ؟— اس لئے کہ یہ انکی بھٹی کیلئے ہے اور انکے گھروں کیلئے ہے.

فوراً بلا تاخیر اس کا استثنا فرما دیا.

حجۃ الوداع کا موقعہ ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حج کی فرضیت بیان فرما رہے ہیں - کہ اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے عرض کیا ——

العامنا هذا ام للابد	کیا اسی سال کے لئے فرمایا اسی سال کے لئے

اگر میں ہاں کہدوں تو ہر سال کے لئے واجب ہو جائے.

ان شواہد کو دیکھئے کیا یہ سب پکار پکار کر نہیں بتا رہے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم قانون ساز ہیں قانون ساز ہیں صرف قانون داں نہیں.

یہی وجہ ہے کہ احناف کے نزدیک حدیث سے قرآن مجید کا نسخ جائز ہے —— مرقاۃ میں ہے:

قد اثبت عند الحنيفة ان الحديث ناسخالكتاب.	حنیفہ کے نزدیک ثابت ہے کہ حدیث کتاب اللہ کی ناسخ ہو سکتی ہے.

اور یہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ ارشاد فرمایا :——

كلامی ينسخ بعضی بعضا كنسخ القرآن.	میرا کلام بعض بعض کو منسوخ فرما دیتا ہے جیسے قرآن کو منسوخ کرتا ہے.

اُمّت کا عقیدہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قانون ساز ہیں. اس بارے میں

امت کا عقیدہ عہدِ صحابہ سے لے کر یہی رہا ہے۔ کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قانون ساز ہیں صرف قانون داں نہیں۔

۱ ـــــ سنن ابی داؤد ابن ماجہ و مسند امام طحاوی و معجم طبرانی و بیہقی وغیرہ میں حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ـــــ

جَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثًا وَلَوْ مَضَى السَّائِلُ عَلٰى مَسْأَلَتِهٖ لَجَعَلَهَا خَمْسًا	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے موزوں پر مسح کی مدت تین دن مقرر فرمائی اگر مانگنے والا مانگے جاتا تو ضرور پانچ دن کر دیتے۔

۲ ـــــ بخاری میں زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ـــــ

وَجَدْتُهَا مَعَ خُزَيْمَةَ الَّذِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهٗ بِشَهَادَتَيْنِ۔	میں نے یہ آیت خزیمہ کے پاس پائی جن کی شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کے برابر فرمائی۔

۳ ـــــ حرم مدینہ کے سلسلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ـــــ

نهى النبى صلى الله عليه وسلم ان يعضد شَجَرُهَا اَوْ يخبط اويوخذ طَيْرُهَا۔	نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ مدینے کے درخت کاٹے جائیں یا پتے جھاڑے جائیں یا چڑیا پکڑی جائے۔

ان کے علاوہ خود یہی حضرت ابو ہریرہؓ اور انس بنؓ مالک۔ سعد بنؓ وقاص۔ زید بنؓ ثابت۔ ابو سعیدؓ خدری۔ عبد الرحمٰنؓ بن عوف۔ صعبؓ بن جثامہ۔ رافع بنؓ خدیجہ۔ خبیب بنؓ ھذلی۔ جابر بن عبداللہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا: ـــــ

حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم مابين لابتى المدينة ولابيتها شجرها ان يعضد او يخبط حرم صيد ها حرم البقيع۔ باختلاف الالفاظ لبعضهم بعضا۔	مدینہ کے دونوں پہاڑیوں کے مابین حرم بنایا۔ اس کے درخت یا پتے کا جھاڑنا حرام فرمایا۔ اس کا شکار حرام فرمایا۔ بقیع کو حرم بنایا۔

یہ دس صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ارشادات ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم بنایا۔ اس کے درخت کاٹنا پتے جھاڑنا۔ اس کی چڑیا پکڑنا حرام فرمایا۔ حرام کرنے کی اسناد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنی اس کی دلیل ہے کہ ان سب کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اختیار تھا کہ جس چیز کو چاہیں حلال فرمادیں، جسے چاہیں حرام فرمادیں۔ اسناد میں اصل حقیقی ہے۔ جب تک کوئی قرینہ صادقہ نہیں جو یہاں منتفی ہے۔ تو ثابت ہوگیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا عقیدہ یہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قانون ساز ہیں۔

۴ —— حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ——

نھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن خاتم الذھب۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔

۵ —— حضرت جیش بن ادریس نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدمت اقدس میں حاضر ہوکر ایک قصیدہ مدحیہ عرض کیا۔ جس میں ہے: ——

بشرعت لنا دین الحنیفة بعد ما عبدنا کامثال الحمیر طواغنا۔	ہمارے لئے دین حنفیہ کی آپ نے تشریع فرمائی اسکے بعد کہ ہم گدھوں کی طرح بتوں کو پوجتے تھے۔

۶ —— امام قدوری فرماتے ہیں: ——

سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الغسل للجمعة والعیدین والاحرام وعرفه۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون فرمایا غسل جمعہ اور عیدین اور احرام اور عرفہ کے دن کا۔

سن کی اسناد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم قانون ساز ہیں۔

۷ —— امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ میزان الشریعة الکبریٰ میں فرماتے ہیں: ——

کان الحق تعالیٰ جعل لہٗ صلی اللہ علیہ وسلم ان یشرع من قبل نفسہ ماشاء۔	اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دے رکھا تھا کہ اپنی طرف جو چاہیں مشروع فرمادیں۔

۸ــــ امام احمد خطیب قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں: ــــــ

من خصائصه صلی اللہ علیه وسلم انه کان یخص من شاء بما شاء من الاحکام۔	سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ ہے کہ شریعت کے احکام میں جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ فرمادیں۔

۹ــــ علامہ زرقانی نے اس کی شرح میں اضافہ فرمایا: ــــــ

من الاحکام وغیرها	احکام کی تخصیص نہیں جس چیز سے چاہیں جسے چاہیں خاص فرمادیں۔

۱۰ــــ علامہ اجل سیوطی قدس سرہٗ نے خصائص کبریٰ میں اس مضمون کا ایک باب منعقد فرمایا:

باب اختصاصه صلی اللہ علیه وسلم بانه یخص من شاء بما شاء من الاحکام۔	اس کا بیان کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس منصب کے ساتھ خاص ہیں کہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔

۱۱ــــ علامہ عبدالباقی زرقانی شرح مواصب میں فرماتے ہیں: ــــــ

قد اشتهر اطلاقه علیه صلی اللہ علیه وسلم لانه شرع الدین والاحکام	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شارع کہنا مشہور ہے اسلئے حضور نے دین اور احکام کی تشریع فرمائی۔

۱۲ــــ قصیدہ بردہ شریف میں ہے: ــــــ

نبینا الامر الناهی فلا احد۔ ابر فی قول لا منه ولا نعم۔	ہمارے نبی آمر اور ناہی ہیں۔ ہاں اور نہیں کہنے میں ان سے زیادہ کوئی سچا نہیں۔

۱۳ــــ علامہ شہاب خفاجی اس شعر کی شرح میں فرماتے ہیں: ــــــ

معنی نبینا الامرالخ انه لا حاکم سواہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فهو حاکم غیر محکوم۔	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آمر ناہی ہونے کے معنی یہ ہیں حضور حاکم ہیں حضور کے سوا عالم میں کوئی حاکم نہیں۔ وہ کسی کے محکوم نہیں

اور آج اس بارے میں امت کا کیا عقیدہ ہے یہ معلوم کرنا ہو تو ترجمانِ ملت مجدد وقت اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا رسالہ مبارکہ منبه اللبیب اور الامن والعلی کا مطالعہ کریں۔

(مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی اعظمی)

بشریت کی روشنی میں

ورودِ انبیاء کا حقیقی پس منظر

سرزمین گیتی پر ورودِ انبیاء کی کیوں ضرورت پیش آئی ؟ پروردگار حقیقی نے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کے اس تسلسل کو کیوں جاری رکھا یا اس کی بنیادی حکمت ومصلحت کیا تھی؟ اس کی حقیقت اور حقیقت کا پس منظر جب تک ذہن نشین نہ کرلیا جائے ان اعتراضات کا رد ناممکن ہو جائے گا جو کفار عرب اور کفار انطاکیہ کیا کرتے تھے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ کفر والحاد کا بھیانک بازار ہر زمانے میں گرم رہا ہے لوگ خداوند قدوس کی حقانیت سے یکسر بے نیاز وغافل تھے جس شے پر بھی عقیدہ جما دیتے اس کی پوجا شروع کر دیتے۔ یہی ان کا نصب العین بن کر رہ گیا تھا گو آدم علیہ السلام کے عہد میں ان کیفیات شکستہ کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں رہا جس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ آدم علیہ السلام کے دور میں انسانی آبادی بہت ہی مختصر تھی اور دنیا کی دنیاوی لذتیں پوری طرح منکشف بھی نہ ہو سکی تھیں اس بنا پر گمراہیوں کو پنپنے کے کم مواقع ملے ورنہ جیسا کہ بعد کے زمانوں میں یہ غیر منظم نقشہ دیکھا گیا ایام آغاز میں بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پیغمبر اولین کے دور میں تبلیغ ودعوت سے متعلق وہ امتحانات بھی نہیں لئے گئے۔ تاہم وحی الٰہی کے ذریعہ آدم علیہ السلام اپنی اور اپنے قبیلے کی اصلاح ضرور فرماتے رہے تھے مگر تنہا نہیں سرگرمیوں کی مکمل فضا نہیں قائم ہو سکی تھی۔ چنانچہ جب آدم علیہ السلام کا زمانہ ختم ہوا اور انسانوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہونے لگا تو بے دینی کے شعلے بھی اسی قدر بھڑکنا شروع ہو گئے۔ اور نتیجہ کے طور پر ہر چہار سو کفر والحاد کے بے تحاشا بادل چھانے لگے۔ ظاہر ہے جہاں اللہ کا کوئی حق شناس بندہ نہ ہوگا اس ماحول کی اور کیا صورت حال ہو سکتی تھی۔ خدائے تعالیٰ

کے پیشِ نظر یہ تمام ماحولِ شکستہ موجود تھے اس کی غیرت کو کب برداشت ہو سکتا تھا کہ ہمارے بندے گمراہی کی سیاہ طوق لٹکائے پھریں اور ہماری ربوبیت سے غافل و بے خبر رہ جائیں لہٰذا اس نے انسانی رشد و ہدایت کی خاطر باقاعدہ طور سے یعنی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے ورودِ انبیاء فرمانا شروع کر دیا اور وہ بھی اسی بشری کیفیت و ہیئت کے ساتھ جس طرح کہ ایک عام انسان کی کیفیت و ہیئت ہوا کرتی ہے اس کا بنیادی مفاد بھی یہی تھا کہ عوام اُپنے فطری انداز و مزاج کی روشنی میں انبیاء کرام کی صداقت کو آسانی سے تسلیم کر سکیں ورنہ دوسری کیفیت و ہیئت کے تحت ممکن ہو سکتا تھا کہ فطری مزاج و مذاق یا فطری نضائل قبول کرنے سے عاجز رہ جاتے یا خود کو عاجز قرار دیتے اس کی وضاحت آگے آ رہی ہے چنانچہ ورودِ انبیاء کے باوجود بھی کفر و ضلالت میں کوئی کمی نہ آئی بلکہ طرح طرح کے بے بنیاد الزامات انبیاء اکرام پر ہمیشہ عائد کرتے رہے یہی سلسلہ عہدِ محمدی تک جاری رہا۔

ورودِ انبیاء کے سلسلے میں اس نوعیت کے اختراع کو آفرینیوں کی کیفیت و ہیئت یا ان کے حالاتِ زندگی کے متعدد شعبے عام انسانوں کے ہم مثل کیونکر ہو سکتے ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ قطعِ گمرہی کے لئے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی تخلیق کچھ ایسی انفرادیت یا فوق البشر ہستی کی صورت میں کی جاتی جو بشری مشابہت یا انسانی حواس کے قطعی مختلف ہوتی۔ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جس طرح ایک عام انسان کھاتا پیتا ہے اور ہنستا بولتا ہے یہی طریقہ خدا کے نبیوں کے ساتھ بھی کیسے منسلک ہو سکتا ہے کم از کم نبیوں کو تو ایسی خاص انفرادیت کی روشنی میں جینا چاہیئے تھا جو عوامی نقل و حرکت سے بہرحال ممتاز ہوتی — اس قسم کی کفری ذہنیت بارہا وجود میں آئی خصوصاً قرونِ انبیاء میں اس کا دائرہ بے حد وسیع تھا قرآن حکیم میں اس کی مثالیں بھی موجود ہیں لیکن لمحۂ فکر یہ ہے کہ آیا بشری مشابہت کو قائم رکھتے ہوئے اس کے زیرِ اثر ورودِ انبیاء میں وہ کون کون سی روحانی مصلحتیں مضمر ہیں جن سے صداقت کا پتہ چلتا ہے یہ جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی اور اگر کی بھی گئی تو ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوئی کیونکہ وہاں اصل معاملہ تو یہ بھی تھا کہ جب ہمارے آباؤ اجداد نے ایسے ہم مثل انسانوں کی فکر نہیں کی تو ہم لوگوں کو کیا پڑی ہے۔

قرونِ اولیٰ سے لے کر عہدِ محمدی تک یہی کیفیت جاری رہی حتیٰ کہ ابوجہل تک بھی اُپنے

خاندانی عقیدے کی بنیاد پر مرا (ویسے عہدِ محمدی میں اسلام کو جس قدر بھرپور تقویت پہونچی ہے کسی دور میں نہیں پہونچی) لیکن یہاں پر ہمارا مقصد اس زمانے سے ہے جس زمانہ میں لوگ عموماً انبیاء کرام پر بہتان لگایا کرتے تھے اور اپنی جیسی مثال دے کر اپنا ہی قد اونچا کرنے کی فکر میں لگے رہا کرتے تھے — مثلاً

قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ۔

هود پ۱۲

(پیغمبروں کی تقریر سن کر اہلِ انطاکیہ بولے) کہ تم (اور کچھ) نہیں مگر ہماری طرح کے آدمی ہو اور خدا نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی تم محض جھوٹ بولتے ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام کے بارے میں

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ۔

وہ (لوگ) کہنے لگے اے ہود تو کوئی نشانی ہمارے پاس نہیں لایا (جس کو ہم تجھ کو سچا سمجھیں) اور ہم تو تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تیری بات ماننے والے ہیں ہم تو بس یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود کی تجھ پر مار پڑ گئی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ۔

(جب حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو دعوتِ حق دینے لگے تو قوم کے سردار اپنی قوم سے کہنے لگے یہ ہے کیا؟ تم جیسا ایک آدمی ہے بس اس کا مطلب یہ ہے (کسی طرح) ہمارا بڑا بن جائے اور اگر (واقعی) اللہ تعالیٰ (کسی کو پیغمبر بنا کر) بھیجنا چاہتا تو فرشتے اتارتا ہم تو ایسی بات اپنے اگلے آباؤ اجداد سے بھی نہیں سنی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ـــــــــ

قَالُوْا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِکُمْ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَھُوا لَنَرْجُمَنَّکُمْ وَلَیَمَسَّنَّکُمْ مِنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ..

پ۲۲ رکوع ۱۹

(اہل کفر) بولے ہم نے تمھیں نامبارک پایا اگر تم (وعظ و نصیحت سے) باز نہ آؤ گے تو ہم تمھیں سنگسار کردیں گے اور تم کو ہماری طرف سے دردناک تکلیف پہونچے گی۔

اسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بارے میں فرعون نے بھی طرح طرح کے الزامات عائد کئے تھے اور آخر کار ہمارے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک کو بھی کاہن، مجنون اور جادوگر بنایا اور جھٹلایا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس دور میں ایسا کون سا جذبہ کام کرنے پر مجبور تھا اور ایسی کون سی ذہنیت پروان چڑھتی جارہی تھی جو بہانگ دہل پیغمبروں کی خلاف ورزی کرنے پر آمادہ تھی۔ دعوتِ حق پر ایمان نہ لانا تو ایک الگ بات ہوئی مگر خدا کے پیغمبر ہونے تک کو جھٹلا دینا وہ بھی محض اس بنیاد پر کہ اپنے آپ کو خدا کا پیغمبر ثابت کرنے والی مخلوق بشری شکل میں کیسے ہوسکتی ہے واقعی مضحکہ خیز ہے کافروں کے اسی جذبہ کی روشنی میں مفسرین رقمطراز ہیں کہ ۶۱۷ء تک عام طور پر بت پرستوں کا یہی عقیدہ رہا کہ انسان خدا کا رسول یا نائب خدا ہرگز نہیں بن سکتا۔ اصلاح کائنات کے لئے جب کبھی ضرورت ہوتی ہے تو خدا خود انسان کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے یا کسی فرشتے کو بھیج دیتا ہے اور یہ کہ جتنے بھی بزرگ دنیا میں اصلاح کے لئے آئے ہیں وہ سب کے سب فوق البشر ہستی تھے اسی عقیدہ کے تحت وہ پیغمبران خدا کی تکذیب کیا کرتے تھے۔ ان کا یہ ذہنی عمل تھا کہ جب کبھی اللہ کا کوئی مقدس بندہ لوگوں کو پیغام حق سنانے آتا تو سب سے پہلے وہ یہی سوال کرتے کہ آخر یہ کیسا نبی ہے جو ہماری طرح کھاتا پیتا سوتا اور چلتا پھرتا ہے اور یہ کیسا پیغمبر ہے کہ ہماری طرح اسے بھی عارضے لاحق ہوتے ہیں۔ بیمار ہوتا ہے۔ تکلیف وراحت میں مبتلا ہوتا ہے اور رنج و مسرت میں بھی مزے لیتا ہے۔ اگر خدا کو ہماری ہدایت مقصود ہوتی تو وہ ہم جیسا ایک کمزور انسان کیوں بھیجتا۔ کیا خدا خود نہیں آسکتا تھا؟ یا وہ کسی فوق البشر ہستی کو نہیں بھیج سکتا تھا۔

یہاں پر دو اہم اعتراضات جو پیغمبروں کی ہم مثلی اور نزولِ فرشتگان سے متعلق ہیں ان کی توضیح یوں ملاحظہ فرمائیے — پہلے تو مفلوج ذہنیت والوں کو یہ سوچنا چاہیئے تھا کہ ایک بشری ہیئت والے پیغمبر کا قول و فعل اور اس کا طریقۂ عمل جس کا صدور عام انسانوں کی صحبتوں میں رہتے ہوئے ہوتا رہا اس کو جس شہری فطرت کی روشنی میں پرکھا سمجھا جا سکتا تھا۔ کیا فوق البشر ہستی کے ہر پہلو کو اسی انداز کے ساتھ سمجھا جانا ممکن ہو سکتا تھا۔ مثال کے طور پر اگر پیغمبروں کی بجائے فرشتگانِ خدا ہی کا نزول ہوا کرتا تو ان پر ایمان لانے یا ان کو اچھی طرح پرکھنے سمجھنے کے لئے کیا صورت ہو سکتی تھی؟ جبکہ وہ جسمانیت اور اکل و شرب سے قطعی طور پر بے نیاز ہیں اس کے علاوہ وہ نظروں سے پوشیدہ بھی رہتے ہیں اور اگر مانا اجنبی شہری کیفیت میں زندہ رہنے کی طاقت دے بھی جاتی تو پھر یہ اعتراض بھی مہمل رہ جاتا ہے کہ وہ انسانوں سے پوشیدہ کیوں ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ایسی گمراہ ذہنیت کے پیشِ نظر فرشتوں کی امتیازی شان کا کایا ہی پلٹ کر رکھ دیا جاتا (نعوذ باللہ) اس کے علاوہ دوسرے رُخ سے یہ بھی سوچنا پڑتا ہے کہ صداقت کے عملی کارنامے کس قدر خطرے میں پڑ جاتے اور پھر یہ غیر ممکن تھا کہ فرشتے بھی ان کے الزامات و اعتراضات سے محفوظ رہ جاتے۔ مثلاً جب ابراہیم علیہ السلام کو آتش کدہ نمرود میں ڈالا جا رہا تھا تو انہیں چاہیئے تھا کہ آگ سے بچنے کے لئے پوشیدہ ہو جاتے مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ انہیں آگ میں ڈالا لیکن آگ خود سرد پڑ جاتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام صاف بچ جاتے ہیں۔ اب اگر ایسے نازک موقع پر وہ ملکی اوصاف کے تحت پوشیدہ ہو جاتے تو ظاہر ہے حقانیت بے دلیل رہ جاتی چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس ایک واقعہ سے صداقت کا والہانہ طور سے انکشاف ہو جاتا ہے کہ انسانی شکل میں ہونے کے باوجود آتشِ نمرود کچھ نہ بگاڑ سکی۔ کیا برحق ہونے کی یہ بے نظیر مثال نہیں کہ ہم مثلی انگشت بدنداں ہو کر رہ گئی پھر آخر فرشتوں کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے ظاہر ہے اگر پیغمبر ملکی صورت میں ہوتے تو اس نازک موقعہ پر قطعی الزام عائد ہو جاتا جب ابراہیم علیہ السلام اپنے آگ میں ڈالے جانے سے پوشیدہ ہو جاتے۔ واضح ہوا کہ جتنا فائدہ بشری انداز سے پہونچ سکتا تھا اتنا فوق البشر ہستی سے نہیں پہونچ سکتا تھا۔ اس سلسلے میں خداوند قدوس خود ارشاد فرماتا ہے کہ انسان کی ہدایت کے لئے انسان ہی زیادہ موزوں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ پیغمبر کا فرض صرف یہی نہیں کہ وہ تقریر کرے بلکہ خود

عمل کر کے دکھانا اور پیروی کے لئے ایک نمونہ پیش کرنا بھی اس کے فرائض میں داخل ہے۔ اور اگر اسی مقصد کے لئے کوئی فرشتہ بھیجا جائے (جس میں بشری خصوصیات موجود نہ ہوں) تو انسان کہہ سکتا ہے کہ ہم اس کی طرح کیونکر عمل کر سکتے ہیں جبکہ وہ ہماری طرح نفس اور نفسانی خواہشات ہی نہیں رکھتا اور اس کی فطرت میں وہ قوتیں ہی نہیں ہیں جو انسان کو گناہ کی طرف راغب کرتی ہیں۔ چنانچہ اسی لئے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے انسانوں کی اصلاح کے لئے انسان ہی کو منصب ہدایت پر سرفراز کیا لیکن کفار چونکہ عقل سلیم سے کام ہی نہیں لیتے اس لئے اعتراضات کیا کرتے ہیں۔

اس حقیقت کی روشنی میں بات کلی طور سے سمجھ میں آتی ہے کہ ایک انسان جس طرح اپنے ہی جیسے کی بات قبول کر سکتا ہے یا کوئی پیغمبر جس قدر اپنے بشری کارناموں اور عملی سرگرمیوں کے تحت متاثر کر کے صداقت کا پرچار کر سکتا تھا دوسری کوئی بھی صورت اس سلسلے میں موزوں نہیں ہو سکتی تھی لہٰذا دنیا کی ہدایت کے لئے ورود انبیاء ہی کا تسلسل برحق تھا اور بشری فطرت کے عین مطابق جس کے ہر زاویے پر سر جھکا دینا مقتضاء ایمان ہے مگر اس کو کیا کیجئے کہ پیغمبروں کی ہزار رشد و ہدایت کے باوجود بھی کفر و الحاد کا طوق لٹکائے پھرے اور ایمان نہ لائے۔



(مولانا سید شمیم احمد صاحب گوہر الٰہ آبادی)

ختم نبوّت

موجودہ دور میں جتنے فتنوں نے جنم لیا ہے ان میں عظیم فتنہ نئی نبوت کا ہے جس کا دروازہ دیوبند میں کھلا اور ڈرامہ قادیان میں اسٹیج کیا گیا۔ ملتِ اسلامیہ کا کتنا المناک سانحہ ہے کہ جس فتنہ کو اپنی موت مر جانا چاہیئے وہ پروان چڑھتا رہا۔ پھلتا پھولتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک زندہ تحریک کا روپ دھار لیا۔ یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ مسلمان اپنے مذہب سے بیگانہ اور دین سے ناآشنا ہیں۔ بیگانگی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی یہ فتنہ اپنی تمام ترتوانائیوں کے ساتھ زندہ ہے اور قرآن وسنّت کے نام پر الحاد و بے دینی کا زہر دے رہا ہے اور وہ طبقہ جس نے دین مغرب سے لیا ہے اس زہر کو شیریں گھونٹ سمجھ کر حلق سے نیچے اتارتا جا رہا ہے یہ سمجھے بغیر کہ ایمان کو زندگی مل رہی ہے یا اسے موت سے قریب کیا جا رہا ہے ——

وقت کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ دینی فکر وشعور رسول وصحابہ کے اُسوہ سے نہیں مغربی ذہنوں سے حاصل کیا جا رہا ہے اور عقیدہ قرآن وسنّت سے نہیں لیا جاتا بلکہ اپنے اپنے عقیدہ اور ذہن وفکر کے مطابق قرآن وسنّت کو ڈھالا جا رہا ہے۔ نادان یہ بھی نہیں جانتے کہ دین مغرب میں نہیں رسول کی سیرت میں ملتا ہے اور عقیدہ ذہنی پیداوار نہیں بلکہ وحی الٰہی کا نقش ثابت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء سلف نے (خدا ان کی قبروں پر رحمت و نور کی بارش برسائے) دین و مذہب کا پاکیزہ شعور پیدا کرنے کے لئے اصولِ تفسیر کی ترتیب دی تاکہ قرآنی آیات تفسیر وتاویل کی موشگافیوں سے محفوظ رہیں۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

"تفسیر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے ہو کیونکہ قرآن میں اگر کسی جگہ اجمال ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل موجود ہے اگر قرآن میں تفسیر نہ پائی جا

سکے تو سنت رسول سے ، بائے اس لئے کہ سنت قرآن کا بیان اور اس کی تفسیر ہے امام شافعی فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام قرآن سے سمجھے ہوئے ہیں ـــ اور جب کسی آیت کی تفسیر قرآن وسنت میں نہ مل سکے تو صحابہ کرام کے اقوال کی جانب رجوع کرنا چاہیئے وہ قرآن کی بہتر تفسیر جانتے تھے چونکہ نزول آیات کے وقت جو قرائن اور حالات تھے ان سے وہ باخبر تھے اور انہیں کامل سوجھ بوجھ، علم صحیح اور نیک عمل حاصل تھا خصوصًا ان کو جو گروہ صحابہ میں ذی مرتبت اور زبردست عالم تھے جیسے خلفاء اربعہ، آئمہ مہتدین اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم ـــ اور جب کسی آیت کی تفسیر قرآن وسنت اور اقوال صحابہ میں بھی نہ مل سکے تو تابعین عظام کے اقوال لئے جائیں"

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۳،۴)

اور علامہ سیوطی ابن تیمیہ کا قول معتمد ہونے کی بنا پر نقل فرماتے ہیں: ـــــ

"جو شخص صحابہ اور تابعین کے مذہب اور ان کی تفسیر سے عدول کر کے کوئی دوسرا قول اختیار کرے وہ خاطی بلکہ متبدع ہے اس لئے کہ صحابہ قرآن کی مراد اور اس کی تفسیر ویسے ہی جانتے تھے جیسا کہ وہ اس دین حق کو جانتے تھے جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا ہے" (القان ج ۲ ص۱۷۸)

علامہ نسفی اور علامہ تفتازانی فرماتے ہیں: ـــــ

"آیات ظاہر معنی پر رکھے جائیں ظاہر معنی سے ا، ، معنی کی جانب عدول جس کا فرقہ باطنیہ دعویٰ کرتے ہیں الحاد و بیدینی ہے" (شرح عقائد ص۱۱۵)

یہ سارے حوالہ جات صرف اس لئے دیئے گئے کہ پہلی صدی سے لے کر موجودہ صدی تک کے تمام فتنوں کے بارے میں آسانی سے فیصلہ کیا جا سکے کہ یہ سارے فتنے انھیں اصول وضابطے سے فرار کا نتیجہ ہیں

موجودہ صدی میں انکار ختم نبوت کا فتنہ بھی سلف بیزاری مغرب نوازی اور جدت پسندی کی پیداوار ہے ختم نبوت کی نص صریح مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ

وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖن کے ظاہری معنی کو نظر انداز کر کے مختلف معنی پیدا کئے گئے اور طرح طرح کی موشگافیاں کی گئیں اور اس طرح اُمّت میں افتراق و انتشار کا دروازہ کھول دیا گیا۔

آیت کی مراد معنی اور صحیح تفسیر جاننے سے پہلے شان نزول اور آیت کے جملوں میں مناسبت ذہن نشین ہو جائے تو بہتر ہے۔

شان نزول عرب میں متبنّٰی (منہ بولے بیٹے) کو نسبی بیٹے کی حیثیت حاصل تھی بیٹے کی منکوحہ کی طرح متبنّٰی کی منکوحہ سے بھی نکاح حرام سمجھتے تھے جب رحمت عالم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے اپنے متبنّٰی حضرت زید بن حارثہ کی منکوحہ سے نکاح فرمایا تو کفار و مشرکینِ عرب طعن و تشنیع اور اعتراضات کا طوفان اٹھانے لگے کہ محمد صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے منہ بولے بیٹے کی منکوحہ کو نکاح میں لے لیا۔ اللّٰہ تعالیٰ نے عرب کے اس جاہلانہ اور معاندانہ اعتراض کا جواب ارشاد فرمایا:—

"محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللّٰہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔"

یہاں ذہن کو ایک جھٹکا لگتا ہے کہ سرکار نے متعدد مقامات پر حسنین کریمین کو اپنا بیٹا فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ حضور کے حقیقی فرزند حضرت طاہر، طیب، قاسم اور ابراہیم تھے پھر آیت میں یہ فرمانا کہ — "محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں" — کیا معنی رکھتا ہے اس ذہنی الجھن کو یوں دُور کیا گیا ہے ——

والمراد من رجالکم البالغین والحسن والحسین لم یکونا بالغین حینئذ والطاھر والطیب والقاسم وابراھیم توفوا صبیانا مدارک ج ۳ ص ۳۰۵	رجالکم سے مراد بالغین ہیں اور حضرات حسنین نزول آیت کے وقت بالغ نہیں تھے اور طاہر طیب قاسم ابراہیم بچپن ہی میں وفات پا چکے تھے۔

تاریخی شواہد سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نزول آیت کے وقت حضرت طاہر طیب قاسم باحیات نہیں تھے اور حضرت ابراہیم اس وقت تک پیدا نہیں ہوئے تھے۔

آیت کے جملوں میں مناسبت آئمہ تفسیر نے متعدد طریقوں سے جملوں میں مناسبت

بتائی ہے۔

امام رازیؒ[1] فرماتے ہیں:

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّن رِّجَالِکُم فرمانے سے ہر قسم کی ابوت اور شفقت و محبت کی نفی کا شبہ پیدا ہوتا تھا اس لئے شبہ کے ازالہ کے لئے ارشاد فرمایا گیا وَلٰکِن رَّسُولَ اللہِ یعنی روحانی طور پر تمہارے باپ ہیں جس طرح باپ شفیق و ناصح واجب التعظیم اور لازم الاطاعت ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ تم پر شفیق و مہربان اور تمہارے لئے واجب التعظیم ہیں بلکہ باپ سے بھی زیادہ یہ اوصاف ان میں پائے جاتے ہیں پھر فرمایا گیا وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ اور یہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] (حاشیہ) آیت میں ربط و تعلق اور مناسبت سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے مولانا قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں بھی نبوت بالذات، نبوت بالعرض اور ختم ذاتی و زمانی کی شاخیں نکالی ہیں اور پوری امت کے خلاف خاتم النبیین کا معنی ختم زمانی کے بجائے ختم ذاتی لیا ہے ملاحظہ ہو:

"سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر ذاتی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں وَلٰکِن رَّسُولَ اللہِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے —— چند سطر بعد —— باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا اس لئے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل کو جھوٹے دعویٰ کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے پر جملہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم اور جملہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں اگر سد باب مذکور منظور ہی تھا تو اس کے لئے اور بیسیوں مواقع تھے بلکہ بنائے خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہو جاتی ہے۔"

(تحذیر الناس ص ۳، ۴ مطبوعہ کوہ نور پریس دہلی)

اور پوری امت سے الگ راستہ نکالنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جناب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کے آنے میں کوئی شرعی قباحت محسوس نہیں ہوئی۔ لکھتے ہیں: —— "بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا" (تحذیر الناس ص ۲۵)

امت پر فتنہ کا دروازہ کھولنے کے باوجود نانوتوی صاحب اپنے اختراعی معنی کی صحت پر کس قدر

✲

تو سراپا شفقت و رحمت ہیں اس لئے کہ یہ آخری نبی ہیں جن کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں اور ایسے نبی امت پر بہت شفیق ہوتے ہیں کیونکہ ان کی مثال اس باپ کی طرح ہوتی ہے جو یہ جانتا ہے کہ اس کے بعد اس کی اولاد کا کوئی مربی یا اتالیق نہیں ہے۔" (ایسے باپ کے دل میں شفقت و محبت کی جو دنیا آباد ہوتی ہے وہ سب پر ظاہر ہے) — (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۲۸)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں: —

"محمد تم مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور ہر رسول طرح رحمت و شفقت اور آداب و حقوق میں اپنی امت کے باپ ہیں مگر حقیقی باپ نہیں اس لئے کہ اگر ان کا کوئی حقیقی بالغ لڑکا ہو تو یہ آخری نبی نہ ہوں بلکہ ان کے بعد ان کے فرزند کو نبوت ملے حالانکہ یہ آخری نبی ہیں۔" (کشاف ج ۳ ص ۲۶۴)

بعینہ یہی مفہوم تفسیر ابوالسعود اور تفسیر صادی میں بھی ہے کشاف کے الفاظ یہ ہیں: —

(خاتم النبیین) یعنی انه لو کان له ولد بالغ مبلغ الرجال لکان نبیا ولم یکن هو خاتم النبیین —

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیٹا ماننے پر یہ کیوں ضروری ہے کہ ان کا (سرکار کے بیٹے کا) منصب منصب نبوت مانا جائے جبکہ بہت سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کو نبوت تو نبوت ایمان تک نصیب نہ ہوا جیسا کہ قرآن کریم خود شاہد ہے۔ اس کے جواب میں علامہ صادی فرماتے ہیں: —

"اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کی اولاد کو نبوت دے کر ان کی عزت افزائی فرمائی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور ہمارے رسول تو سب رسولوں میں اکرم و

٭ (بقیہ حاشیہ)

شادان و فرحاں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

اگر بوجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہونچا تو ان کی شان میں کیا نقصان اور کسی نادان نے کوئی ٹھکانے کی بات کہہ دی تو کیا اتنی بات سے وہ عظیم الشان ہوگیا ؎

گاہ باشد کہ کودکے ناداں — بغلط بر ہدف زند تیرے

(تحذیر الناس ص ۲۶)

افضل ہیں اس لئے اگر آپ کی اولاد (نرینہ) ہوتی تو آپ کی عزت افزائی کے لئے انھیں ضرور نبوت دی جاتی کیونکہ آپ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری کے مصداق ہیں"۔ —— (صاوی ج ۳ ص ۲۳۲)

علامہ صاوی نے یہ جواب صرف عقیدت و محبت میں ڈوب کر نہیں دیا ہے بلکہ اس کی تائید و توثیق میں اجلۂ صحابہ کے اقوال و آثار موجود ہیں۔

راس المفسرین حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: ——

یرید لو لم اختم به النبیین لجعلت له ابنا یکون بعده نبیا۔ (خازن ج ۳ ص ۴۹۵)	(اللہ تعالیٰ کے فرمان خاتم النبیین سے) مراد یہ ہے کہ اگر میں ان پر نبوت ختم نہ کرتا تو ان کو بیٹا عطا کرتا جو بعد میں نبی ہوتے۔

حضرت ابن عباس کا دوسرا فرمان خازن میں اسی جگہ ہے: ——

ان اللہ لما حکم ان لا نبی بعدہٗ لم یعطہٗ ولدا ذکرا یصیر رجلا	اللہ تعالیٰ نے جب مقدر فرما دیا کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں تو انھیں کوئی بیٹا جو مرد کہا جا سکے عطا نہ فرمایا۔

حضرت ابن ابی اوفی کا فرمان بخاری شریف میں ہے: ——

لو قدر ان یکون بعدہ نبی لعاش ابراهیم۔	اگر حضور کے بعد نبی ہونا مقدر ہوتا تو حضرت ابراہیم (فرزند رسول) زندہ رہتے۔

حضرت انس صحابئ رسول سے سدی نے پوچھا حضرت ابراہیم فرزند رسول کی عمر وفات کے وقت کیا تھی آپ نے جواب میں فرمایا ——

ما ملأ مهده ولو بقی لکان نبیا لکن لم یبق لان نبیکم آخر الانبیاء (تلخیص التاریخ لابن عساکر ج ۱ ص ۲۹۴)	وہ گہوارہ کی مدت بھی پوری نہ کر سکے (بچپن ہی میں وفات پا گئے) اگر زندہ رہتے نبی ہوتے لیکن زندہ نہیں رہے اسلئے سرکار آخری نبی ہیں۔

بعضوں نے آیت کے جملوں میں یوں مناسبت بتائی ہے ——

"کفار و مشرکین عرب کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ حضور نے اپنے بیٹے کی منکوحہ کو نکاح میں

لیا ہے — اِس کے جواب میں فرمایا گیا " محمد تم مردوں میں کسی کے باپ نہیں " — دوسرا اعتراض یہ تھا کہ حقیقی بیٹے کی منکوحہ نہ سہی منہ بولے بیٹے ہی کی سہی مگر اس سے نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی — اس کے جواب میں فرمایا گیا ولٰکن رسول اللہ ہاں اللہ کے رسول ہیں جن کے فرائض میں ہے کہ وہ حلال چیز جس کو سماج کی بندشوں نے حرام کر رکھا ہے اسے رسم ورواج کی بیجا جکڑبندیوں سے آزاد کرائیں اُور اس کی حلت خوب اچھی طرح ثابت کر دیں تاکہ اس کے جواز و حلت میں شک وشبہ کی گنجائش بھی باقی نہ رہے پھر تاکیداً فرمایا وخاتم النبیین اُور سب نبیوں میں پچھلے نبی ہیں یعنی ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے جو معاشرہ کی جاہلیت اُور بُرائیوں کو دُور کر سکے اس لئے اُور شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ عملاً اس جاہلانہ رسم کو مٹا کر جائیں تاکہ امت میں منہ بولے بیٹے کی منکوحہ سے نکاح کرنے میں نفرت باقی نہ رہے ؛"

خاتم کے لغوی معنیٰ عام گفتگو بھی صرف لغت سے نہیں سمجھی جا سکتی جب تک کہ متکلم، مخاطب اُور گفتگو کا پس منظر ذہن میں نہ ہو تو قرآن جو عقائد و مسائل اُور شریعت کی بنیاد ہے اُسے کیسے سمجھا جا سکتا ہے پھر بھی چند حوالے دیئے جا رہے ہیں تاکہ ذہن کا یہ بوجھ بھی ہلکا ہو جائے۔ مفردات راغب لغات قرآن میں ایک وقیع تصنیف ہے خاتم النبیین سے متعلق اس کے الفاظ یہ ہیں : —

(وخاتم النبیین) لانہ ختم النبوۃ ای تممھا بجیئہ (مفردات راغب صـ۱۴۲)	خاتم النبیین ہیں اس لئے کہ حضور نے نبوت ختم کر دی، یعنی آپ نے اپنی تشریف آوری سے نبوت تمام کر دی۔

اسی طرح نزھۃ القلوب لغات قرآن میں اہم تصنیف ہے اس میں ہے : —

قولہ (خاتم النبیین) آخر النبیین	خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہے۔

— (نزہۃ القلوب برحاشیہ تبصیر الرحمٰن صـ۲۴۱) —

مجمع البحار لغات حدیث میں نہایت جامع کتاب ہے اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں : —

خاتم النبوۃ بکسر التاء ای فاعل الختم وھو الاتمام وبفتحھا بمعنی الطابع۔	خاتم نبوت (تا کے زیر کے ساتھ) ختم کرنیوالا تمام کرنیوالا اور تا کے زبر کے ساتھ بمعنی مہر

ای شئُ یدل علی انہ لانبی بعدہ	(دونوں ہی صورت) خاتم النبوۃ وہ ذات ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔

قاموس میں ہے :——

والخاتم آخرُ القوم کالخاتم ومنہ قولہ تعالیٰ وخاتم النبیین آخرھم۔	اور خاتم (تا کے زبر کے ساتھ) قوم کے سب سے آخری آدمی کو کہا جاتا ہے جیساکہ خاتم (تا کے زبر کے ساتھ) کے معنی ہیں اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان وخاتم النبیین ہے یعنی حضور سب نبیوں میں آخری نبی ہیں۔

اور قاموس کی شرح تاج العروس میں ہے :——

ومن اسمائہ علیہ السلام الخاتم والخاتم وھو الذی ختم النبوۃ بمجیئہ	اور سرکار کے اسمار گرامی میں خاتم اور خاتَم بھی ہے اور اس کے معنی ہیں وہ ذات جن کی جلوہ فرمائی نے نبوت ختم کردی۔

ختم نبوت سے متعلق احادیث

ختم نبوت سے متعلق سرکار کے تمام اقوال کو حیطۂ تحریر میں لانے کی صلاحیت مجھ میں نہیں۔ چند احادیث لکھے جارہا ہوں تفصیل کے لئے سیدنا سرکار اعلحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی تصنیف جزاء اللہ عدوہ باباءہ ختم النبوۃ کا مطالعہ کریں :——

پہلی حدیث :——

" سرکار نے ارشاد فرمایا میری اور دوسرے انبیار کی مثال اس عمارت کی سی ہے جو نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب ہو لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہو جو لوگ اس کے اردگرد گھومتے ہوں اور عمارت کی خوبصورتی اور حسن پر خوش ہوتے ہوں لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی دیکھ کر حیرت زدہ ہوں تو میں اس اینٹ کی جگہ پُر کرنے والا ہوں اور اس عمارت (نبوت کی عمارت) کو تمام کرنیوالا ہوں اور میں ہی آخری نبی ہوں اور ایک روایت میں ہے تو میں ہی وہ اینٹ ہوں اور نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنیوالا ہوں۔" (رواہ البخاری ومسلم) مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین ص۵۱۱

دوسری حدیث:

"سرکار نے فرمایا میرے بہت سے نام ہیں میں محمد ہوں احمد ہوں ماحی ہوں یعنی مجھ سے خداوند قدوس کفر کو مٹاتا ہے میں حاشر ہوں یعنی قیامت کے دن لوگ میرے قدموں میں جمع کئے جائیں گے میں عاقب ہوں اور عاقب وہ نبی جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو"

(رواہ البخاری و مسلم) مشکوٰۃ شریف باب اسماء النبی و صفاتہ ص۵۱۵

تیسری حدیث:

کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی و انہ لا نبی بعدی وستکون خلفاء فتکثر (بخاری ج ۱ ص۴۹۱) (مسلم ج ۲ ص۱۲۶)

بنی اسرائیل کی سیاست خود ان کے انبیاء فرمایا کرتے تھے جب کسی نبی کی وفات ہو جاتی تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہوتا ہے لیکن میرے بعد نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔

چوتھی حدیث:

انی عند اللہ مکتوبٌ خاتم النبیین و ان آدم منجدل فی طینتہٖ (شرح السنہ مشکوٰۃ شریف ص۵۱۳)

میں عند اللہ اس وقت آخری نبی لکھا ہوا ہوں جب حضرت آدم اپنی خمیر میں تھے یعنی ان کا سراپا بھی تیار نہ ہوا تھا۔

پانچویں حدیث:

"سرکار نے فرمایا دوسرے انبیاء پر مجھے چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی (یعنی یہ چھ چیزیں میرے علاوہ دوسرے نبی کو نہیں دی گئیں)

(۱) مجھے جوامع کلم دیا گیا۔ (۲) لوگوں کے دلوں میں رُعب ڈال کر میری نصرت فرمائی گئی۔ (۳) مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا۔ (۴) ساری زمین میرے لئے مسجد اور پاک بنائی گئی۔ (۵) جمیع مخلوقات کے لئے میں مبعوث کیا گیا۔ (۶) انبیاء کا سلسلہ مجھ پر ختم کیا گیا۔"

(رواہ مسلم) مشکوٰۃ شریف ص۵۱۲

چھٹی حدیث :

انا قائد المرسلین ولا فخر وانا خاتم النبیین ولا فخر (دارمی) مشکوٰۃ شریف ص۵۱۳

میں رسولوں کا پیشوا ہوں اور اس پر مجھے فخر نہیں اور میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں اور اس پر مجھے فخر نہیں۔

ساتویں حدیث :

ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی۔

بیشک رسالت اور نبوت ختم ہو چکی تو میرے بعد نہ کوئی رسول ہو گا نہ نبی۔

(ترمذی، مسند امام احمد، مستدرک حاکم) جامع صغیر ج۱ ص۶۷)

خاتم النبیین کا معنی تفاسیر کی روشنی میں

وہ آئمہ دین جن کی علمی اور فکری کاوشوں پر علم و فن نازاں ہے ان کی چند توضیحات نذر قرطاس ہیں ان توضیحات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی پوری امت کا اجماعی معنی ہیں۔

امام رازی فرماتے ہیں :

(وکان اللہ بکل شئی علیما) یعنی علمہٗ بکل شئی دخل فیہ ان لا نبی بعدہٗ

اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(کبیر جلد ۶ ص۵۲۸)

صاحب تفسیر ابو السعود فرماتے ہیں :

(وخاتم النبیین) ای کان آخر هم الذی ختموا به وقری بکسر التاء ای کان خاتمهم ویؤیده قراۃ ابن مسعود ولکن نبیا ختم النبیین (ابو السعود علی ہامش الکبیر ج، ص۳۳۹)

یعنی حضور تمام نبیوں میں پچھلے نبی ہیں اور ایک قرأت تا کے زیر کے ساتھ خاتم ہے (جس کے معنی آخر الانبیاء ظاہر ہیں) اور حضرت ابن مسعود کی قرأت ولکن نبیاً ختم النبیین خاتم بکسر التاء ہی کی تائید کرتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ چاہے خاتِم تا کے زیر کے ساتھ پڑھا جائے چاہے خاتَم تا کے زبر کے

ساتھ پڑھا جائے۔ دونوں ہی قرأت کی بنا پر معنی یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں: ——

وخاتم بفتح التاء بمعنى الطابع وبكسرها بمعنى الطابع وفاعل الختم وتقويه قرأة ابن مسعود ولكن نبيا ختم النبيين۔ (کشاف ج ۳ ص ۲۶۴)

اور خاتَم تا کے زبر کے ساتھ بمعنی آلۂ مہر اور تا کے زیر کے ساتھ بمعنی مہر کرنیوالا اور بعد کی قرأت کی تقویت حضرت ابن مسعود کی قرأت ولکن نبیا ختم النبیین سے ہوتی ہے۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: ——

فهذه الاية نص فى انه لانبى بعدهٗ واذا كان لانبى بعده فلا رسول بعده بالطريق الاولى والاحرى لان مقام الرسالة احض من مقام النبوة فان كل رسول نبى ولا ينعكس۔

یہ آیت اس امر پر نص ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں جب نبی نہیں تو رسول کیسے ہو سکتا ہے اس لئے کہ درجۂ رسالت درجۂ نبوت سے خاص ہے۔ ہر رسول نبی ہیں مگر ہر نبی رسول نہیں۔

—— (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۳) ——

علامہ فیروز آبادی صاحب قاموس فرماتے ہیں: ——

(وخاتم النبيين) ختم الله به النبيين قبلهٗ فلا يكون نبى بعده۔ (تنویر المقیاس ص ۲۶۲)

اللہ تعالیٰ نے حضور کو تمام انبیاء سابقہ کا خاتم بنایا تو آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

علامہ علی بن احمد واحدی فرماتے ہیں: ——

(وخاتم النبيين) اى لا نبى بعده

یعنی حضور کے بعد کوئی نبی نہیں۔

—— (الوجیز فی تفسیر القرآن العزیز برحاشیہ مراح لبید ج ۲ ص ۱۸۵) ——

شیخ محمد نووی جاوی فرماتے ہیں: ——

(وخاتم النبيين) اى وكان آخرهم الذين ختموا به۔ (مراح لبید جلد ۲ ص ۱۸۵)

یعنی حضور تمام نبیوں میں آخری نبی ہیں۔

صاحب خازن فرماتے ہیں: ——

(وخاتم النبيين) ختم الله به النبوة

اللہ نے حضور پر نبوت ختم کردی اب ان

فلا نبوة بعده (خازن ج ۳ ص ۴۹۵)

کے بعد کسی کے لئے نبوّت نہیں۔

علامہ عبداللہ نسفی فرماتے ہیں:

(وخاتم النبیین) بفتح التاء عاصم بمعنی الطابع ای آخرهم وغیره بکسر التاء بمعنی الطابع وفاعل الختم ولتقویه قرأة ابن مسعود ولکن نبیا ختم النبیین۔ (مدارک جلد ۳ ص ۳۰۶)

تا کے زبر کے ساتھ عاصم کی قرأت ہے بمعنی آلۂ مہر یعنی آخری نبی اور دوسروں کی قرأت تا کے زیر کے ساتھ ہے بمعنی مہر کرنیوالا اور اس کی تقویت حضرت ابن مسعود کی قرأت ولکن نبیا ختم النبیین سے ہوتی ہے۔

حضرت ملا جیون فرماتے ہیں:

هذه الآیة تدل علی ختم النبوة علی نبینا صریحًا والمقصود انه یفهم من الآیة ختم النبوة علی نبینا علیه السلام

یہ آیت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت کے ختم ہونے کی کھلی دلیل ہے۔ اور آیت کا مقصود و مفہوم یہ ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت ختم ہے۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۶۲۲)

علامہ جلال الدین محلی فرماتے ہیں:

(وکان الله بکل شئی علیما) منه بان لا نبی بعده۔ (جلالین شریف ص ۳۵۵)

اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں۔

اَب اخیر میں گھر کے بھیدی کی بھی ایک شہادت فرمایئے۔ مولوی محمد علی لاہوری[۲] اپنی

(حاشیہ)

[۲] قادیانی جماعت کے نبی مرزا غلام احمد نے اپنی امت کے لئے مختلف تاثرات اپنی کتابوں میں چھوڑے ہیں یہی وجہ ہے کہ مرزا کے مرنے کے بعد اس کی امت تین فرقوں میں بٹ گئی۔ ایک اروپی فرقہ۔ یہ فرقہ مرزا کو تشریعی (صاحب شریعت) نبی مانتا ہے یہ فرقہ اسلام سے براہ راست ٹکرانے کی وجہ سے زندہ نہیں رہ سکا دوسرا فرقہ جو اپنے آپ کو مرزا کا سچا پکا جانشین کہتا ہے اس کی قیادت مرزا کے صاحبزادہ کے ہاتھوں میں ہے یہ فرقہ مرزا کو غیر تشریعی نبی مانتا ہے۔ آج کل یہی فرقہ قادیانی جماعت سے موسوم ہے۔ تیسرا فرقہ لاہوری جماعت کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے سربراہ مولوی محمد علی لاہوری ہیں اس فرقہ کا موقف یہ ہے کہ مرزا مسیح موعود ہیں نبی

باقی اگلے صفحہ پر

مشہور و معروف تالیف تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں :——

"انبیاء علیہم السلام ایک قوم ہیں اور کسی قوم کا خاتَم یا خاتِم ہونا صرف ایک ہی معنی رکھتا ہے یعنی ان میں سے آخری ہونا پس نبیوں کے خاتم کے معنی نبیوں کی مہر نہیں بلکہ آخری نبی ہیں یہاں ان سب احادیث کے نقل کرنے کی گنجائش نہیں جن میں خاتم النبیین کی تشریح کی گئی ہے یا جن میں آنحضرت صلعم کے بعد نبی نہ آنا بیان کیا گیا ہے اور یہ احادیث متواترہ ہیں جو صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہیں اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبی نہیں——

چند سطر بعد —— اس قدر زبردست شہادت کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کا آنحضرت صلعم کے آخری نبی ہونے سے انکار کرنا بینات اور اصول دینی سے انکار ہے۔" (بیان القرآن جلد سوم ص ۱۵۱۵، ص ۱۵۱۶ تفسیری ص ۲۶۵۹)

منکرین ختم نبوّت کے شکوک وشبہات

نئی نبوت کے پرچار کرنے والے مختلف شکوک وشبہات سے ذہنوں کو ہموار کرتے ہیں ان میں دو شبہے جو منکرین کے نزدیک نہایت اہم ہیں وہ پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ ان کے شبہات کی حقیقت کھل جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں وزن کتنا ہے؟

ان کا سب سے اہم شبہ یہ ہے کہ حضور کو آخری نبی تسلیم کر لینے سے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا آخری زمانہ میں نزول صحیح نہ مانا جائے جو بالاتفاق نبی ہیں حالانکہ کثرت سے احادیث ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسٰی علیہ السلام

(بقیہ حاشیہ ص)

نبی نہیں۔ مرزا نے کہیں بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا ہے جہاں کہیں نبوت وغیرہ کے الفاظ ملتے ہیں وہاں اصطلاحی معنی نہیں بلکہ مجاز و استعارہ اور صوفیانہ اصطلاحات مراد ہیں۔ مولوی محمد علی نے قرآن شریف کی تفسیر پہلے انگریزی میں ترجمۃ القرآن کے نام سے مشہور ہے۔ تفسیر بیان القرآن سرسید علی گڈھی کے ذہن و فکر کی آئینہ دار ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر لکھتے وقت سرسید کی روح مولوی محمد علی میں حلول کر گئی تھی۔ معجزات اور خوارق کی تشریح و تفسیر اس طرح کی گئی ہے کہ جدید نظریات و افکار قبول کر سکیں اور اس قسم کی تفسیر و تشریح کے لئے عرف و استعمال، زبان و محاورہ علماء سلف کی کاوشوں، سیاق و سباق سب کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

ص۱ ہم لکھتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم

کے نزول کی خبر دی ہے۔

اس شبہ کا اگر تفصیلی جواب دیا جائے تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا اس لئے مختصراً چند جوابات دیئے جا رہے ہیں۔

عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے: ——————

فان قیل قد ورد فی الحدیث نزول عیسیٰ بعدہٗ قلنا نعم لکنہ یتابع محمدا علیہ السلام لان شریعتہٗ قد نسخت فلا یکون الیہ وحی ونصب الاحکام بل یکون خلیفۃ رسول اللہ علیہ السلام۔ (شرح عقائد نسفی ص۹۷)	اگر کہا جائے کہ حدیث میں آیا ہے کہ سرکار کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے (پھر سرکار کو آخری نبی کیسے مانا جائے) تو ہم کہیں گے کہ حضرت عیسیٰ نازل تو ہونگے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہونگے اسلئے کہ انکی شریعت منسوخ ہو چکی ہے تو نہ انکی جانب وحی ہوگی نہ وہ احکام مقرر فرمائیں گے بلکہ حضور کے نائب ہوں گے۔

علامہ عبداللہ نسفی فرماتے ہیں: ——————

فان قلت کیف کان آخر الانبیاء؟ وعیسیٰ ینزل فی آخر الزمان قلت! معنی کونہ آخر الانبیاء انہ لا ینبا احد بعدہٗ وعیسیٰ ممن نبی قبلہ وحین ینزل ینزل عاملا علی شریعۃ محمد مصلیا الی قبلتہ کانہ بعض امتہ۔ (کشاف ج ۳ ص۲۶۵)	اگر تم کہو حضور آخری نبی کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ اخیر زمانہ میں حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا؟ میں کہونگا حضور کے آخری نبی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آپکے بعد کسی کو نبوت نہ دی جائیگی اور حضرت عیسیٰ کو نبوت پہلے دیجا چکی ہے اور وہ جب نازل ہونگے۔ تو شریعت مصطفویہ پر عامل ہوں گے اور کعبہ کی جانب رخ کر کے نماز پڑھیں گے (بیت المقدس کی جانب نہیں) گویا کہ حضرت عیسیٰ سرکار کے بعض امتی ہیں۔

بعض حدیثوں میں یہاں تک ہے کہ وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہی نہیں ہوں گے بلکہ حضور کے امتی حضرت امام مہدی کے پیچھے نماز بھی پڑھیں گے۔

قال کیف انتم اذا نزل ابن مریم	سرکار نے فرمایا کیسے ہوگے تم جب تم میں

فیکم وامامکم منکم۔	ابن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔

——— (بخاری شریف باب نزول عیسیٰ) ———

البتہ ایک سوال یہ رہ جاتا ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ احکام مقرر فرمائیں گے نہ ان کی جانب وحی آئے گی تو پھر ان کے نبی ہو کر آنے کا مقصد کیا ہے یہ تو عملاً عہدۂ نبوّت سے معزولی ہے حالانکہ نبی نبوّت سے معزول نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نبی ہوں گے اس کے باوجود ان کی جانب وحی نہ آئے گی تاکہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت ورفعت دنیا والوں پر ظاہر ہو جائے کہ یہ وہ عظیم المرتبت رسول ہیں جن کی اتباع کرنے میں حضرت عیسیٰ جیسے اولعزم نبی فخر محسوس کرتے ہیں۔

ان کا دوسرا شبہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا ہے قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدہ۔ —— خاتم النبیین کہو مگر یہ نہ کہو کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں —— حضرت عائشہ کے اس فرمان سے صاف ظاہر ہے کہ خاتم النبیین کا معنی آخری نبی نہیں بلکہ کچھ اور ہے اگر یہی معنی ہوتے تو حضرت عائشہ لا نبی بعدہ کہنے سے کیوں روکتیں۔ حضرت عائشہ کا یہ فرمان دُر منثور، تکملۂ مجمع البحار اور تاویل الاحادیث میں ہے ——

اس شبہ کے جواب میں میرے کچھ کہنے سے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بائیں بازو (لاہوری جماعت) کے قائد وسربراہ مولوی محمد علی لاہوری نے جو کچھ کہا ہے اسے نقل کر دیا جائے۔

"ایک قول حضرت عائشہ کا پیش کیا جاتا ہے جس کی سند کوئی نہیں قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدہ خاتم النبیین کہو اور یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں —— اور اس کا یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کے نزدیک خاتم النبیین کے معنی کچھ اور تھے کاش وہ معنی بھی کہیں مذکور ہوتے حضرت عائشہ کے اپنے قول میں ہوتے، کسی صحابی کے قول میں ہوتے، نبی کریم صلعم کی حدیث میں ہوتے مگر وہ معنی در بطن قائل ہیں اور اس قدر حدیثوں کی شہادت جن میں خاتم النبیین کے معنی لا نبی بعدی کئے گئے ہیں ایک بے سند قول پر پس پشت پھینکی جاتی ہیں یہ غرض پرستی ہے خدا پرستی نہیں کہ رسول اللہ صلعم کی تیس حدیثوں

کی شہادت ایک بے سند قول کے سامنے رد کی جاتی ہے۔ اگر اس قول کو صحیح مانا جائے تو کیوں اس کے معنی یہ نہ کئے جائیں کہ حضرت عائشہ کا مطلب یہ تھا کہ دونوں باتیں اکٹھی کہنے کی ضرورت نہیں۔ خاتم النبیین کافی ہے جیسا کہ مغیرہ بن شعبہ کا قول ہے کہ ایک شخص نے آپ کے سامنے کہا خاتم الانبیاء ولا نبی بعدہ تو آپ نے کہا خاتم الانبیاء کہنا تجھے بس ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کا مطلب ہو کہ جب اصل الفاظ خاتم النبیین واضح ہیں تو وہی استعمال کرو۔ یعنی الفاظ قرآنی کو الفاظ حدیث پر ترجیح دو اس سے یہ کہاں نکلا کہ آپ الفاظ حدیث کو صحیح نہ سمجھتی تھیں اور اتنی حدیثوں کے مقابل اگر ایک حدیث ہوتی تو وہ بھی قابل قبول نہ ہوتی چہ جائے کہ صحابی کا قول جو شرعاً حجت نہیں۔"

(بیان القرآن ج ۳ ص ۱۵۱۶، ص ۱۵۱۷ تفسیری ص ۲۶۵۹)

منکرین ختم نبوت کے متعلق شرعی احکام

مسئلہ ختم نبوت دین کے اساسی اور بنیادی مسائل میں سے ہے اس لئے آئمہ شریعت نے صاف اور صریح لفظوں میں فرما دیا ہے کہ جو اس مسئلہ میں سواد اعظم کے خلاف ہو وہ خارج از اسلام اور کافر ہے۔

اذا لم یعرف ان محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات۔	جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ جانے وہ مسلمان نہیں اس لئے کہ سرکار کو آخری نبی جاننا ضروریات دین میں سے ہے۔

—— الاشباہ والنظائر مطبع نظامی ص ۱۳۸

عالمگیری میں ہے ——

اذا لم یعرف الرجل ان محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء علیہم وعلی نبینا السلام فلیس بمسلم	جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ جانے وہ مسلمان نہیں۔

—— عالمگیری ج ۲ ص ۲۸۲ (مکتبہ رحیمیہ) ——

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

وکونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین مما نطق بہ الکتاب وصدعت بہ السنۃ واجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ ویقتل ان اصر.

(روح المعانی ج، ص۶۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے تو جو اس کے خلاف دعویٰ کرے اس کی تکفیر کی جائے گی اور اصرار کرنے پر قتل کر دیا جائے گا۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

وقد اخبر اللہ تبارک وتعالیٰ فی کتابہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السنۃ المتواترۃ عنہ انہ لا نبی بعدہٗ لیعلموا ان کل من ادعی ھذا المقام فھو کذابٌ افاکٌ دجالٌ ضالٌ مُضل ولو تخرق وشعبد واتی بانواع السحر والطلاسم والنیرنجیات فکلھا محال وضلال عند اولی الالباب.

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث متواترہ میں خبر دیدی کہ سرکار کے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ لوگ جان لیں کہ جو شخص نبوت ورسالت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا مفتری دجال گمراہ اور گمراہ گر ہے اگرچہ اس سے خرق عادت ہو اور وہ شعبدے دکھائے اور طرح طرح کے جادو طلسمات اور نیرنگیاں پیش کرے عقلمند جانتے ہیں کہ یہ سب دھوکہ اور فریب ہے۔

——— تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص۴۹۴ ———

علامہ تورپشتی فرماتے ہیں:

وآں کس کہ گوید کہ بعد از وے نبی دیگر بود یا ہست یا خواہد بود وآں کس کہ گوید کہ امکان دارد کہ باشد کافر است۔

جو شخص کہے کہ سرکار کے بعد نبی ہوا تھا یا ہے یا ہوگا اور وہ شخص جو کہے کہ امکان ہے کہ سرکار کے بعد نبی ہو وہ کافر ہے۔

——— المعتمد فی المعتقد بحوالہ البشیر القاری لشرح صحیح البخاری ص۲۴۲ ———

سخت اذیت ہوتی ہے جب یہ سوچتا ہوں کہ ایسا فرقہ جو قرآن وسنت، آثار صحابہ اقوال سلف اور پوری امت کے خلاف موقف لیکر اٹھا ہو نہ صرف جی رہا ہے بلکہ اپنی بھرپور توانائی

کے ساتھ پھیلتا جارہا ہے پھر یوں تسلی ہوتی ہے کہ ایسا ہونا ناگزیر اور لابدی ہے۔ سرکار نے پیشین گوئی فرمائی ہے۔

لاتقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون قریبا من ثلثین کلھم یزعم انہ رسول اللہ (بخاری شریف)

قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تیس ایسے دجال کذاب نہ پیدا ہوں گے جو سب کے سب اپنے کو اللہ کا رسول سمجھیں گے۔

حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:——

ولیس المراد بالحدیث من ادعی النبوۃ مطلقا فانھم لایحصون کثرۃ لکون غالبھم ینشأ لھم ذلک عن جنون وسوداء وانما المراد من قامت لہ شوکۃ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۵)

اس حدیث سے ہر قسم کے مدعیان نبوت کی تعداد بتانا مقصود نہیں اسلئے کہ مدعیان نبوت کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ شمار نہیں کیا جاسکتا یہ مرض (دعویٰ نبوت) علی العموم جنوں اور سودا سے پیدا ہوتا ہے بلکہ مقصود ان دجالوں کی تعداد بیان کرنا ہے جن کی شوکت قائم ہو جائے یعنی ماننے والے کثرت سے ہو جائیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جب تک جنون نہ ہو اس وقت تک سر میں دعویٰ نبوت کا سودا پیدا نہیں ہوتا خود مرزا غلام احمد قادیانی کو دیکھئے۔ قادیانی جماعت کا رسالہ ریویو لکھتا ہے:——

"مراق کا مرض حضرت مرزا صاحب کو موروثی نہ تھا بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا تھا۔ اور اس کا باعث سخت دماغی محنت، تفکرات غم اور سوء ہضم تھا۔ جس کا نتیجہ دماغی ضعف تھا اور جس کا اظہار مراق اور دیگر ضعف کی علامات مثلاً دوران سر کے ذریعہ ہوتا تھا۔" (رسالہ ریویو قادیان ص۱۰ اگست ۱۹۲۶ء بحوالہ قادیانی مذہب چوتھا ایڈیشن)

اور مراق کیا مرض ہے یہ اطبار کی زبانی سنیئے:——

"مالیخولیا کی ایک قسم ہے جس کو مراق کہتے ہیں۔ یہ مرض تیز سودا سے جو معدہ میں جمع ہوتا ہے پیدا ہوتا ہے۔" (شرح الاسباب والعلامات امراض راس بحوالہ قادیانی مذہب ص۱۰)

اور اس مرض کے آثار و نتائج کیا ہوتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:——

"مریض کے اکثر اوہام اس کام سے متعلق ہوتے ہیں جس میں مریض زمانہ صحت

میں مشغول رہا ہو مثلاً —— مریض صاحب علم ہو تو پیغمبری اور معجزات و کرامات کا دعویٰ کر دیتا ہے خدائی کی باتیں کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تبلیغ کرتا ہے۔"

(اکسیر اعظم جلد اول ص۱۸۸ بحوالہ قادیانی مذہب ص۱۰۱)

پھر کیا ایسا شخص اپنے دعویٰ نبوت میں سچا ہو سکتا ہے اور اس کی باتیں لائق اعتنا ہو سکتی ہیں اس کا فیصلہ خود ایک قادیانی کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔

"ایک مدعی الہام کے متعلق اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کو ہسٹریا، مالیخولیا یا مرگی کا مرض تھا تو اس کے دعویٰ کی تردید کے لئے کسی اور ضرب کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ یہ ایک ایسی چوٹ ہے جو اس کی صداقت کی عمارت کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتی ہے۔"

مضمون ڈاکٹر شاہنواز صاحب قادیانی
بحوالہ قادیانی مذہب ص۱۰۸، ص۱۰۹
مؤلفہ پروفیسر الیاس برنی مرحوم



(مولانا محمد ایوب صاحب مظہر پورنوی)

حیاتُ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم[1]

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

خالق کائنات نے تخلیق انسانی کا سلسلہ شروع فرما کر جہاں انسانوں پر اور بیشمار انعام واکرام فرمائے ہیں وہیں ان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے انھیں میں سے اپنے مخصوص بندوں کو منتخب فرما کر ارشاد وہدایت اور تبلیغ رسالت پر مامور فرمایا — اور ان میں سے بعض نفوس قدسیہ کو منتخب فرما کر انھیں اپنی جانب سے آسمانی کتابیں اور صحیفے دیکر ان کی افضلیت وبرتری کا اعلان فرمایا —

جمہور علماء وفقہا کی اصطلاح میں پیغام خداوندی کو بندوں تک پہونچانے اور انھیں راہ حق کی طرف بلانے والی مقدس جماعت کے ان عالی مرتبت نفوس قدسیہ کو جو نئی کتاب اور نئی شریعت کے ساتھ مبعوث فرمائے گئے "رسول" کہا جاتا ہے — اور وہ گرامی مرتبت ہستیاں جنھیں اللہ تعالیٰ نے وحی سے سرفراز فرما کر اپنے احکام وپیغام بندوں تک پہونچانے کے لئے انسانوں ہی میں سے منتخب فرمایا لیکن انھیں جدید شریعت اور کتاب نہیں ملی "نبی" کہتے ہیں۔

خلّاقِ عالم نے انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی اس نورانی جماعت کو مبعوث فرمانے سے پہلے ہی گروہِ ملائکہ میں "اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ" ارشاد فرما کر اس مقدس جماعت کو اپنی خلافت ونیابت کے لئے منتخب کر کے گروہ ملائکہ پر بھی انکی فوقیت و برتری کا اعلان فرمادیا تھا۔

پھر انھیں مبعوث فرمانے کے بعد "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ"

---

[1] اس موضوع پر اس دور کی بے مثل کتاب "حیات النبی" از علامہ کاظمی صاحب۔ ملنے کا پتہ۔ مکتبہ فریدیہ ساہیوال

فرماکر تمام دُنیا والوں پر واضح فرمادیا کہ بِاِذْنِ اللہ وہ تمھارے حاکم ومطاع اور تم ان کے محکوم ومطیع ہو.

پھر ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی اور نبی آخر الزماں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ" فرماکر سب سے افضل واعلیٰ بنایا — اور آپ کے فرقِ اقدس پر "لَوْلَاكَ لَمَا" کا تاج عزت رکھ کر باعث ایجادِ عالم قرار دیا — کیا ہی خوب فرمایا ہے استادِ زمن مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمہ نے ؎

نہ کیوں کر تا خدا آرائشیں دنیا کے ساماں میں
تمھیں دولھا بنا کر بھیجنا تھا بزم امکاں میں

اور حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے تو یہ فرمایا کہ ؎

تو اصلِ وجود آمدی از نخست
دگر ہر چہ موجود شد فرعِ تُست

حدیثِ لولاک بہ بانگِ دُہل یہ اعلان کر رہی ہے کہ حشر ونشر بھی آپ ہی کے کرم کا صدقہ ہے. کیونکہ اگر دنیا نہ ہوتی تو آخرت بھی نہ ہوتی اگر خیر وشر نہ ہوتے تو ان کی جزا وسزا کا سوال ہی کیا تھا؟ — اور جب حدیث لولاک کے مطابق دنیا آپ ہی کے لئے پیدا فرمائی گئی تو صاف ظاہر ہے کہ آخرت بھی آپ ہی کے لئے ہے چنانچہ احادیثِ شفاعت گواہ ہیں کہ میدان محشر میں بھی آپ ہی کے عزت ووقار کا ڈنکا بج رہا ہوگا.

استادِ زمن مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزم محشر کا
کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

"وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" ارشاد فرماکر خالق عالم جل وعلا نے اطاعتِ رسول کو اپنی ہی اطاعت قرار دیکر تمام مخلوق پر ان کی فضیلت وبرتری کا کھلے بندوں اعلان فرمادیا ہے. یہی نہیں بلکہ دوسرے لفظوں میں اطاعتِ رسول کو ہی سب پر واجب اور ضروری قرار دیکر انھیں سب کا حاکم ومطاع قرار دیا ہے اور "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝" فرماکر یہ واضح فرمادیا کہ دہانِ رسول سے نکلے ہوئے

کلماتِ وحیِ ربانی کے ترجمان ہوا کرتے ہیں۔

مرزا غالبؔ نے کیا خوب کہا ہے ؎

حق جلوہ گر زِ طرزِ بیاں محمد ست صلی اللہ علیہ وسلم

آرے کلامِ حق بزبانِ محمد ست صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کے مرتبے کی وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔	نبی ایمان والوں کی جان سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں۔

دوسرے مقام پر تو ——

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔	رسولِ معظم تمہیں جس چیز کا بھی حکم دیں اس پر کاربند ہو جاؤ اور جس چیز سے بھی منع فرمادیں اس سے باز آجاؤ۔

فرما کر ان کے فرقِ اقدس پر حکومتِ مطلقہ کا تاجِ شرف رکھ کر دنیا والوں کو صاف صاف سنا دیا کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح تمہاری جانوں اور مالوں کے مالک ہیں ایسے ہی وہ مختارِ شریعت بھی ہیں۔ چنانچہ ان کا ہر ہر حکم خواہ امر ہو یا نہی قانونِ شریعت ہے۔

حدیث قدسی میں ان کی محبوبیتِ کبریٰ کا بیان اس طرح فرمایا جاتا ہے "کُلُّهُمْ یَطْلُبُوْنَ رِضَائِیْ وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاکَ یَا مُحَمَّدُ صلی اللہ علیہ وسلم" —— یعنی ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم

خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جبھی تو محبوب کی باتیں بھی ایسی محبوب ہیں کہ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝" فرما کر زبانِ محبوب سے اپنی وحدانیت کا اعلان کرایا جا رہا ہے اور ان کی رسالت کا اعلان اس طرح فرمایا جاتا ہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۝ —— گویا ؎

قُل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سُنی

اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند

اسی پر بس نہیں بلکہ اپنے ذکر کے ساتھ ذکر محبوب کو کچھ اس طرح مربوط فرمایا ہے کہ بیساختہ کہنا پڑتا ہے کہ ؎

تکبیر میں، خطبوں میں، نمازوں میں، اذاں میں
ہے نام الٰہی سے ملا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اذان تو اذان، خطبہ تو خطبہ، تکبیر تو تکبیر، نماز کو بھی ذکر محبوب سے خالی نہ رکھا گیا بلکہ ذکر محبوب کو عین نماز میں جو خالص خدا کی بندگی اور اس کی عبادت ہے اس میں بھی واجب اور ضروری قرار دیدیا کہ بغیر نبی معظم کی بارگاہ میں سلام پیش کئے ہوئے اور وحدانیت الٰہی کی شہادت کے ساتھ ہی ساتھ بغیر رسول مکرم کی رسالت وعبدیت کی شہادت دیئے ہوئے نماز ہرگز مکمل نہیں ہو سکتی ـــ جبھی تو اعلحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں ؎

ذکر خدا جو اُن سے جُدا چاہو نجدیو!
واللہ! ذکر حق نہیں، کنجی سقر کی ہے

اسی پر بس نہیں بلکہ اپنی محبت کے دعویداروں اور خواستگاروں کے لئے فرمایا جاتا ہے کہ

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ.	(اے محبوب! اللہ کی محبت کے دعویداروں اور خواستگاروں سے) فرمادو کہ میری اتباع کرو تو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔

اور خود سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :ـــــ

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝	تم میں سے کسی کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کے دل میں میری محبت اس کے والدین و اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔

سچ ہے کہ ؎

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

رب العالمین نے " وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ فرماکر ان کی محبت کے اصلِ ایمان ہونے کے اسباب وعلل بھی بیان فرما دیئے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب کو ہر عالم کے لئے رحمت بناکر بھیجا ہے وہ عالم دنیا میں بھی تمہارے کام آنے والے ہیں، عالم برزخ

ہیں بھی ہر جگہ تمھارے کام آنے والے، ہر جگہ تمھاری دستگیری اور مدد فرمانے والے ہیں. صرف تمھارے لئے ہی نہیں بلکہ فرشتگانِ الٰہی، جن و انس، بحر و بر، خشک و تر غرضیکہ مخلوقات کی تینوں قسموں حیوانات، نباتات اور جمادات سب کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے ہیں۔ جو قبر میں بھی کام آئیں گے اور حشر و نشر میں بھی دستگیری فرمائیں گے ان کی محبت کیوں نہ جانِ ایمان قرار پائے! ان کی محبت کو سوادِ قلب کی وہ جگہ کیوں نہ ملے جہاں دنیا کی کسی شے کا بھی ذکر نہ ہو۔

وہ تو خود ارشاد فرماتے ہیں "اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی"۔ جو نعمت بھی، جو جب ملتی ہے، جسے ملتی ہے اور جتنی ملتی ہے دیتا تو اللہ ہی ہے مگر بانٹتا میں ہوں، ہر چیز اسی کی ہے لیکن تقسیم میرے ہاتھوں سے ہوتی ہے گویا خالقِ نعم وہ ہے اور مالکِ نعم میں ہوں۔ مرزا غالبؔ نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکش حق است
لیکن کشاد آں بزبانِ محمد است

اس خداداد قدرت و اختیار پر اہل ایمان کیوں نہ مرمٹیں۔ کیوں نہ ایسے نبی محترم کی محبت کو سرمایۂ حیات بنائیں جو مالکِ نعم الٰہیہ ہیں ؎

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

وہ وصول الی اللہ کا وسیلہ و ذریعہ ہیں۔ وہ بارگاہ خداوندی تک پہونچنے کا دروازہ ہیں۔ جو دنیا و آخرت ہر جگہ کام آنے والے ہیں۔ جو دنیا میں بھی ہمارے شفیع ہیں اور آخرت میں بھی شفاعتِ کبریٰ سے سرفراز ہوں گے پھر پروردگار عالم نے وَلَوْ اَنَّہُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَہُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَہُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا فرما کر اس بات پر مہر لگادی ہے کہ ؎

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

انھیں تو ان کے پروردگار نے جتنی ساری خوبیاں کسی بندے میں ہو سکتی تھیں سب

عطا فرمادیں، اتنی نعمتیں عطا فرمائیں جن کا ہم تصور نہیں کر سکتے۔ سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا ہے امام اہلسنت نے کہ ؎

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بَری
حیران ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

حق تو یہ ہے کہ ان کے پروردگار نے کوئی نعمت بھی ایسی نہ چھوڑی جو انہیں عطا نہ فرمادی ہو۔ شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں

؎ ہر نعمتیکہ داشت خدا شد بروتمام

بارگاہ رسالت کے فیض یافتہ اور درباری شاعر حضرت سیدنا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں نغمہ سرا ہیں ؎

وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِي　　وَاَكْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّءًا مِنْ كُلِّ عَيْبٍ　　كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

یا حبیب اللہ! آپ سے زیادہ حسن و جمال والا میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا (دیکھیں بھی تو کیسے جبکہ حضرت جبریل امین علیہ السلام تک شاہد ہیں کہ) آپ جیسا فضل و کمال والا کسی عورت کے بطن سے پیدا ہی نہیں ہوا۔ آپ تو تمام عیوب و نقائص سے صاف ستھرے کر کے پیدا فرمائے گئے ہیں۔ گویا آپ کی تخلیق آپ کی عین منشا کے مطابق ہوئی ہے۔

امام اہل سنت فرماتے ہیں ؎

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اور فارسی کے مشہور و معروف شاعر نظیری نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ ؎

بحسن تو نقاش نقشے نیارد
کہ صنعت گری ختم شد بر کمالت

حق تو یہ ہے کہ آپ کے اوصاف کمال کے بیان سے زبان و قلم عاجز ہیں۔ ہر واصف نے اپنی بساط علمی کے مطابق فضل و کمال کے گن گائے لیکن آخر میں اعتراف عجز کرتے ہوئے کسی نے یہ کہا کہ ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

اور کسی نے یوں کہا کہ ؎

اے رضاؔ خود صاحب قرآں ہے مدّاحِ حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

کہاں تک کسی سے آپ کے فضائل و کمال کا بیان ہو سکے جبکہ آپ کی عظمتِ خداداد کا یہ عالم ہے کہ علامہ بوصیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِی نَبِیِّهِمْ وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَکِمْ

شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے مدارج النبوۃ میں اور بھی واضح الفاظ میں یوں فرمایا کہ ؎

مخواں اورا خدا، از بہرِ حفظِ شرع و پاسِ دیں
دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش املا کن

عاشقوں کی سرمستی کا تو یہ عالم ہے کہ عالم کیف و مستی میں بالکل کھلے لفظوں میں یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ ؎ — خدا اگر نا ہوتا جو تحتِ مشیئت
خدا ہو کے آتا وہ بندہ خدا کا

یہ تو ان کی اتباع و محبت کا مثبت پہلو تھا کہ "ان کی اتباع و فرمانبرداری کو مقصدِ حیات بنا لو بس خدا کے محبوب بندے ہو جاؤ گے" — اور حضور کا ارشادِ گرامی کہ "جب تک تمہارے دلوں میں میری محبت تمہارے بھی متعلقین سے بڑھ چڑھ کر نہ ہو گی تم کامل الایمان نہیں ہو سکتے" — نیز ارشادِ ربانی ہوتا ہے کہ ——

وَمَن یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔	اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اسے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

ان تمام باتوں سے صاف واضح ہوتا ہے کہ تمہارے ایمان کا کمال عشق و محبتِ رسول میں مضمر ہے۔ حبِ رسول کی نورانی شمع نہاں خانۂ دل میں روشن کر لو اور اس کی لَو کو تیز کرتے جاؤ

پھر اپنی جیتی جاگتی آنکھوں سے کمال ایمان کے جلووں کا نظارہ کرو گے۔

اَب آیئے! ذرا منفی پہلو پر بھی نظر ڈالتے چلیں —— ارشادِ ربانی ہے: ——

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔

اے محبوب! فرما دو کہ اے لوگو! تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیبیاں، تمہارا کنبہ، تمہاری کمائی کے مال اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمہاری پسند کے مکان ان میں کوئی چیز بھی اگر تم کو اللہ اور اللہ کے رسول اور اس کی راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انتظار کرو کہ اللہ اپنا عذاب اتارے۔

صاف ظاہر ہو گیا کہ جہاں حُبِّ رسول کے مقابل اعزّا و اقربا اور مال و دولت وغیرہ کی محبت غالب نظر آئی رحمتِ خداوندی نے کس طرح رُخ موڑا اور عذاب کی وعید سنائی جانے لگی۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ العزیز نے سچ فرمایا ہے کہ ؎

نہیں وہ میٹھی نگاہ والا، خدا کی رحمت ہے جلوہ فرما
غضب سے ان کے خدا بچائے، جلالِ باری عتاب میں ہے

اور یہ بھی حقیقت ہی ہے کہ ؎

نگاہ پھیر لیں تو دو جہاں میں کچھ نہ رہے
اٹھا دیں آنکھ تو ہر شئی کو زندگی مل جائے

کیوں نہ ہو کہ جب ربِّ کریم نے "وخاتم النبیین" فرما کر سلسلۂ نبوت و رسالت کو آپ ہی کی ذاتِ مقدس پر ختم فرما دیا ہے اور آپ ہی کو نبی آخر الزماں بنا کر مبعوث فرمایا ہے تو فضائل و کمالات کس پر ختم فرماتا؟ اَب کون باقی تھا جسے اپنے اوصافِ کمالیہ کا آئینہ دار بناتا؟ اَب کون رہ گیا تھا جسے اپنی ذات و صفات کا مظہرِ اتم بنا کر اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرماتا؟ —— انھیں تو ان کے پروردگار نے اس کام کے لئے اسی وقت منتخب فرما لیا تھا جب زمین و

آسمان، زمان ومکان، این و آن غرضیکہ کچھ بھی نہ تھا صرف ان کا پروردگار تھا اور وہ تھے۔ تیسری کسی بھی شئی کا وجود نہ تھا۔ انبیاء سابقین ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر فضل وکمال والے ہوتے چلے آئے تھے۔ اب جبکہ سردار جملہ انبیاء تشریف لانے والے تھے نہیں بلکہ بمصداق "بُعِثْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً" جمیع خلائق تمامی جن وانس اور جملہ ملکوت السموات والارض ہی کے نہیں بلکہ جمیع انبیاء ورسل کے بھی رسول مبعوث فرمائے جانے والے تھے۔ سلسلہ نبوت ورسالت ختم ہونے والا تھا اور اب کسی نبی ورسول کی تشریف آوری کے امکان ہی کا دروازہ بند ہونے والا تھا ضرورت تھی کہ وہ ایسے فضل وکمال والے رسول بناکر بھیجے جائیں جو ممتنع النظیر ہوں۔ بیمثل ومثیل ہوں۔ نہ آپ کی نظیر آپ سے پہلے رہی ہو اور نہ ہی آپ کی نظیر ومثیل آپ کے بعد ممکن ہو۔ جتنے فضائل وکمالات آپ سے پہلے انبیاء ورسل عظام اپنے ساتھ لائے تھے سب تو آپ میں موجود ہی ہوں اور پھر ان کے بعد اتنے فضائل وکمالات آپ کی ذاتِ عالی صفات میں موجود ہوں جن سے زیادہ کا تصور کسی بندے میں محال وممتنع ہو۔

انھیں جو کتاب دی جائے وہ بھی سب سے افضل واعلیٰ اور بے مثال ہو ــــ ورنہ انسانیت کی پیاس نہ بجھتی۔ اس کی طبیعت کو آسودگی نہ ہوتی۔ اس سے زیادہ کی تشنگی باقی رہ جاتی اور پھر وہ اپنی اس حسرت کو دل ہی دل میں لئے سسکتی رہ جاتی۔ حق تو یہ ہے کہ قدرتِ خداوندی کا کماحقہ ظہور ہی نہ ہوتا ــــ چنانچہ خالقِ کائنات نے اپنے محبوب کو جو کتاب عطا فرمائی وہ سابقہ تمام آسمانی کتب وصحائف سے افضل واعلیٰ، جس دین کے ساتھ مبعوث فرمایا وہ سابقہ سبھی ادیان سے بالا ناسخِ جملہ ادیان اور سب سے اکمل واعلیٰ ــــ اور خود محبوب کو بھی ان کی ذات وصفات میں ہر اعتبار سے ایسا ہی بے مثل بے مثال بنایا جیسا کہ چاہیے تھا اور انھیں مبعوث فرمانے کے بعد صاف صاف اعلان فرمادیا کہ ــــ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

(اے ایمان والو! تمھارے پاس قرآن جیسی بیمثال کتاب بھیجکر، تمھارے لئے تمھارا دین مکمل فرمادیا اور رحمۃ للعالمین جیسا فخر رسل، شفیع المذنبین جیسا ہادی سبل، اپنے محبوب جیسا خاتم الانبیاء والرسل جسے میں نے اپنی ذات وصفات کا مظہر اتم بنایا ہے تمھارے

اندر مبعوث فرما کر) تم پر اپنی نعمت پوری فرما دی۔ اور تمہارے لئے اسلام (جیسا بے شل و بے مثال اور ناسخ جملہ ادیان) دین پسند فرمایا۔

اب دین کے مکمل ہو جانے، نعمت پوری ہو جانے اور حضور کی خاتمیت کے بعد کہاں گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ آپ کے نظیر اور مثیل کے امکان کا تصور بھی ہو سکے — اس مشکل مسئلہ کو مرزا غالب نے جتنے عمدہ پیرائے میں حل فرمایا ہے یہ انھیں کا حصہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں ؎

اے کہ ختم المرسلینش خواندہ — دائم از روئے یقینش خواندہ

ایں الف لامے کہ استغراق راست — حکم ناطق مفتئ اطلاق راست

منشاء ایجاد ہر عالم یکے ست — گر دو صد عالم بود خاتم یکے ست

منفرد اندر کمالِ ذاتی است — لاجرم مثلش "محالِ ذاتی" ست

وہ رسول معظم جن کی محبت و رسالت کا آفتاب آسمان رسالت پر تا قیامت تاباں و درخشاں رہنے والا ہے اور رہتی دنیا تک آسمان رسالت کے اس نورانی آفتاب کو نہ تو زوال ہے نہ ہی اس میں گہن کا اندیشہ ہے بلکہ ارشاد ربانی " وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى " کے بموجب اس کی نورانی شعاعیں ہر آنے والی ساعت میں تیز تر ہوتی جائیں گی وہ نبی مکرم جو صحابہ و تابعین ہی کے نہیں بلکہ رہتی دنیا تک کے لئے سب کے رسول بنکر تشریف لائے ضروری تھا کہ وہ اپنی ساری امت کے احوال و افعال، کردار و اعمال اور نیات و خطرات سے باخبر ہوں۔ اپنی نورانی کرنوں سے قلوب عالم کو منور و مستفیض بھی فرماتے رہیں اور جملہ عالم کے لئے رحمت عامہ ہونے کے باعث ان پر اپنی رحمتیں نچھاور بھی کرتے رہیں اور یہ سب کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ حیات حقیقی جسمانی کے ساتھ زندہ و حیات بھی ہوں۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ہماری ظاہری نگاہوں سے روپوش ہو جائیں لیکن یہ بات ایسے عظیم و جلیل اور بین الاقوامی رسول کی ہمہ گیر رسالت و نبوت کے قطعی منافی تھی کہ وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائیں۔ اور بقول اعدائے لعیں "مر کر مٹی میں مل جائیں" — معاذ اللہ — ان کا ہماری ظاہر بین نگاہوں سے پوشیدہ ہو جانا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ (معاذ اللہ) وہ مر کر مٹی میں مل گئے۔

کیا آپ دیکھتے نہیں کہ جن و ملک زندہ ہیں، موجود ہیں مگر ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔
کون مسلمان نہیں جانتا کہ حضرات خضر و الیاس علیہما السلام حیاتِ دنیاوی جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں لیکن عوام الناس میں سے کوئی تو بتائے کہ اس نے کبھی ان دونوں حضرات یا ان میں سے کسی ایک ہی صاحب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور دیکھا تو پہچانا بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ حیاتِ جسمانی کے ساتھ موجود ہونے کے لئے سب لوگوں کا انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھنا ضروری نہیں۔

لھٰذا اب سنیئے! نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد، مسند امام احمد اور مشکوٰۃ شریف وغیرہ کی احادیث شاہد ہیں کہ جب سرکار رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے جمعہ کے روز درود و سلام کی کثرت کرنے کے متعلق فرمایا تو بعض حضرات نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ! ابھی تو آپ ہمارا درود و سلام سنتے ہیں لیکن بعد وصال کیسے سنیں گے؟ — آپ نے ارشاد فرمایا: ——

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ۔	اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھائے لھٰذا اللہ کا ہر نبی زندہ ہے اور انھیں روزی ملتی ہے۔

حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی موقعہ پر اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد اول میں فرماتے ہیں کہ ——

حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلافے نیست حیاتِ جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات روحانی معنوی چنانکہ شہدا راست	حیات انبیاء کرام علیہم السلام پر سب کا اتفاق ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف ہی نہیں کہ انکی زندگی حیات جسمانی دنیاوی حقیقی کے ساتھ ہے شہدائے کرام کی طرح انکی حیات حیات روحانی معنوی نہیں۔

حضرت علامہ یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے رسالہ فضائل محمدیہ میں اسی سلسلے میں بحث فرماتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ——

قال الامام السیوطی فی آخرہ محصل من مجموع ھذا النقول والاحادیث ان النبی صلی اللہ علیہ	امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب دانباء الاذکیا فی حیاۃ الانبیاء کے آخر میں لکھا ہے کہ ان تمام نقول و احادیث کا نچوڑ یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ

وسلم حی بجسدہ وروحہ وانہ یتصرف ویسیر حیث شاء فی اقطار الارض فی الملکوت وھو بھیئتہ التی کان علیھا قبل وفاۃ لم یتبدل منہ شئی وانہ مغیب عن الابصار کما غیبت الملائکۃ مع کونھم احیاء باجسادھم فاذا اراد اللہ رفع الحجاب عمن اراد اکرامہ برویتہ راہ علی ھئیتہ التی ھو علیھا لامانع من ذالک ۵

تعالیٰ علیہ وسلم. جسم وروح دونوں کے ساتھ زندہ ہیں، دنیا بھر میں جہاں اور جیسے چاہتے ہیں تصرف فرماتے اور تشریف لے جاتے ہیں اور آپ اپنی اسی شکل وصورت پر ہیں جو قبل وفات تھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی. البتہ حضور ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں جیسا کہ فرشتے اپنے جسموں کے ساتھ زندہ ہونے کے باوجود پوشیدہ ہیں لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کسی کو حضور کے دیدار سے مشرف فرمانے کے ارادے سے پردہ اٹھا دیتا ہے تو وہ حضور کو سابقہ ہیئت پر دیکھتا ہے. اس سے کوئی چیز بھی روکنے والی نہیں ہوتی.

فقہ کی مشہور ومعروف کتاب مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں مزید توضیح کے ساتھ صاحب کتاب حضرت شیخ حسن بن عمار شرنبلالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ومما ھو مقرر عند المحققین انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی یرزق متمتع بجمیع الملاذ والعبادات غیر انہ محجب عن البصار القاصرین عن شریف المقامات ۵

یہ بات محققین علماء کے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہونچی ہوئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (حقیقی جسمانی زندگی کے ساتھ) زندہ ہیں. ان کے حضور روزی پیش ہوتی ہے. سبھی لذت والی چیزوں کا مزہ اور عبادتوں کا سرور پاتے ہیں لیکن بلند درجات تک جن کی رسائی نہیں ہے ان کی نگاہوں سے آپ اوجھل ہیں.

اب اس سلسلے میں سیدنا اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بالکل صاف اور واضح فیصلہ کرکے مضمون ختم کرتا ہوں. اگر تعصب وتنگ نظری سے کنارہ کشی کرتے ہوئے چشم

بصیرت سے اس فیصلے کو پڑھا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس سلسلے کے تمام اعتراضات پادر ہوا نظر آئیں گے اور حق وانصاف واضح ہو کر سامنے آجائے گا۔

امام اہلسنّت اس مشکل مسئلے کو بالکل سادہ اور عام فہم طریقے پر حل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ؂

انبیاء کو بھی اجل نہ آنی ہے ٭ مگر اتنی کہ فقط آنی ہے

پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات ٭ مثلِ سابق وہی جسمانی ہے

روح تو سب کی ہے زندہ ان کا ٭ جسمِ پُر نور بھی روحانی ہے

اوروں کی رُوح ہو کتنی ہی لطیف ٭ ان کے اجسام کی کب ثانی ہے

پاؤں جس خاک پہ رکھدیں وہ بھی ٭ رُوح ہے پاک ہے نُورانی ہے

اس کی ازواج کو جائز ہے نکاح ٭ اس کا ترکہ بٹے جو فانی ہے

یہ ہیں حیّ ابدی ان کو رضاؔ

صدق وعدہ کی قضا مانی ہے



(مولانا محمد قدرت اللہ صاحب رضوی بستوی)

مسئلہ امتناعِ نظیر

ایک مدت سے جن مسائل و معتقدات کی بنیاد پر الگ الگ مکاتب فکر قائم ہیں انھیں مسائل و معتقدات میں ایک مسئلہ "سرکار کی نظیر و مثیل" کا بھی ہے۔ یہ مسئلہ کوئی اتنا مبہم اور نظری نہیں تھا کہ اس کے لئے الگ الگ محاذ بنائے جاتے اور ایک دوسرے کو بحث و مناظرہ کی دعوت دی جاتی مگر صدی بیتنے کو ہے اور آج بھی یہ مسئلہ فکری جولانیوں اور ڈھینگا مشتیوں کا اکھاڑہ بنا ہوا ہے۔ بار بار کے حق واضح ہو جانے کے باوجود آج بھی کچھ لوگ گلی گلی یہ صدا لگاتے پھرتے ہیں کہ "سرکار کی نظیر ممکن ہے اور خدا چاہے تو محمد جیسے سینکڑوں محمد پیدا فرما سکتا ہے۔" یہ وہی لوگ ہیں جو تقویۃ الایمانی عبارتوں کو دل و دماغ سے ہم آہنگ کرنے کے لئے آئے دن چولا بدلتے رہتے ہیں اس لئے نہیں کہ وہ تقویۃ الایمان کی عبارت و مسائل کے نفاق سے واقف نہیں، وہ واقف ہیں اور اچھی طرح واقف ہیں پھر بھی ان عبارتوں کی حمایت و وکالت کا جھنڈا اس لئے اٹھائے پھرتے ہیں تاکہ ان کے اسلاف کا وقار محفوظ رہے جو انھیں ایمان سے زیادہ عزیز ہے۔ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ سرکار کی نظیر کے مسئلہ میں نظیر کے جو معنی مراد ہیں اس معنی کر کوئی ایسا وجود قطعاً ناممکن ہے جسے سرکار کی نظیر کے معنی پہنائے جا سکیں لیکن وہ اپنے میں اس کے اظہار و اعلان کی جرأت نہیں پاتے کیونکہ ان کے سامنے ان کے اسلاف کا وہ گھناؤنا کردار ہے جو انھوں نے ایمان و یقین کی قربانی دے کر ادا کیا ہے۔ اسی کردار کی لاج رکھنے کے لئے یہ لوگ تمام اسلامی برادری کے احساسات کو پامال اور جذبات کو مجروح تو کر سکتے ہیں مگر یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے اسلاف کی ساکھ پر کسی قسم کی آنچ آ جائے۔

یہی وجہ ہے کہ "امتناع نظیر" کا مسئلہ جو قطعاً واضح اور بدیہی ہے آئے دن مبہم اور نظری

ہوتا جارہا ہے۔ اور یہ لوگ اپنی آبرو کی سلامتی کے لئے طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کرتے جارہے ہیں۔ آئیے پہلے آپ نظیر کے معنی سمجھ لیں تاکہ ارتیاب وتشکیک کے دھندلکوں سے آپ کا ذہن محفوظ رہے۔

اس متنازعہ فیہ مسئلہ میں نظیر کے معنی ہیں سرکار کے سوا ایک ایسا وجود، جو تمام اوصاف میں سرکار کا شریک وسہیم ہو۔ مثلاً آپ نبی ہیں تو وہ بھی نبی ہو۔ آپ رسول ہیں تو وہ بھی رسول ہو۔ آپ خاتم النبیین ہیں تو وہ بھی خاتم النبیین ہو۔ آپ اوّل مخلوقات ہیں تو وہ بھی اوّل مخلوقات ہو۔ آپ اوّل شافع ہیں تو وہ بھی اوّل شافع ہو۔ آپ افضل رسل تو وہ بھی افضل رسل ہو آپ سیّدِ کونین ہیں تو وہ بھی سیّدِ کونین ہو وغیر ذالک۔

نظیر کے معنی کی تشریح سے صاف ظاہر ہے کہ نظیر بایں معنی اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جبکہ سرکار کے تمام اوصاف میں کم از کم دوئی ممکن ہو محال نہ ہو یعنی سرکار کا ہر ہر وصف ایسی کُلّی ضرور ہو جو نفس الامر میں شرکت کا احتمال رکھے تاکہ اس کُلّی کے افراد ممکنہ باہم ایک دوسرے کی نظیر ہو سکیں مثلاً سرکار کی ایک صفت ہے نبوّت جو کُلّی ہے اس کے ایک فرد حضور ہیں اور دوسرے افراد انبیاء سابقین ہیں اسی لئے ہر نبی صفت نبوت میں دوسرے نبی کی نظیر ہیں۔

اور اگر بعض اوصاف ایسے ہوں جن میں دوئی قطعاً ممکن نہ ہو تو نظیر ممکن نہیں بلکہ محال بالذات ہوگی، عالم اسلام کا کون ایسا شخص ہے جو نہیں جانتا کہ خاتم النبیین اوّل مخلوقات، اوّل شافع اوّل مشفع یہ وہ القاب وخطابات ہیں جو سرکار کی ذات سے مخصوص ہیں اور کوئی ہوشمند اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ وہ اوصاف ہیں جن میں دوئی قطعاً ممکن نہیں بلکہ محال بالذات ہے۔ اگر اس میں آپ کو کوئی شبہ ہو تو پہلے مناطقہ کی ایک بحث ذہن نشین کرلیں جو انہوں نے کُلّی اقسام کے سلسلہ میں کی ہے۔ علماء منطق نے کُلّی کی افراد کے وجود کے اعتبار سے چند قسمیں بیان کی ہیں۔

۱— ایسی کُلّی جس کے سارے افراد محال بالذات ہوں۔ جیسے شریک باری۔

— ایسی کُلّی جس کے سارے افراد ممکن ہوں مگر ایک فرد بھی پایا نہ جاتا ہو جیسے عنقا۔

۳ — ایسی کُلّی جس کا ایک ہی فرد پایا جائے باقی اور افراد محال بالذات ہوں جیسے واجب الوجود۔
۴ — ایسی کُلّی جس کے سارے افراد ممکن ہوں مگر صرف ایک فرد پایا جائے جیسے سورج۔
۵ — ایسی کُلّی جس کے افراد کثیرہ موجود ہوں مگر متناہی ہوں جیسے سُنّی رسالہ۔
۶ — ایسی کُلّی جس کے افراد کثیرہ موجود ہوں اور غیر متناہی ہوں جیسے معلومات باری تعالیٰ۔

کلی کی ان تمام قسموں میں تیسری قسم ایسی ہے جو ایک ہی فرد میں منحصر ہوتی ہے یعنی ایک فرد کے علاوہ اس کے تمام افراد محال بالذات ہوتے ہیں۔ خاتم النبیین وغیرہ کلی کی اسی تیسری قسم میں داخل ہیں یعنی ان کے ایک ہی فرد کا وجود ہو سکتا ہے اس میں دوئی کی قطعاً گنجائش نہیں ورنہ خاتم النبیین خاتم النبیین اور اوّل مخلوقات اوّل مخلوقات نہ رہے گا اور خاتم النبیین کا خاتم النبیین اوّل مخلوقات کا اوّل مخلوقات نہ ہونا محال بالذات ہے اس لئے ان اوصاف میں دوئی بھی محال بالذات ہوگی، جب دُوئی محال بالذات ہوگی تو ایک فرد کے علاوہ ان کے سارے افراد محال بالذات ہوں گے اور جب سارے افراد محال بالذات ہوں گے تو نظیر بھی لامحالہ محال بالذات ہوگی۔

مزید وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ اگر سرکار کے علاوہ کوئی دوسرا وجود سرکار کی نظیر تسلیم کرلیا جائے تو دو حال سے خالی نہیں وہ وجود خاتم النبیین ہوگا یا نہیں اگر نہیں تو خاتم النبیین کا انحصار ایک فرد میں لازم آیا اور اگر وہ وجود خاتم النبیین ہو تو اس تقدیر پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہوں گے یا نہیں۔ اگر نہیں تو پھر بھی خاتم النبیین کا انحصار ایک فرد میں لازم آیا اور اگر دونوں خاتم النبیین مانے جائیں تو دونوں ساتھ ساتھ ہوں گے یا یکے بعد دیگرے اگر ساتھ ساتھ ہوں تو چونکہ دونوں میں معیت پائی گئی اس لئے دونوں میں سے کسی پر خاتم النبیین کا اطلاق درست نہ ہوگا۔ اور اگر یکے بعد دیگرے ہوں تو یہ دوسرا وجود سرکار کے بعد ہوگا یا پہلے۔ اگر بعد کو ہو تو سرکار خاتم النبیین نہ ہوں گے اور اس کا انحصار ایک فرد میں لازم ہوگا اور اگر پہلے ہو تو یہ دوسرا وجود خاتم النبیین نہ ہوگا۔ اور اس صورت میں بھی خاتم النبیین کا انحصار ایک فرد میں لازم ہوگا۔ اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ خاتم النبیین کا صرف ایک ہی فرد پایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے تمام افراد قطعاً غیر ممکن اور محال بالذات ہیں کیونکہ اگر حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے علاوہ دوسرا خاتم النبیین مانا جائے تو اس کا وجود اس کے عدم کو مستلزم ہوگا اور وہ متناقض امور کا مصداق ہو جائے گا یعنی وہ خاتم بھی ہوگا۔ اور خاتم نہیں بھی ہوگا اور چونکہ متناقض امور کا مصداق محال بالذات ہے اس لئے حضور کی نظیر بھی محال بالذات ہوگی۔

بعینہ یہی دلیل اوّل مخلوقات، اوّل شافع، اوّل مشفع وغیرہ اوصاف میں بھی جاری ہے۔ یعنی یہ اوصاف بھی خاتم النبیین کی طرح دوئی کے حامل نہیں اور ان اوصاف کی بھی نظیر ممتنع بالذات ہے۔

ممکن ہے آپ کے ذہن میں یہ شبہہ پیدا ہو کہ جب خاتم النبیین کا ایک فرد ممکن ہے تو دوسرا فرد بھی ممکن ہونا چاہئے تو اس کے ازالہ کے لئے یہ سمجھ لینا ضروری نہیں کہ کسی کُلّی کا ایک فرد جیسا ہو اس کے دوسرے افراد بھی ویسے ہی ہوں۔ واجب الوجود ایک کُلّی ہے جس کا ایک فرد ذات باری تعالیٰ واجب ہے لیکن اس کے دوسرے افراد واجب نہیں بلکہ ممتنع بالذات ہیں اسی طرح ارتفاع امرین کا ایک فرد ارتفاع ضدین ممکن ہے لیکن دوسرا فرد ارتفاع نقیضین محال بالذات ہے یوں ہی اجتماع امرین کا ایک فرد اجتماع متوافقین ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے لیکن دوسرا فرد یعنی اجتماع نقیضین محال بالذات ہے بعینہ اسی طرح خاتم النبیین اور دوسرے اوصاف مذکورہ کا حال ہے کہ ان کا ایک فرد تو ممکن ہے لیکن دوسرے افراد محال بالذات ہیں۔ اس وضاحت سے یہ شبہہ بھی زائل ہو گیا کہ "ہر ممکن کی نظیر ممکن اور مقدور ہوتی ہے" اس لئے کہ ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بہت سی ایسی کُلّی ہیں جن کا ایک فرد واجب یا ممکن ہے مگر دوسرے افراد محال بالذات اور غیر مقدور ہیں۔

ہو سکتا ہے کوئی صاحب اپنے مخصوص لب ولہجہ میں آپ سے یہ فرمائیں کہ جناب اللہ صاحب تو فرماتے ہیں: ———

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ	اللہ ہر چیز پر قادر ہے

تو اللہ صاحب سرکار کی نظیر ومثیل پیدا کرنے پر کیوں نہ قادر ہوں گے؟ — تو آپ ان کو بتائیں کہ عقیدہ کی تمام کتابوں میں یہ مُصرّح ہے کہ ممتنعات اور واجبات باری تعالیٰ کے زیر قدرت نہیں صرف ممکنات زیر قدرت ہیں اس لئے کہ زیر قدرت جو امور ہوتے ہیں یا تو من جہۃ الایجاد

ہوتے ہیں یا من جہتہ الاعدام اور ممتنعات اگر من جہتہ الایجاد زیر قدرت مانے جائیں تو وہ ممتنعات نہیں رہیں گے. بلکہ ممکن ہو جائیں گے۔ اور اگر من جہتہ الاعدام مانے جائیں تو تحصیل حاصل لازم آئے گی۔ اور یہ دونوں محال ہیں دبعکسہ یجری فی الواجب

علاوہ ازیں اگر ممتنعات تحت قدرت ہوں گے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو کل ممتنعات تحت قدرت ہوں گے یا بعض ہوں گے اور بعض نہیں دوسری صورت میں ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی جو باطل ہے اور پہلی صورت میں عدم واجب الوجود بھی تحت قدرت ہوگا اور جب واجب الوجود کا عدم تحت قدرت ہوگا تو واجب الوجود واجب الوجود نہیں رہے گا۔ جو بالکل محال بالذات ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ ممتنعات اگر تحت قدرت داخل نہیں تو اس سے باری تعالیٰ کا عجز لازم نہیں آتا اور نہ قدرت کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے کیوں کہ ممتنعات میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ وہ تحت قدرت داخل ہوں بلکہ قدرت کا کمال یہی ہے کہ تمام ممتنعات دائرۂ قدرت سے باہر ہوں جس طرح آپ خوشبو کو دیکھ نہیں سکتے تو اس سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ آپ کی نگاہ کمزور ہے بلکہ یہی کہا جائے گا کہ خوشبو میں صلاحیت ہی نہیں کہ وہ دیکھی جائے۔ اسی طرح اگر سرکار کی نظیر و مثیل تحت قدرت نہ ہو تو اس سے قادر مطلق کا عجز ثابت نہ ہوگا بلکہ ہر ہوشمند یہی کہے گا کہ اس میں تحت قدرت ہونے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔



(مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب پورنوی)

صحابۂ کرام کا جذبۂ عشقِ رسول

کائنات عالم میں عشق و محبت کی نہ جانے کتنی داستانیں بکھری پڑی ہیں۔ تاریخ اپنی آغوش میں ہزاروں ارباب محبت کو سمیٹے ہوئے ہے شعبۂ محبت میں عشاق کی ایک طویل فہرست نظر آئے گی۔ مگر اس میں سے عاشقان مصطفےٰ کی محبت اُپنے اندر ایک انفرادی شان، نمایاں حیثیت اور جداگانہ انداز لئے ہوئے ہے۔ اصحاب رسول کی زندگی سے محبت کی صحیح تعبیر ہوتی ہے، ان کی لافانی محبت آج بھی تاریخ کے زریں صفحات پر سنہرے حرفوں میں ثبت ہے۔ اور اس کی تابناک حقیقت کو غیر بھی سراہتے ہیں۔ ان کی زندگی عشق رسول کا ایک ایسا مرقع ہے۔ جس کے سامنے غیروں کی گردنیں بھی عقیدتمندانہ انداز سے خم ہیں۔ صدیق اکبر ہوں یا فاروق اعظم، عثمان ذی النورین ہوں یا علی مرتضیٰ، عشرہ مبشرہ ہوں۔ یا دیگر صحابہ ہر ایک کے دل سے محبتِ رسول کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ محبین کی اس مقدس جماعت نے عشق و محبت کی صحیح صورت کائنات کے سامنے پیش کر کے کتابِ محبت میں اربابِ محبت کے لئے ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ اس اجمال کی مختصر سی تفصیل ان کی زندگی کے آئینہ میں دیکھی جائے۔ تو استعارہ و کنایہ کے حجابات اٹھ جائیں گے اور ان کے جذبۂ عشقِ رسول کی مقدس داستان ابھر کر سامنے آجائے گی —— صحابۂ کرام میں سب سے سربلند خلفائے راشدین ہیں اور جماعتِ خلفاء میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، منارہ وقوت ہیں۔ آیئے سب سے پہلے انھیں کے جذبۂ عشقِ رسول کا جائزہ لیا جائے ——

فرزند صدیق اکبر حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ، جنگ بدر میں مشرکین مکہ کے ہمراہ کفار قریش کی طرف سے لشکر اسلام سے زور آزمائی میں مصروف تھے۔ مشرف با اسلام ہونے کے بعد ایک روز شفیق باپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔ پدر بزرگوار جنگ بدر میں ایک ساعت ایسی

بھی آئی۔ کہ آپ میری تلوار کی زد میں آ گئے تھے اگر میں چاہتا تو بڑی آسانی سے آپ کو تہ تیغ کر سکتا تھا لیکن رشتۂ ابوت نے میری کلائی تھام لی۔ اور میں نے آپ کی طرف سے صرف نظر کر لیا۔ صدیق اکبر کے جذبۂ عشق نے انگڑائی لی۔ محبت رسول نے تیور بدلا۔ اور عشق رسول میں ڈوبی ہوئی ایک پرجلال آواز ابھری، وہ تمہارا کفر تھا جس نے تمہیں پدری رشتہ کی یاد دلائی۔ اور تمہارے جذبۂ مبارزت پر خونی رشتہ غالب ہو گیا۔ واللہ اگر میرے ساتھ یہی معاملہ پیش آتا اور تم میری تلوار کی زد میں آجاتے تو محبت رسول غالب آتی اور تلوار اپنا کام کر جاتی۔ چشم فلک بھی دیکھ لیتی کہ رسول کی خاطر ایک شفیق باپ نے اپنے چہیتے بیٹے کی گردن اڑا دی۔ (ابن عساکر)

قابل صد احترام ہے جذبۂ صدیقی کہ دل کی گہرائیوں سے ابھرتا ہے اور کائنات کو انگشت بدنداں کر دیتا ہے۔ صدیقی عشق رسول کی عظمت نرالی شان رکھتی ہے۔ مال اپنا ہوتا ہے مگر محبت کہتی ہے اسے اپنا نہ کہو اپنا تو صرف محبوب ہے۔ بقیہ سب کچھ محبوب کا ہے۔ حضرت صدیق کے اس جذبے کی ترجمانی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کرتی ہے۔ ان کی روایت کے مطابق سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ارشاد فرمایا۔ سرمایۂ ابوبکر سے زیادہ مجھے کسی کی دولت سے فائدہ نہیں پہونچا، سرکار کے اس فرمان سے آتش محبت کو ہوا لگی اور دبی ہوئی چنگاری شعلہ جوالہ بن گئی۔ عشق صدیقی میں ہیجان برپا ہوا۔ اور دریائے محبت بشکل آنسو آنکھوں سے ابل پڑا۔ گریہ سامانی کرتے ہوئے عرض کیا۔ اے میرے آقا محبوب و محب میں میرا اور تیرا کیسا۔ میں بھی آپ کا اور میرا سب کچھ آپ کا۔ بہت پہلے ابوبکر کا تن من دھن سب آپ پر قربان ہو چکا ہے۔ اب ابوبکر کا مال کیسا؟ (احمد)

اللہ اللہ یہ محبت صدیقی کہ مال اپنا ہے، مگر محبت کہتی ہے کہ اسے میرا نہ کہا جائے اگر محبوب بھی اس کو ابوبکر کا مال کہیں گے، تو صدیق کا آبگینۂ دل ٹوٹ جائے گا۔ حضرت صدیق کی زندگی کا ایک ایک لمحہ رضائے رسول اور عشق مصطفٰے میں گذرتا تھا۔ آپ کی پسند و ناپسند سے بھی ہم آہنگ ہوئی تھی۔ اس کا اندازہ ہم کو اس سے ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کا ایمان قبول کرنا۔ رسول کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور تھا اور دائرہ اسلام میں ان کا داخلہ رسول کی مسرت و شادمانی کا سبب اور انبساط و خوشی کا باعث تھا۔

سرکار آرزو فرماتے تھے کہ کاش چچا ابوطالب دولت ایمان سے ہمکنار ہو جائیں۔ حضرت صدیق پر جب یہ حقیقت منکشف ہوئی تو بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ قسم ہے اس ذات وحدہ لاشریک کی۔ جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ ابوطالب کا شرف ایمان سے مشرف ہونا میرے لئے میرے والد ابوقحافہ کے دائرہ اسلام میں آنے اور غلامی رسول قبول کرنے سے زیادہ عزیز و محبوب ہے کیونکہ مجھے وہی محبوب ہے جو سرکار کو محبوب ہے، مجھے وہی پسند ہے جو سرکار کو پسند ہے۔ میری ساری مسرت و شادمانی سرکار کی رضا سے وابستہ ہے جب ابوطالب کا ایمان قبول کرنا سرکار کو عزیز ہے تو بھلا میں اسے ناپسند کرنے کی جسارت کیسے کرسکتا ہوں۔ (شفا شریف)

یہ تو تھا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جذبۂ عشق رسول ——— اب بالاختصار حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی محبت تاریخ کے آئینہ میں ملاحظہ فرمائیے ——— آپ کے جذبۂ عشق رسول کی شگفتگی ایسی ہے، کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے، ہوشمندی سرپٹک دیتی ہے، خرد کی توانائی دم توڑ دیتی ہے کہ عشق و محبت کی ایسی دیوانگی تو کہیں نظر نہیں آتی۔ حضرت فاروق اعظم بارگاہ رسالت میں حاضر ہیں اور عرض کر رہے ہیں۔ یا رسول اللہ آپ مجھے میری عزیز جان کے علاوہ کائنات کی ہر نعمت سے زیادہ عزیز ہیں ——— ارشاد ہوا: لن یومن احد کم حتی اکون احب الیہ من نفسہ ——— تم میں سے کوئی مومن کامل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ میں اسے اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں ——— عمر ابھی تمہاری محبت نامکمل ہے اس میں کمال پیدا کرو ——— ارشاد نبی نے گردن فاروقی خم کر دی۔ اب عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ اب تو آپ مجھے میری عزیز جاں سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ ——— (شفا شریف)

انسان کو ماں باپ اولاد عزیز و اقارب اور خونی رشتوں سے بڑی محبت ہوتی ہے۔ اور اپنی جان تو ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے۔ دنیا میں جان سے زیادہ کوئی شے پیاری نہیں ہوتی مگر جذبۂ فاروقی نے رسول کے لئے والدین سے منہ پھیر لیا۔ اولاد کو ٹھوکر مار دی عزیز و اقارب اور خونی رشتوں سے ناتا توڑ لیا۔ حتیٰ کہ جان جیسی عزیز شے بھی محبوب کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔ یہ تمام چیزیں تو سرکار کے قدموں کی خاک ہیں۔ اور یا رسول اللہ میرے لئے عزیز و محبوب تو

صرف آپ ہی ہیں کہ کوئی دشت محبت کا شہسوار جو اس کی نظیر پیش کر سکے. مجنوں اور فرہاد جیسے عشق و محبت میں مارے ہوئے آزمودہ کار بھی محبت فاروقی کے آگے زانوئے تلمذ تہ کریں.

عشق فاروقی کا ایک اور منظر بھی قابل دید ہے —— آپ حجر اسود کے سامنے کھڑے ہیں اور جوش محبت میں اس کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں. تو ایک پتھر ہے تجھ میں نفع وضرر کی صلاحیت نہیں تیری ذات سے میرے لئے کوئی منفعت ومضرت نہیں۔ میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا. اگر میری آنکھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا، میں تجھے اس لئے چومتا ہوں کہ تجھے محبوب کے لبہائے مقدس مس ہوئے ہیں. نسبت رسول کی وجہ سے تجھے چوم رہا ہوں —— (شفا شریف)

محبت فاروقی کی جلوہ سامانی کا ایک اور دل کش پہلو بھی قابل دید ہے —— آپ نے مقام ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز ادا کر کے فرمایا۔ میری نگاہوں نے آقا کو جو کرتے ہوئے دیکھا ہیں نے بھی وہی کیا۔ آقا نے یہاں دو رکعت نماز ادا فرمائی تھی. عشق نے مجبور کیا کہ عمر تم بھی یہاں اپنا سجدہ لٹاؤ. اس لئے اس دو رکعت کی ادائیگی ہوئی ہے — (شفا شریف)

مختصر یہ کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی محبت رسول بھی دست محبت میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے.

اب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے جذبہ عشق رسول کے کچھ تراشے پیش ناظرین ہیں:

صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش نے حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کو طواف کعبہ کی اجازت دے دی. عثمان اگر تم چاہو تو صرف تمہارے لئے اجازت ہے تم کعبہ کا طواف کر سکتے ہو. مگر تمہارے رسول اور رفقاء اس اجازت سے مستثنیٰ ہیں. طواف کعبہ ایک عظیم عبادت ہے نصیبہ والوں کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے. حضرت عثمان کی یہ خوش بختی ہے. کہ انھیں طواف کی اجازت مل گئی انھیں طواف کر لینا چاہیئے. مگر محبت کہتی ہے. کہ محبوب نے ابھی طواف نہیں کیا ہے. تم طواف کروگے ؟ نہیں نہیں بغیر محبوب کے طواف کرنے کا قصد بھی نہ کرنا. محبت کی اس آواز پر انھوں نے قریش کو جواب دیا. میری غیرت ایمانی یہ گوارہ نہیں کر سکتی کہ رسول سے پہلے میں طواف کر لوں۔ میں اس وقت تک ہرگز طواف نہیں کر سکتا جب تک کہ سرکار طواف

نہ فرمائیں ـــــ (شفا شریف)

عثمانی عشق و محبت کی ایک اور روایت سے کائنات دل کو معمور کر لیجئے ـــــ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو سھلہ کا بیان ہے کہ ایک بار ہم نے دیکھا کہ سرکار حضرت عثمان سے سرگوشی فرما رہے ہیں۔ آپ کے گوش اقدس میں کچھ ایسی باتیں پہونچیں جس سے آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ شگفتہ چہرہ پژمردہ ہوگیا۔ پھر ایک زمانہ کے بعد وہ مہیب ساعت آئی۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوائیوں نے ان کے کاشانۂ اقدس میں محصور کر دیا۔ ہم نے آپ سے عرض کیا۔ اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا ہے۔ اب ان کی سرکوبی کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ میرے آقا نے مجھے مقابلہ کی نہیں بلکہ صبر و شکر کی وصیت فرمائی ہے ـــــ (بیہقی)

قابل توجہ ہے یہ امر کہ جان خطرے میں ہے۔ کھانا پانی بند ہے۔ گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکتے۔ جان کو عظیم خطرہ لاحق ہے۔ آپ کو حکم دے دینا چاہیئے تھا کہ ہاں ہاں ان بلوائیوں کو روند ڈالو۔ صفحہ ہستی سے نیست و نابود کردو۔ مگر آپ ایسا کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ کیونکہ محبت کہتی ہے کہ چاہے جان چلی جائے مگر محبوب کی وصیت پر آنچ نہ آنے پائے۔ آپ کا یہ جذبۂ عشق ہی تھا۔ کہ رسول کے ایک اشارہ پر آپ نے اونٹوں کی ایک کثیر جماعت، دیناروں کے کھنکتے ہوئے ہزاروں سکے مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے زمین اور بیر رومہ خرید کر قدم مصطفیٰ میں بچھا دیا ـــــ (مشکوٰۃ شریف)

غرض کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زندگی بھی عشق رسول کا گلدستہ ہے ـــــ

مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ بھی عشق رسول سے معمور ہے ان کا ایک ہی فرمان اتنی جامعیت کا حامل ہے کہ محبت کے تمام شعبے اس میں سمٹ آتے ہیں۔ آپ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ حضرات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کس انداز کی محبت کرتے تھے۔ آپ کے جذبۂ عشق کے کیا تیور ہوئے تھے؟ ارشاد فرمایا۔ لوگوں کو اپنا مال بہت عزیز ہوتا ہے مگر ہم رسول کے سامنے مال کو ٹھوکر مارتے تھے۔ اپنی اولاد سے بے پناہ پیار ہوتا ہے مگر ہماری اولاد رسول کی محبت کی بھینٹ چڑھتی تھی۔ والدین سے یک گونہ محبت ہوتی ہے مگر

محبت رسول کے سامنے والدین کی محبت بھی دم توڑتی نظر آئی۔ سخت پیاس کے وقت ٹھنڈا پانی جتنا محبوب ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ ایک پیاسا ہی کرسکتا ہے۔ مگر شدت تشنگی میں پانی رسول کو اختیار کرتے ہو یا فرحت بخش ٹھنڈے پانی کو۔ تو قسم ہے خدائے وحدہ لاشریک کی ہم سکون بخش ٹھنڈے پانی کو ٹھوکر مار کر اپنی جان قربان کر دیں گے۔ مگر ہم یہ کبھی گوارہ نہیں کر سکتے۔ کہ رسول کو چھوڑ کر سرد پانی کی طرف نگاہ اٹھادیں —— (شفا شریف)

خلفائے راشدین کے بعد دیگر صحابہ کی داستان عشق بھی ذہن نشین کرتے چلئے ——

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما گروہ صحابہ میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، آپ کا پیر سُن ہوگیا ہے۔ آپ سے کہا گیا۔ کہ کائنات میں جو سب سے زیادہ آپ کو محبوب ہو اُس کو پکاریئے مرض سے نجات مل جائے گی۔ آپ نے فوراً پکارا یا محمد اہ۔ پکارتے ہی پیر درست ہوگیا —— (نزھۃ الناظرین)

حاضرین کے ذہن میں خونی رشتوں کی ایک طویل فہرست ابھر آئی ہوگی۔ لیکن آپ نے سب کو پس پشت ڈال دیا اور صرف رسول کو پکار کر یہ اعلان کر دیا کہ پوری کائنات میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ایک مقام پر آپ کی محبت دیوانگی کے روپ میں نظر آتی ہے۔ آپ کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار ہے اور اونٹ کو کبھی اس گلی میں لے جاتے ہیں اور کبھی اس گلی میں سے جاتے ہیں کبھی اس گلی کو گذرگاہ بناتے ہیں کبھی اُدھر کا رخ کرتے ہیں کبھی ادھر کا۔ ان سے سوال کیا گیا حضور والا یہ کیا ہو رہا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم میں تو اتنا جانتا ہوں۔ کہ ایک روز میں نے اپنے آقا کو اسی انداز میں دیکھا تھا۔ محبت نے مجبور کیا کہ عبداللہ محبوب کی اداؤں کو دہراؤ۔ اور میں سرکار کی اداؤں کی نقل کرنے لگا —— (شفا شریف)

جو لوگ آداب محبت سے بیگانہ ہیں۔ عشق کے تقاضوں سے نا آشنا ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زندگی کا ایک گوشہ انھیں دعوت فکر دیتا ہے۔ آپ اکثر و بیشتر منبر رسول کے پاس کھڑے ہوتے اور منبر رسول پر رسول کے تشریف فرما ہونے کی جگہ ادب سے ہاتھ رکھتے اور پھر اسے اپنے چہرے پر مل لیتے تھے —— (شفا شریف)

عقل کہتی ہے کہ ایک منبر کی کیا حیثیت ہے. لکڑی کا ڈھانچہ ہے. ادنیٰ حقیقت رکھتا ہے. جب وہ خود مقدّس نہیں. تو اس سے تقدّس کیسے حاصل ہوگا. مگر محبت عبداللہ کہتی ہے کہ اسے رسول کے مقدس جسم سے نسبت ہے. مقدس سے نسبت رکھنے والا بھی مقدس ہوتا ہے. لہذا ایسی چیزوں سے تقدس حاصل کرو۔ محبت رسول میں آپ کی وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ آپ ہمیشہ دباغت شدہ اور زرد رنگ کا کالا جوتا پہنتے تھے کیونکہ آپ نے سرکار کو ہمیشہ ایسے ہی نعلین میں دیکھا تھا۔ (شفا شریف) ——— محبت کا تقاضا بھی یہی ہے. کہ چلتی پھرتی چیزوں میں بھی محبوب کی پسند کو مدنظر ہونا چاہیئے.

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا جذبۂ عشق بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے. ان کی دیوانگی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان کے کاشانۂ اقدس پر سرکار کے قیام کے دوران میں گھر کے اندر جو کچھ پکتا سب رسول کی بارگاہ میں پیش ہو جاتا. سرکار اس میں سے حسب اشتہا تناول فرما لیتے تھے جب بچا ہوا کھانا گھر پہنچتا تو رسول کے متوالوں کا حال قابل دید ہوتا تھا. عشق رسول میں سرشار خاندان کھانے میں رسول کے نشان انگشت تلاش کر کے وہیں سے لقمہ لینے کی کوشش کرتا تھا۔ ایک روز بارگاہ رسالت سے کھانا واپس آیا. نشانہائے انگشت کی تلاش ہوئی مگر ایک نشان بھی نہ ملا. حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں مضطربانہ عرض کیا یا رسول اللہ آج آپ نے کھانا تناول نہیں فرمایا. خدانخواستہ طبیعت تو ناساز نہیں ہے. رسول نے ارشاد فرمایا کھانا نہ کھانے کا سبب یہ ہے کہ آج کھانے میں کچّا لہسن پڑا ہوا ہے. اور کچّا لہسن مجھے پسند نہیں. عرض کیا یا رسول اللہ جب آپ کو کچّا لہسن پسند نہیں تو میں بھی آج سے کبھی کچّا لہسن استعمال نہیں کروں گا اور پھر انھوں نے زندگی کے آخیر لمحہ تک کچے لہسن کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ (جواہر البہار شریف)

عشق و محبت کی یہی وہ منزل ہے جہاں کھری کھوٹی محبت بے نقاب ہو جاتی ہے عقل کہتی ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ کھانے پینے کے معاملہ میں اپنی پسند کو رسول کی پسند کا پابند کیا جائے۔ اور محبت کہتی ہے کہ وہ عقل والوں کا شیوہ ہوگا. اصل محبت کا انداز فکر تو یہ ہے کہ محبوب کی ناپسند کی طرف نگاہ اٹھانا بھی توہین محبت ہے. لہسن حرام نہیں ناجائز نہیں.

اس کے استعمال میں کوئی شرعی قباحت نہیں مگر جب محبوب نے اسے ناپسند فرمادیا، تو محب کے لئے اس کا استعمال نازیبا ہے۔

حضرت زید ابن وثنہ رضی اللہ عنہ کی والہانہ محبت بھی تاریخ کے سینے میں ایک تابناک حیثیت رکھتی ہے۔ جب شہید کرنے کے لیے ان کو حدود حرم سے باہر نکالا گیا۔ اور وہ مقتل میں پہونچے تو ابو سفیان ابن حرب نے کہا۔ زید اس وقت تو تمہارے دل میں یہ خواہش کروٹ لے رہی ہو گی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری جگہ ہوتے۔ ان کی گردن زدنی ہوتی اور تم اپنے اہل وعیال میں مصروف عیش ہوتے۔ محبت رسول کا متوالا تڑپ اٹھا۔ حضرت زید مضطرب ہو گئے۔ ارشاد فرمایا۔ ابو سفیان اپنے پیشواؤں سے متعلق تمہارا یہ طریقۂ فکر ہو سکتا ہے۔ مگر میں تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کہ رسول کسی ایسی جگہ تشریف رکھیں جہاں آپ کے پائے مبارک میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے اور میں اپنے خاندان میں آرام پذیر رہوں۔ قسم ہے خدائے ذوالجلال کی ہمیں سر کٹا دینا محبوب ہے مگر یہ گوارہ نہیں۔ کہ آقا کے قدم میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ اس ناقابل تردید حقیقت کو دیکھ کر ابو سفیان نے بھی بے ساختہ کہہ دیا۔ اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس انداز کی محبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرتے ہیں ہم نے کسی کو بھی کسی سے بایں انداز محبت کرتے نہیں دیکھا۔ (شفا شریف)

بروایت شفا شریف حضرت عمر ابن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کائنات کی کوئی نعمت عزیز و محبوب نہیں۔

سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی محبت بھی اپنے اندر ایک ندرت لئے ہوئے ہے۔ رسول سے جدائی آپ کے لئے ناقابل برداشت ہوتی تھی۔ اگر کبھی رسول کو نہ دیکھتے تو بے قرار ہو جاتے تھے۔ ایک روز بارگاہ مصطفیٰ میں عجیب انداز سے حاضری دیتے ہیں۔ چہرے کا رنگ اڑا ہوا ہے۔ حالت خستہ ہے۔ بشرے سے حزن وملال پھوٹ رہا ہے۔ سرکار نے فرمایا ثوبان آج تمہارا انداز کیوں بدلا ہوا ہے، خیریت تو ہے۔ چہرہ اترا ہوا کیوں نظر آرہا ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں کسی مرض کا شکار نہیں ہوں۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ صرف یہ درد مجھے ستا رہا ہے۔

کہ آقا کی زیارت نہیں ہو پاتی۔ جب دیدار کی تڑپ بڑھتی ہے۔ دل بے قرار ہوتا ہے تو مضطربانہ حاضری کا شرف حاصل کرتا ہوں۔ مگر اے میرے آقا یہاں تو زیارت کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آتی ہے۔ آخرت کا خوف دامن گیر ہے کہ وہاں سرکار انبیاء کرام کے ساتھ مقام رفیع میں جلوہ فرما ہوں گے۔ اور خوش نصیبی سے اگر جنت میرے حصہ میں آئی تو ادنیٰ مقام پر میں محدود رہوں گا۔ اور اگر خدانخواستہ جنت ہی سے محروم ہوگیا تو پھر آقا کی زیارت کے شرف کی کیا صورت ہوگی؟ دونوں صورتوں میں آپ کی زیارت سے ہمیشہ محرومی رہے گی۔ یہی فکر مجھے مبتلائے وحشت کئے ہوئے اس فکر میں دبلا ہوتا جارہا ہے۔ محبت کے ماروں کی آرزو پوری نہ ہو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے، عشق ومحبت کی یہ آہ باب اجابت تک پہونچ گئی۔ اور وہاں سے فوراً پیام مسرت بھی آگیا

مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔	خدا اور رسول کے اطاعت شعار بارگاہ خداوندی کے انعام یافتہ نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ ہوں گے۔

سرکار نے حضرت ثوبان کو خدا کا یہ پیغام سنا دیا۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں ساتھ ہو تو تمہاری محبت وہاں بھی تمہیں میری ہمراہی میں رکھے گی۔ (نزھۃ الناظرین)

جس صحابی پر نظر ڈالو وہ رسول کا جاں نثار نظر آتا ہے۔ ہمیں کوئی بھی ایسا نہیں ملتا جس کے اندر جذبۂ محبت کی کارفرمائی نہ ہو — حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا جذبۂ عشق ملاحظہ ہو۔ آپ اپنی ٹوپی میں سرکار کے موئے مبارک عقیدت ومحبت سے رکھتے تھے۔ ایک موقع پر عین جنگ میں آپ کی ٹوپی سر سے گر گئی۔ عقیدت بھرا دل تڑپ اٹھا۔ ٹوپی میں سرکار کے موئے مبارک ہیں کہیں اس پر کسی کا پیر نہ پڑ جاوے۔ اگر ایسا ہوگیا تو پھر عقیدت کی بڑی رسوائی ہوجائے گی۔ فوراً کسی خطرے کی پرواہ کئے بغیر جنگ کی طرف سے توجہ ہٹا کر باز کی طرح ٹوپی پر جھپٹے اور عقیدت سے ٹوپی کو سر پر رکھ لیا۔ صحابہ کرام نے ان کے اس فعل کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ اور تنقیداً کہہ بھی دیا۔ خالد یہ کہاں کی ہوش مندی ہے کہ ایک معمولی سی ٹوپی کے لئے اپنے کو خطرات کے حوالہ کردیا جائے۔ آپ نے فرمایا ٹوپی کی وجہ سے یہ فعل مجھ سے سرزد نہیں ہوا۔ بلکہ یہ محبت بھری

حرکت تعظیم رسول کی وجہ سے ہوئی ہے۔ میری معمولی ٹوپی میں رسول کے گرانقدر موئے مبارک تھے میں نے سوچا موئے مبارک کی کہیں بے حرمتی نہ ہو جائے۔ کہیں اس کی برکت مجھ سے سلب نہ ہو جائے۔ اس لئے جذبۂ محبت نے اس حرکت پر مجبور کیا۔ اور موئے مبارک کی کہیں بے حرمتی نہ ہو جائے۔ اور موئے مبارک کی حرمت کے تحفظ کے لئے میں ٹوپی پر جھپٹ پڑا۔ (شفا شریف)

محبت بلالی آواز دیتی ہے۔ اب ذرا اس کی طرف اپنی توجہ مبذول کیجئے ــــ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہیں۔ بچنے کے آثار مفقود ہو چکے ہیں۔ قریب مرگ ہیں۔ عالم جانکنی کو دیکھ کر ان کی بیوی تڑپ اٹھیں۔ اور ان کی غم میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری واحزناہ ہائے حزن و ملال کہ رفیق زندگی ساتھ چھوڑ رہا ہے۔ میری کائنات اجڑ رہی ہے۔ گوش بلال میں یہ درد بھری آواز پہونچی تو آپ نے فوراً اس کی تردید کی۔ غم کی کیا بات ہے واطرباہ۔ وائے خوشیوں کا ہجوم کہ کل میں اپنے محبوب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ان کی محبوب جماعت کی زیارت کا شرف حاصل کروں گا۔ یہ تو مقام خوشی ہے کہ نہ کہ غم ــــ (شفا شریف)

صحابۂ کرام کا جذبۂ عشق کبھی کبھی ایسی نرالی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ کہ دیکھنے والے عش عش کر کے رہ جاتے تھے۔ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے سر میں پیشانی کے اوپر بالوں کا ایک گچھا رہتا تھا۔ جب وہ اسے کھول کر اس میں کنگھا کرتے تو بالوں کی لٹ زمین بوس ہو جاتی تھی ــــ ان سے دریافت کیا گیا کہ اسے کٹا کیوں نہیں دیتے۔ کیا اس کی بقا میں کوئی حکمت مضمر ہے؟ انھوں نے کہا سبحان اللہ انھیں کٹانے کا مشورہ دیا جا رہا ہے ان بالوں سے میرے آقا کے دست مبارک مس ہوئے ہیں۔ یہی تو میرے لئے سرمایۂ آخرت ہیں۔ میں انھیں کٹانے کی جسارت کیسے کر سکتا ہوں ــــ (شفا شریف)

صحابۂ کرام کے جذبۂ عشق رسول کے چند اور تراشے پیش قارئین ہیں :ــــ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ سرکار پیالے میں کدو تلاش کر رہے ہیں۔ اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر کدو تناول فرما رہے ہیں۔ سمجھ گئے کہ آقا کو کدو غایت درجہ مرغوب ہے۔ اسی دن سے وہ بھی کدو کو پسند فرمانے لگے۔ اور ان کے لئے کدو جیسی محبوب و مرغوب غذا کوئی نہ رہی ــــ (شفا شریف)

حضرت امام حسن بن علی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس اور ابن جعفر رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک مقدس جماعت حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے حضور حاضر ہوئی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ آج آپ ایسا کھانا بنایئے جو سرکار کو مرغوب تھا تاکہ ہم بھی اسے اپنی مرغوب غذا بنالیں۔ (شفا شریف)

عقیدت و محبت میں صحابی عورتیں بھی صحابہ سے پیچھے نہیں ہیں۔ ان کا جذبہ محبت بھی کتاب محبت میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتا ہے ــــــ جنگ احد میں ایک انصاری صحابیہ کے شوہر والد۔ بھائی رسول کے قدموں میں اپنی متاع زندگی ڈال کر منصب شہادت پر فائز ہوگئے۔ خونی رشتے کی کتنی اہم ہستیوں نے رفاقت توڑ دی۔ ان کا دل بے قرار ہے مگر باپ بھائی اور شوہر کے لئے نہیں۔ بلکہ رسول خدا کے لئے انھیں معلوم ہے۔ کہ ان حضرات نے رفاقت سے منھ موڑ لیا ہے۔ دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں۔ مگر انھیں کوئی غم نہیں ہے۔ اضطرابی ہے۔ تو رسول کی خیریت کے لئے۔ صحابہ سے دریافت کیا میرے آقا کس حال میں ہیں۔ مجھے محبوب کی خیریت سے آگاہ کرو۔ کہدیا گیا بحمداللہ تمہاری منشار کے مطابق رسول خیریت سے ہیں۔ مگر بے قرار دل کو سکون نہیں ملتا۔ مجھے سرکار کو دکھاؤ۔ بغیر دیکھے محبت کی اضطرابی نہیں جائے گی۔ بغیر دیدار کے قلب مضطر کو سکون نہیں ملے گا۔ صحابہ نے انھیں سرکار کی بارگاہ میں حاضر کر دیا۔ لو محبوب سامنے ہیں خوب جی بھر کے زیارت کرلو۔ اس عاشق زار خاتون نے عقیدت و محبت کے گراں بہا جوہر بکھیر دیئے۔ شوہر شہید ہوگئے ہونے دو۔ باپ کی گردن کٹ گئی کوئی غم نہیں۔ بھائی کا ساتھ چھوٹ گیا کوئی پرواہ نہیں۔ محبوب خیریت سے ہیں تو ہر مصیبت دور ہے۔ آقا کی خیریت سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا خیریت ہوسکتی ہے۔

عورتیں بھی محبت رسول میں بالکل مردوں کے دوش بدوش نظر آتی ہیں۔ ایک اور صحابیہ کا جذبہ عشق دعوت مطالعہ دیتا ہے ــــــ ایک صحابیہ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اضطرابی قلب بڑھتی جارہی ہے۔ سوز محبت نے طبیعت کو بے چین کر رکھا ہے۔ زیارت رسول کے لئے دل تڑپ رہا ہے۔ روضۂ رسول ہی دکھلایئے تاکہ قلب مضطر کو سکون نصیب ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی تسکین قلب کی خاطر قبر انور کھول دی۔ بارگاہِ حسن میں عشق کی جولانیت دیکھئے۔ کہ حسن کی چوکھٹ پر عشق کا سر خم ہے۔ آنکھوں سے سیل محبت

رواں ہے۔ محبوب کی جدائی میں گریہ سامانی ہو رہی ہے۔ اے اللہ اب یہ جدائی ناقابل برداشت ہے۔ مجھے میرے محبوب کے پاس پہونچا دے —— سوزِ عشق نے باب اجابت کو کھٹکھٹایا رحمت خداوندی جھومی اور عشق کی فریاد کو آغوش رحمت میں جگہ مل گئی۔ چشم عالم نے بھی دیکھ لیا کہ حسن کی بارگاہ میں ایک عاشق زار نے محبوب کی جدائی کی تاب نہ لاکر دم توڑ دیا۔ (شفا شریف)

زنان مصر کو آواز دو آکر دیکھ جائیں ایک عاشق زار کے لاشہ کو۔ آج آستانۂ محبوب پر جذبۂ عشق رسول کی ایک زندۂ جاوید مثال پڑی ہے جس کی لافانی حقیقت نے ارباب خرد کے ہوش اڑا دیئے ہیں ——

یہ تو انفرادی انداز سے صحابہ کرام کا جذبۂ محبت پیش ہوا۔ اب اجتماعی روپ میں ان کی دیوانگی کا سوز و گداز ملاحظہ فرمائیے —— حضرت اسحاق تجیبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کے وصال کے بعد اصحاب رسول انتہائی خشوع کے ساتھ ذکر رسول کرتے تھے اور بوقت ذکر ہیبت سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور وہ محبت رسول میں اکثر گریہ سامانی کرتے تھے (شفا شریف)

یہ بھی محبت کا ایک انداز ہے کہ محبوب کا ذکر تعظیم و توقیر سے کیا جائے۔ اور توقیر رسول کو ایمانی جزو سمجھا جائے —— حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ اصحاب رسول احترام محبوب میں باب رسول پر اپنے ناخنوں سے دستک دیتے تھے تاکہ سماعت محبوب پر گراں نہ گزرے۔ (شفا شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی نگاہوں سے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے موئے مبارک اتروا رہے ہیں اور عاشقان رسول موئے مبارک کے حصول کے لئے پروانہ وار آپ کا طواف کر رہے ہیں۔ سرکار کے سر سے اگر ایک بھی موئے مبارک جدا ہوتا ہے تو کسی نہ کسی کے ہاتھ میں پڑتا ہے ایک بھی بال زمین پر گرنے نہیں پاتا — (شفا شریف)

حضرت عروہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے نمائندہ کی حیثیت سے جب سرکار کی بارگاہ میں پہونچے۔ تو دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے ہیں اور اصحاب رسول ان کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ رسول کے پروانے چاروں طرف شمع رسالت کا طواف کر رہے ہیں جسم اقدس سے وضو کا پانی جدا بھی ہونے نہیں پاتا۔ کہ پروانے اسے اپنے ہاتھوں میں روک لیتے ہیں کسی نے

شوق محبت میں اپنا دامن پھیلا دیا ہے۔ تاکہ وضو کا غسالہ نصیب ہو جائے۔ وارفتگی کا یہ عالم ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پانی کے حصول کے لئے آپس میں لڑ پڑیں گے ـــــ رسول لعاب دہن زمین پر ڈالتے ہیں۔ ناک صاف کرتے ہیں۔ مگر یہ جاں نثار اسے بھی زمین تک پہونچنے نہیں دیتے۔ بلکہ درمیان ہی سے اسے اچک لیتے ہیں۔ اور اس کو کوئی اپنے چہرے پر مل رہا ہے کوئی سینے پر مل رہا ہے کوئی جسم کے دیگر حصوں کو فیض پہونچا رہا ہے۔ آپ کا کوئی موئے مبارک اگر ٹوٹتا ہے تو یہ دیوانے اس کے حصول کے لئے آپس میں متصادم ہو جاتے ہیں۔ رسول انھیں کوئی حکم دیتے ہیں۔ تو اس کی تعمیل کے لئے ہر شخص پیش قدمی کرتا ہے اور ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میرے ہی ہاتھوں یہ کام انجام پذیر ہو۔ جب وہ اپنے رسول کے حضور گفتگو کرتے ہیں۔ تو آواز پست رکھتے ہیں۔ رسول کی تعظیم و توقیر بجالانے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ رسول سے آنکھیں نہیں ملاتے۔ بلکہ نگاہیں نیچی رکھتے ہیں۔ حضرت عروہ ابن مسعود دیوانگان رسول کی یہ دیوانگی دیکھتے جاتے تھے اور حیرت سے ان کی آنکھیں پھیلتی جاتی تھیں۔ اور پھر جب وہاں سے لوٹے تو بارگاہ رسالت کے عقیدت کیشوں کے والہانہ عشق و محبت کی چھاپ ان کے دل و دماغ پر کچھ ایسی پڑی کہ قریش کے سامنے اپنے دلی تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کئے بغیر نہ رہ سکے ـــــ اے جماعت قریش ! قیصر و کسریٰ کے درباروں کو میں نے دیکھا ہے۔ نجاشی کے دربار کی عظمت سے میں خوب واقف ہوں۔ سلاطین عالم کے درباروں کی نخوت سے میری آنکھیں آشنا ہیں۔ مگر قسم ہے خدائے ذوالجلال کی۔ بارگاہ مصطفےٰ کی عظمت ہی نرالی ہے ـــــ کسی شہنشاہ کے حواری اس کی تعظیم و توقیر ویسی نہیں کر سکتے جیسی اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رسول کی کرتے ہیں ـــــ (بخاری شریف)

صحابۂ کرام کا یہی جذبۂ عشق رسول ہے تاریخ جس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ غیر بھی ان کے جذبۂ محبت کی بالاتری کو تسلیم کرتے ہیں۔ دشمنوں کے قلب و روح بھی ان کی دیوانگی سے متاثر ہیں۔ اسی جذبہ کو لے کر وہ اٹھے تو کائنات عالم پر چھا گئے۔ عظمت کائنات ان کی ٹھوکروں میں آگئی۔ دنیاوی فیروزمندی ان کے قدموں تلے بچھ گئی۔



(مولانا محمد احمد صاحب اشرفی اعظمی)

مولوی اسمٰعیل دہلوی کی کتابوں کے متعلق چند اشارات

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی جن کی کتابیں تقویۃ الایمان، صراط مستقیم اور رسالہ یکروزی وغیرہ ان کے موافقین اور مخالفین میں اس طرح مشہور ہیں کہ ایک طرف مولوی اسمٰعیل اور ان کی کتابیں ان کے موافقین سے خراج تحسین و آفرین وصول کر رہی ہیں تو دوسری طرف ان کے مخالفین جو حدو شمار سے باہر ہیں ان کی طرف سے مولوی اسمٰعیل اور ان کی کتابیں لعن و طعن بلکہ کفر کے فتوے سن رہی ہیں۔

موافقین میں ہندوستان کی دو جماعتیں ہیں، ایک دیوبندی دوسری غیر مقلد یہ دونوں جماعتیں مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کی مدح سرائی میں ان کتابوں کی حقانیت نوازی کا عجیب انداز میں ذکر کرتی ہیں۔ دیوبندی جماعت جو حنفیت اور تقلید کی مدعی ہے وہ مولوی اسمٰعیل کو حنفی اور مقلد ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتی ہے۔ جب کہ غیر مقلدین مولوی اسمٰعیل کو تقلید شخصی کا منکر اور اپنی طرح غیر مقلد (اہل حدیث) ثابت کرنے میں زمین و آسمان ایک کئے دیتے ہیں۔ یعنی موافقین میں ایک طرح جماعت مولوی اسمٰعیل کو مقلد اور حنفی ثابت کر کے حنفیوں میں ان کو مقبول بنا کر ان کی کتابوں کو حنفی مسلک کی کتابیں باور کرا رہی ہیں۔ اور غیر مقلدین اس کوشش میں ہیں کہ مولوی اسمٰعیل کی حق پرستی اور ان کی کتابوں کی حقانیت نوازی اس جہت سے ثابت ہو کہ وہ اصل میں غیر مقلد تھے۔ بہرحال یہ دونوں جماعتیں مولوی اسمٰعیل کو اپنے اپنے مسلک کا ثابت کرتے ہوئے ایک متفقہ بات یہ ثابت کرنے میں لگی ہوئی ہیں کہ مولوی اسمٰعیل حق پرست تھے اور ان کی کتابیں ہر جہت سے حق پرستی پر مبنی ہیں۔

مخالفین میں مسلمانوں کی ایک مشہور جماعت جو میلاد و قیام اور نیاز و فاتحہ وغیرہ کے جواز کی قائل ہے۔ وہ مولوی اسمٰعیل اور ان کی مذکورہ بالا کتابوں سے سخت بیزاری کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کتابوں میں ایسی دلخراش باتیں پاتے ہیں جن کو کوئی مسلمان ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں کر سکتا۔

موافقین جب مولوی اسمٰعیل صاحب کی کتابوں کی طرف سے صفائی دیتے ہیں تو ان کی زبان و قلم

سے کچھ ایسی باتیں بھی نکلتی ہیں جن سے کم ازکم اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کی یہ کتابیں موافقین ہی کے بیان کے مطابق سقم سے خالی نہیں مثلاً تقویۃ الایمان کی طرف سے صفائی دیتے ہوئے ایک صاحب نے یوں تحریر فرمایا ہے کہ اصل میں تقویۃ الایمان وغیرہ کتابوں کے لب ولہجہ میں اس وجہ سے تھوڑی سختی آگئی ہے کہ جس وقت مولوی اسمٰعیل صاحب نے یہ کتابیں لکھی ہیں اس وقت دہلی اور اطراف دہلی کے مسلمان شرک وبدعت میں مبتلا تھے۔ اور اولیاء و انبیاء کے بارے میں اپنے عقیدوں میں بہت غلو کر گئے تھے۔ چنانچہ لوگ ولیوں کو بڑھا کر نبی بنا دیتے تھے اور نبیوں کو بڑھا کر خدا تک پہنچا دیتے تھے۔ لہٰذا ایسے غالی اور بدعقیدہ مسلمانوں کی اصلاح ہدایت کے لئے مولوی اسمٰعیل صاحب اپنی کتابوں میں تلخ کلامی کے شکار ہو گئے۔ یعنی ان کے قلم سے نامناسب الفاظ نکل گئے۔ اس قسم کا اعتراف بکثرت آپ موافقین کی زبان وقلم سے پائیں گے۔ اس سلسلہ میں آپ کی توجہ ماہنامہ تجلی دیوبند کے پرانے فائلوں کی طرف مبذول کراؤں گا۔

بہرحال تقویۃ الایمان وغیرہ کی عبارتیں حد کفر تک نہ بھی پہنچی ہوں تو کم ازکم کتابوں کے موافقین یعنی ان کتابوں کو حقانیت نواز ثابت کرنے والے اتنا تو ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کی یہ کتابیں روح فرسا حد تک سخت بیانی سے ملوث ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی نے دہلی کے بدعتیوں کی بدعات اور غالی مسلمانوں کی گمراہیوں سے کُڑھ کر یہ کتابیں لکھیں اور سخت لب ولہجہ اختیار کیا تو انھوں نے یہ ظلم کیوں کیا کہ بجائے اس کے کہ وہ مجرموں کو سزا دیتے بے خطاؤں کو سزا دینے لگے۔ میری مراد اُس سے یہ ہے کہ جو مسلمان بقول دیوبندی وغیر مقلدین حضرات انبیاء کو بڑھا کر خدا تک پہنچاتے تھے اور ولیوں کو اٹھا کر نبیوں کے مقام پر بٹھاتے تھے۔ تو مجرم یہ مسلمان تھے یا انبیاء و اولیا؟ ظاہر ہے کہ مجرم یہ گمراہ مسلمان تھے نہ کہ انبیاء و اولیاء۔ سزا گمراہ مسلمانوں کو ملنی چاہیئے نہ کہ انبیاء و اولیاء کو ـــــ لیکن آپ تقویۃ الایمان وغیرہ کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ مولوی اسمٰعیل نے گمراہ مسلمانوں کی گردن نہیں ماری ہے بلکہ اولیاء و انبیاء کی گردن ماری ہے۔

دراصل مولوی اسمٰعیل اپنے اصلاحی قدم کے اٹھانے میں اُپنے سخت قسم کے غصہ کے شکار تھے۔ اس لئے انھوں نے مسلمانوں کی اصلاح اس میں سمجھی کہ یہ گمراہ مسلمان انبیاء و اولیاء کو جتنا حد سے بڑھا

کر گمراہ ہو رہے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو اتنا ہی ان کے مرتبے سے گراؤ، تاکہ یہ گمراہ مسلمان حد اعتدال پر آجائیں۔ دراصل مولوی اسمٰعیل کی یہی ناپاک ذہنیت تھی جس نے اپنی کتابوں کے ذریعہ گمراہی کے ایسے ایسے فتنے اٹھائے کہ الامان والحفیظ۔

بعض موافقین نے تقویۃ الایمان کی طرف سے صفائی دیتے ہوئے یہ بات بھی لکھی ہے کہ دراصل کتاب تقویۃ الایمان فارسی زبان میں لکھی گئی تھی۔ بعد میں کسی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اس صفائی کا مقصد یہ ہے کہ اصل میں مولوی اسمٰعیل قصوروار نہیں ہیں بلکہ تقویۃ الایمان کا ترجمہ کرنے والا مجرم ہے۔ یہ بات مولوی عبدالشکور صاحب مرزاپوری نے تقویۃ الایمان کی طرف سے صفائی دینے میں کہی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لئے اگر یہ بات مان لی جائے کہ اصل کتاب تقویۃ الایمان فارسی میں ہے۔ تو یہ فارسی زبان والی تقویۃ الایمان ہندوستان کے کسی بھی گھر میں کوئی بھی ایک نسخہ موجود نہیں ہے اگر ہے تو نکال کر دکھاؤ۔

دوسرے یہ کہ اگر بالفرض یہ تقویۃ الایمان کی بے ہودگیاں اردو ترجمہ کرنے والے کی بے ہودگیاں ہیں تو مولوی عبدالشکور صاحب مرزاپوری کی طرح سب کے سب صفائی دینے والے اس بات کو کیوں نہ اک زبان ہو کر تسلیم کرلیں کہ یہ اردو تقویۃ الایمان کی بے ہودگیاں ترجمہ کرنے والے کی بے ہودگیاں ہیں نہ کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کی۔

مولوی اسمٰعیل صاحب نے جہاں اپنی کتابوں کے سلسلہ میں بہت سے ظلم ڈھائے ہیں وہاں ایک بڑا ظلم یہ کیا ہے کہ وہ آیات قرآنی جو یہودیوں اور نصاریٰ یا بت پرستوں کی مذمت میں نازل ہوئیں ان آیتوں کو مسلمانوں کے کچھ اعمال میں کھینچ تان کر گمراہی کا پہلو نکالا اور پھر بے دھڑک یہود و نصاریٰ اور بت پرستوں کے حق میں نازل شدہ آیات مسلمانوں کے حق میں اپنی کتابوں میں لکھ کر اور نہایت بے باکی کے ساتھ وہ سارے احکام جو یہودیوں وغیرہ کے حق میں ہیں مسلمانوں پر چسپاں کردیں۔ اس طرح کے وہ مظالم ہیں جن کے تحت مولوی اسماعیل صاحب کی کتابیں مسلمانوں کے حق میں بلا کو خاں بن کر رہ گئیں ہیں۔



(مولانا قاری محمد عثمان صاحب اعظمی)

تقویۃ الایمانی توحید کا تنقیدی جائزہ

ادارہ پاسبان کے اراکین کو رب کریم دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے کہ یہ حضرات عوام اہلسنت کے ایمان و اعتقاد کے تحفظ کی خاطر وقتاً فوقتاً رسائل و کتب شائع کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس حمایت حق کے جذبۂ اخلاص سے سرشار ہو کر مدیر پاسبان علامہ نظامی کا ایک مطبوعہ خط مع ایک فہرست خاکسار کے نام پہونچا جس میں ماہنامہ "پاسبان" کے "عقائد نمبر" کے لئے قلمکاروں کے نام اور ان کے عنوانات تحریر متعین ہیں — میرے لئے بھی عنوان تحریر "تقویۃ الایمانی توحید کا تنقیدی جائزہ" منتخب کیا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کسی سُنّی اہل قلم کے لئے اس موضوع پر کچھ لکھ دینا کوئی مشکل امر نہیں کیونکہ یہ مذہبیت کی تاریخ میں "تقویۃ الایمان" سے زیادہ بے سر و پا، غلط اور من گھڑت شاید ہی کوئی کتاب لکھی گئی ہو حق تو یہ ہے کہ اس تصنیفِ کثیف کو سرچشمۂ ضلالت ہونے کی وجہ سے دنیائے وہابیت میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسی لئے اس کتاب کی رد میں اکابر علماء اہل سنّت اس قدر لٹریچر فراہم کر رہے ہیں کہ دنیا میں کسی غلط کتاب کا کسی زمانے میں بھی شاید ہی اتنا رد لکھا گیا ہو۔ میری دانست میں "تقویۃ الایمان" کی رد میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز مراد آبادی کی تصنیف لطیف "الطیب البیان" سب سے عمدہ اور جامع رد ہے۔ جس پر اضافہ کی امید نہیں کی جاسکتی ہے ــــ ساتھ ہی حضرت امام اہل سنّت اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی "تقویۃ الایمان" "تذکیر الاخوان" "صراط مستقیم" اور اس قبیل کی دیگر کتابوں کا رد اپنی بیشتر تصانیف کے ذریعہ اتنے شاندار اور سہل انداز میں لکھ دیا ہے کہ علمائے متاخرین کو کوئی دقت اور عرق ریزی کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اعلیٰحضرت نے اپنے جن متعدد رسائل میں "تقویۃ الایمان" کے ہذیانی مصنف کی مجنونانہ عبارتوں کی دھجیاں بکھیری ہیں اُن میں "الامن والعلی" "الکوکبۃ الشھابیہ اور سل السیوف الھندیہ" وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[1]

بہرحال میں چاہتا ہوں کہ نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ "تقویۃ الایمانی" دعویٰ توحید اور

---

[1] یہ کتابیں مکتبہ فریدیہ جناح روڈ ساہیوال سے حاصل کریں۔

ان دعووں پر اس کے قرآنی دلائل کا تجزیہ کر کے ایمان وسلامتی کی راہ نکالنے کی کوشش کروں. اللّٰھم ھدایت الحق والصواب.

"تقویۃ الایمان" مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ صفحہ ۵ کا پہلا باب توحید وشرک کے بیان میں ہے. اس داستان کا آغاز اس طرح ہوتا ہے.

"اول سننا چاہیئے کہ شرک لوگوں میں بہت پھیل رہا ہے اور اصل توحید نایاب مگر اکثر لوگ شرک و توحید کے معنی نہیں سمجھتے اور ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں حالانکہ شرک میں گرفتار ہیں"

اس عبارت کے تیور ملاحظہ فرمائیے. سامعہ پر اک ضرب پڑتی ہے. قاری کے ذہن پر یہ اثر مرتب ہوتا ہے کہ آج مصنف کتاب شرک و توحید کا معنی سمجھا کر ہی رہے گا. دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دے گا مگر افسوس

ع خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

کے بموجب شرک و توحید کے معنی کی وضاحت تو کجا اپنی دیرینہ عادت یاوہ گوئی کے سوا کوئی باوزن اور مدلل بات نہیں کہہ سکا — اب دوسرا نمونہ دیکھئے:

"سو اول معنی شرک اور توحید کا سمجھنا چاہیئے تا برائی اور بھلائی ان کی قرآن و حدیث سے معلوم ہو"

یہاں بھی شرک و توحید کی وضاحت نہیں ہو سکی. لغوی وشرعی کوئی معنی بیان نہیں کیا گیا اور محض "سمجھنا چاہیئے" کہہ کر آگے بڑھ گئے — تیسرا نمونہ ملاحظہ ہو:

"سننا چاہیئے کہ اکثر لوگ پیروں کو اور پیغمبروں کو اور اماموں کو اور شہیدوں کو اور فرشتوں کو اور پریوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں — غرضیکہ جو کچھ ہندو اپنے بتوں سے کرتے ہیں سو وہ سب کچھ یہ جھوٹے مسلمان انبیاء اور اولیاء سے اور اماموں اور شہیدوں سے اور فرشتوں اور پریوں سے کر گزرتے ہیں اور دعویٰ مسلمانی کا کئے جاتے ہیں — سبحان اللہ! یہ منہ اور یہ دعویٰ سچ فرمایا ہے اللہ صاحب نے سورۂ یوسف میں وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ

بااللہ الاوھم مشرکون (ترجمہ) اور نہیں مسلمان ہیں اکثر لوگ مگر کہ شرک کرتے ہیں۔

یعنی اکثر لوگ جو دعوئ ایمان کا رکھتے ہیں سو وہ شرک میں گرفتار ہیں"

سطورِ بالا میں محض ایک طائرانہ نظر ڈالئے اور مسلمانوں کو جھوٹا مسلمان کہنے والے اس جھوٹے سے پوچھئے کہ ہندو تو اپنے بتوں کو معبود سمجھ کر سرِ اطاعت خم کرتے ہیں اور اُن سے عقیدت و نیازمندی کا اظہار کرتے ہیں۔ کیا مسلمان بھی اپنے انبیاء، اولیاء، آئمہ، شہداء، فرشتوں اور پیروں کو انہیں کافروں کی طرح معبود و مسجود سمجھتے ہیں اور ان کی ربوبیت و الوہیت کا صنم تراش کر اپنی آستینوں میں چھپائے پھرتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو مصنف تقویۃ الایمان شاہ اسمٰعیل دہلوی پر لازم تھا کہ وہ دلائل و شواہد کی روشنی میں گفتگو کرتے کہ فلاں فلاں مقام کے فلاں فلاں مسلمان پیر و پیغمبر کی الوہیت کے قایل ہیں اور جب حقیقتِ حال یہ نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے تو پھر مصنف کا استدلال شدید غلط فہمی اور سنگین ضلالت پر مبنی نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر مزید دیدہ دلیری یہ دیکھئے کہ اپنے مغالطائی استدلال کے لئے انہوں نے سورۂ یوسف کی آیت پاک۔ وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ۔ نقل کی جس کا ترجمہ تک صحیح نہیں کر سکے۔ ان کا ترجمہ ہے۔ "اور نہیں مسلمان ہیں اکثر لوگ مگر کہ شرک کرتے ہیں"۔ اس لائق مصنف کے نزدیک گویا یہ آیت جس وقت نازل ہوئی اس وقت کے مسلمان یا غوث، یا خواجہ، یا علی، یا حسین، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نعرۂ مستانہ مارتے تھے انہیں کو مشرک کہنے کے لئے یہ آیت اُتری ہے حالانکہ یہ آیت جس وقت اتری ہر طرف لات و عزیٰ کی خدائی کا دور دورہ تھا۔ کفارِ مکہ اللہ کے وجود پر یقین ضرور رکھتے تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ خود تراشیدہ خداوندانِ باطل کو بھی اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت میں شریک گردانتے تھے۔ اس جگہ ۔ مَا یُؤْمِنُ ۔ایمان شرعی کے معنی میں مستعمل نہیں ہے بلکہ ایمان لغوی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ ایمان کے لغوی معنی کسی چیز کا یقین رکھنا ہے اور بلاشبہ اہل مکہ وجود باری تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے مگر اس کے ساتھ اپنے بے شمار چھوٹے بڑے معبودوں کو بھی اللہ کی اُلوہیت میں شریک سمجھتے تھے۔ اسی حقیقت حقہ کے اظہار کے لئے ارشاد خداوندی ہے کہ:—

"کافروں میں اکثر آدمی اللہ کا یقین نہیں رکھتے مگر اس حال میں کہ شرک کرتے ہیں"۔

میرے اس نظریے کی تصدیق مزید کے لئے جلالین کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

وما اکثر الناس (ای اهل مکة) ولو حرصت علیٰ ایمانهم بمؤمنین	اور نہیں ہیں اکثر آدمی یعنی اہل مکہ ایمان لانے والے اگرچہ اے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو ان مکیوں کے ایمان لے آنے کی شدید بیتابی و قلبی خواہش ہے"

اسی آیت کریمہ کے تھوڑے فاصلے پر وہ آیت ہے جس کو صاحب "تقویۃ الایمان" نے مسلمانوں کو مشرک بنانے کے لئے نقل کی ہے اور اس کا غلط من گھڑت ترجمہ بھی کیا ہے جس کے ثبوت میں جلالین شریف کی تفسیری عبارت نقل کی جاتی ہے:

مایؤمن اکثرهم باللّٰه حیث یقرون بانه الخالق الرزاق لا وهم مشرکون به بعبادة للاصنام ولذا کانو یقولون فی تلبیتهم لبیك لبیك لاشریك لك لبیك لاشریك لك الاشریکاً هو لك تملکه وما ملکه یعنونها۔	بُت پرستوں کی غالب اکثریت اللہ تعالیٰ کی خالقیت و رزاقیت کا اقرار تو ضرور کرتی ہے مگر اس کے ساتھ دوسروں کو بھی خدا کی خدائی میں شریک کر لیتی ہے اور اس شرک کی صورت یہ ہے کہ وہ اصنام کی پرستش کرتے ہیں۔ اسی لئے کفار مکہ ایام جاہلیت میں حج کے مواقع پر اپنے تلبیہ میں کہتے تھے "اے رب میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں اے خدا میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جو تیرے لئے مخصوص ہیں تو ان شریکوں کا مالک ہے اور ان چیزوں کا بھی جس کے وہ مالک ہیں۔"

ظاہر ہے کہ کفار کی مراد ان شریکوں سے بُت ہوتی تھی۔ اس دو ٹوک اور غیر مبہم حقیقت کے باوجود صاحب "تقویۃ الایمان" نے کس ڈھٹائی اور ناروا جسارت سے کام لے کر مسلمانوں کو مشرک بنانے کے لئے قرآن پاک کی آیت کا من گھڑت ترجمہ کر کے شرک کو مسلمانوں پر منطبق کر دیا۔ خداوند کریم ایسے ناخدا ترسوں کے مکر و فریب سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

اب صاحب تقویۃ الایمان کی حسب ذیل عبارت پڑھیے اور اس مخواہ آیات قرآنی کی صحت کا دلچسپ منظر دیکھیے اور مصنف کے جذبۂ تحریف کی داد دیجئے:

"رسول کا کلام تحقیق کر لیتے تو سمجھ لیتے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی کافر لوگ

ایسے ہی باتیں کہتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی ایک نہ مانی اور ان پر غصہ کیا اور ان کو جھوٹا

بتایا چنانچہ سورۂ یوسف میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ——— یعبدون من دون اللہ

مَا لَا یَضُرُّھُمْ وَلَا یَنْفَعُھُمْ وَیَقُوْلُوْنَ ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ

قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰہَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ سُبْحَانَہٗ

وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ط (تقویۃ الایمان مطبوعہ کتبخانہ اعزازیہ دیوبند صفحہ ۶)

ہم پوری دنیائے وہابیت کو چیلنج کرتے ہیں کہ آیت بالا سورۂ یوسف میں دکھادے تو جانیں۔ جو شخص نقل حوالہ میں اتنی غیر ذمہ دارانہ ذہنیت کو راہ دے سکتا ہے اس سے بیانِ مطالب اور استنباطِ نتائج میں کسی دیانت کی کب امید کی جاسکتی ہے؟ بہر حال یہ آیت پاک سورۂ یونس میں ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے: ———

"اور اللہ کے سوا ایسی چیز (یعنی) بتوں کو پوجتے ہیں جو ان کا کچھ بھلا نہ کرے اور نہ کچھ ضرر پہونچائے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں یعنی دنیوی امور میں، کیونکہ مرنے کے بعد آخرت میں اٹھنے کا تو وہ اعتقاد ہی نہیں رکھتے۔ تم فرماؤ کیا اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جو اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں۔ یعنی اس کا وجود ہی نہیں۔ کیونکہ ہر چیز جو موجود ہے وہ ضرور اس کے علم میں ہے اسے پاکی اور برتری ہے ان کے شرک سے"

قارئین کرام! ——— اسماعیل دہلوی نے اپنے گمراہ کن خیالات کے اثبات میں مرقومہ بالا آیات کو پیش کیا ہے ——— ؎ ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا ——— دعویٰ و دلیل میں مطلق کوئی ہم آہنگی اور مطابقت موجود نہیں ——— دعویٰ کچھ دلیل کچھ ——— ایسے میں نتیجہ سوائے گمراہی کے اور کیا ہاتھ آئے گا۔

اسی طرح دعویٰ اور دلیل میں اجنبیت کا دوسرا تماشا صفحہ ۱۹ پر ملاحظہ فرمائیے: ———

"وقال اللہ تعالیٰ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ

لَہٗٓ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْنَ" (پ۲۶ سورۂ احقاف)

اسمٰعیل صاحب ترجمہ فرماتے ہیں :

"اور فرمایا اللہ تعالےٰ نے یعنی سورۂ احقاف میں اور کون زیادہ گمراہ ہوگا اس شخص سے کہ پکارتا ہے ورے اللہ سے ان لوگوں کو کہ نہ قبول کریں گے اس کی بات قیامت کے دن تک اور وہ اس کے پکارنے سے غافل ہیں"

اس کے بعد (ف) دے کر اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں :

"یعنی شرک کرنے والے بڑے احمق ہیں کہ اللہ سے قادر وعلیم کو چھوڑ کر اوروں کو پکارتے ہیں کہ اول تو ان کا پکارنا سنتے ہی نہیں اور دوسرے کچھ قدرت نہیں رکھتے۔ اگر کوئی قیامت تک ان کو پکارے تو وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ جو بعضے لوگ اگلے بزرگوں کو دُور دُور سے پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں یا حضرت تم اللہ کی جناب میں دعا کرو کہ وہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت روا کرے اور پھر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے کچھ شرک نہیں کیا۔ اس واسطے کہ ان سے حاجت نہیں مانگی بلکہ دعا کروائی ہے سو یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ گو اس مانگنے کی راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا لیکن پکارنے کی راہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کو ایسا سمجھو کہ دُور سے اور نزدیک سے برابر سن لیتے ہیں جبھی ان کو اس طرح سے پکارا اور حالانکہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو اللہ کے ورے ہیں یعنی مخلوق سو وہ ان پکارنے والوں کے پکارنے سے غافل ہیں"

آیت بالا کی غلط تشریح و توضیح سے قطع نظر خود اس کے دو لفظوں کے ترجمے میں مصنف کی فکر و فہم نے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ مفسرین سلف سے لیکر آج تک کسی کی کتاب سے اس ترجمے کی تائید و توثیق نہیں ہوتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے سُنّیت و وہابیت میں وسیع خلیج پیدا ہو جاتی ہے —— بہرکیف وہ دو الفاظ "مَنْ يَّدْعُوا" اور "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" ہیں۔ اسمٰعیل نے يَدْعُوا کا ترجمہ "پکارتا ہے" کیا ہے۔ حالانکہ قرآن پاک میں اس جگہ اور عام طور سے ہر جگہ يدعوا کا ترجمہ يَعْبُدُوا کیا گیا ہے اور يَدْعُوْنَ يَعْبُدُوْنَ کے معنی میں آئے ہیں جس کا بالترتیب ترجمہ ہوگا "عبادت کرتا ہے پوجتا ہے" یا "عبادت کریں اور پوجیں"

پھر من دون اللہ کا ترجمہ اسمٰعیل دہلوی نے "مخلوق" کیا ہے جبکہ تمام کتب معتبرہ اور مستند تفاسیر میں اس کا ترجمہ اصنام واوثان کیا گیا ہے۔ اگر اسمٰعیل نے مخلوق کی بجائے بُت مراد لیا ہوتا تو یقیناً شرک امور عامہ کی صف میں داخل نہیں ہوتا اور یدعوا کا ترجمہ "پکارتا ہے" ہی کرتے تو بھی شرک کے شرارے ان کی آنکھوں میں اس قدر چکا چوند پیدا نہیں کرتے ___ اور آیت کا صحیح ترجمہ "اور کون زیادہ گمراہ ہوگا اُس شخص سے جو پوجتا ہے بُتوں کو اور بُت ان کی اس عبادت سے غافل ہیں اور بُت قیامت تک ان کی اس پرستش کا جواب نہیں دے سکتے" کر کے قرآن مجید میں تحریف معنوی سے یہاں بچ جاتے۔

یہ میرا دعویٰ محض نہیں بلکہ اس کے بعد کی آیتیں شاہد عدل ہیں کہ آیت زیر بحث میں دُعا بمعنی عبادت ہے ___ چنانچہ آیات بالا سے متصل ہی یہ آیت ہے: ___

"وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ"

پُوری آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ ___ "اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو الیسوں کو پُوجے جو قیامت تک نہ سُنے اور انہیں ان کے پُوجے جانے کی خبر تک نہیں اور جب لوگوں کا حشر ہوگا تو بُت اپنے پرستاروں کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت و پوجا کے منکر ہوں گے۔"

دیکھئے آیت کے شروع میں یَدْعُوْا ہے اور آیت کے آخر میں عبادت ہے۔ گویا عبادت سے یَدْعُوْا کی تفسیر فرمادی گئی ___ اس صحیح مطلب کی توثیق مزید کے طور پر جلالین کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں: ___

"ومن استفہام بمعنی النفی ای لا احد اَضَلُّ مِمَّن یدعوا یعبد من دون اللہ ای غیرہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمہ وھم الاصنام لا یجیبون عابدیھم الی شئی لیسألونہ ابدا وھم عن دعائھم عبادتھم غٰفلون لانھم جماد لا یعقلون واذا حشر الناس کانوا ای الاصنام لھم لعابدیھم اعداءً وکانو بعبادتھم بعبادت عابدیھم کٰفرین جاحدین۔"

دیکھئے یہاں "یدعوا" کا ترجمہ "یعبد" "من دون اللہ" سے مراد اللہ کے سوا یعنی "اصنام" اور "دعاء" کی تفسیر عبادت کی گئی ہے

سورہ احقاف ہی میں اس آیت سے کچھ پہلے ارشاد ربانی ہے — تفسیر جلالین کے حوالے سے ملاحظہ ہو: —

قل ارأیتم اخبرونی ما تدعون تعبدون من دون اللہ
ای الاصنام مفعول اول اُرونی اَخبرونی تاکید ماذا خلقوا مفعول ثانی
من الارض بیان اَم لہم شرک مشارکتہ فی السمٰوٰت مع اللہ ام بمعنی
ہمزۃ انکار ایتونی بکتاب منزل من قبل ھٰذا القرآن اواثرہ
بقیہ من علم یوثر عن الاولین بصحۃ دعواکم فی الاصنام انہا
تقرب الی اللہ ان کنتم صٰدقین فی دعوایکم۔

یہاں بھی دیکھئے یدعون کی تفسیر تعبدون اور من دون اللہ کی تفسیر اصنام سے کی گئی ہے اگر اسمٰعیل نے یہی راہ صواب اختیار کیا ہوتا تو ہرگز دنیا [illegible] وہابیت میں شرک کی اتنی گرم بازاری نہ ہوتی اور نہ تو خود تقویۃ الایمان کی تصنیف کی حاجت ہوتی۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے ماسوا مخلوق میں کسی کو معبود سمجھ کر پوجا جائے یا اس سے عقیدت و نیازمندی کا اظہار کیا جائے یقیناً وہ شرک ہوگا اور اس شرک میں زمین آسمان، جن، فرشتہ، ذی روح، غیر ذی روح، دریا، پہاڑ، درخت، چاند، سورج، مردہ، زندہ، ولی، نبی سب برابر ہیں — لیکن اللہ کے کسی بندۂ مقبول انبیاء و اولیاء سے اس عقیدت کے ساتھ کہ یہ حضرات اللہ کی بخشی ہوئی طاقت و قدرت سے بہرہ ور ہیں۔ استعانت کرنا، اپنی حاجتیں پیش کرنا، ان کے نام سے عرفی منت ماننا، ان کی دہائی دینا، انھیں پکارنا اور ان کی تعظیم و تکریم کرنا ہرگز ہرگز شرک نہیں بلکہ فی نفسہ بالکل جائز و مستحسن ہیں — ہاں ان میں سے کسی کو خدا سمجھ کر اپنا شفیع و وکیل اور کارساز حقیقی ماننا یقیناً شرک ہیں اور قرآن پاک میں جابجا اس مشرکانہ ذہنیت کی مذمت کی گئی ہے اور بت پرستوں کے اسی مزعومہ شفیع اور ولی کا انکار کیا گیا ہے لیکن انصاف شرط ہے۔ یا دنیا کے کسی مسلمان نے کسی بھی پیر و پیغمبر کو معبود سمجھ کر اپنی مشکل گھڑیوں میں پکارا

ہے؟ ـــ جب حقیقتِ حال یہ نہیں تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ مصنف تقویۃ الایمان کیوں اس قدر شرک کے آزار میں مبتلا ہیں

بہرحال تفسیر قرآن کے سلسلے میں مفسرین ایک اصول یہ بیان کرتے ہیں کہ بعض آیتیں بعض آیتوں کی تفسیریں ہوتی ہیں۔ یہی حال ما نحن فیہ کا ہے قرآن حکیم نے کسی جگہ "والذین یدعون من دون اللہ" کہا ہے تو کہیں ارشاد فرمایا ہے فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ای غیرہ وھو الاصنام لشککم فیہ ولکن اَعْبُدُ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بقبض ارواحکم (سورہ یونس بحوالہ جلالین) اسی مقام پر تھوڑی دور کے بعد ارشاد خداوندی ہے:

" وَلَا تَدْعُ تعبدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ ان اعبدتہٗ وَلَا یَضُرُّکَ ان لم تعبدہ" (جلالین)

غور فرمایئے اسی سورہ میں ایک جگہ تعبدون من دون اللہ فرمایا گیا ہے اور یہیں ذرا ہٹ کر ولا تدع من دون اللہ فرمایا گیا ہے گویا تدع. تعبد کے معنی میں ہے اور تدعون تعبدون کے ہم معنی ہے۔ اس سیاق نظم قرآنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا نامناسب نہیں کہ بالعموم تدعون تعبدون کے مترادف ہے۔ ہاں کچھ ایسے مقامات ضرور ہیں جہاں تدع و تدعون "پکارنے کے لغوی معنی میں مستعمل ہوئے ہیں۔ اسی طرح غالب و اکثر مواقع پر من دون اللہ اصنام و اوثان کے معنی میں آئے ہیں لیکن بعض مقامات پر من دون اللہ اپنے عام لغوی معنی میں مستعمل ہوا ہے جس کے تعین و تخصیص کی ضمانت تفاسیر معتبرہ ہیں انھیں کی روشنی میں چند ایسے مقامات کی نشاندہی کی جاتی ہے جس سے یہ حقیقت واضح تر ہو جائے گی

حبیب نجار نے اپنی قوم کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ـــ

۱ ـــ وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِہَۃً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُہُمْ شَیْئًا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ (سورہ یٰسین شریف پ۲۳)	"اور مجھے کیا ہے کہ اس کی بندگی نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تمہیں پلٹنا ہے کیا اللہ کے سوا اور خدا ٹھہراؤں یعنی بتوں کو معبود بناؤں کہ اگر رحمن میرا کچھ برا چاہے تو ان بتوں کی سفارش میرے کچھ کام نہ آئے اور نہ وہ بت مجھے بچا سکیں"

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ نے اُن بُت پرستوں اور مشرکوں کا رَد فرمایا ہے جو بُتوں کو اُپنا معبود نجات دہندہ اور سفارشی سمجھتے تھے پھر لطف یہ کہ یہ بُت بھی خود اُن بُت پرستوں کے ہاتھوں کے تراشیدہ ہیں جو بالکل جامد ولایعقل ہیں جو خود عاجز ومجبور ہو وہ دوسروں کو کیا نفع پہونچا سکتا ہے۔

یہ آیت اور اس قبیل کی دیگر آیتیں جو بُتوں اور بُت پرستوں کے رَد میں نازل ہوئی ہیں اُن کا مسلمانوں کے خالص مومنانہ عقائد سے کیا رشتہ! — مگر تقویۃ الایمان کے ناعاقبت اندیش مصنف نے ان تمام آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کر کے شرک کا پرچم دنیائے وہابیت میں لہرا دیا ہے۔ اور آج اسی کے سائے میں ان کی پوری ذریت معنوی رواں دواں ہے — بھلا سوچنے کی بات ہے کہ انبیاء۔ اولیاء شہداء وصالحین جنھیں خدائے قادر وقیوم نے بیشمار انعامات واکرامات سے نوازا ہے اور جنھیں روحانی تصرفات سے متصف فرمایا ہے۔ یہی نہیں اُن بندگانِ مقرب کو اللہ نے اُپنی نشانیاں اور اسلام کی صداقت کی دلیلیں قرار دی ہیں — ان سب بزرگوں کو بُتوں کی صف میں لا کھڑا کرنا اور ان کے نیازمندوں کو بت پرستوں اور مشرکوں کے زمرہ میں داخل کرنا کتنی صریح بددیانتی اور سنگین ضلالت ہے — مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے پیش رُو آئمہ کفر وضلالت نے انبیاء مرسلین اور اولیاء ومشائخین کے دامان تقدس کو جس طرح تار تار کرنے کی مذموم کوشش کی ہے آج بھی اُن کے کچھ مقلدین اسی تیرہ وتاریک راہ پر گامزن نظر آرہے ہیں — مولائے کریم ہر مسلمان کو اُن کے مکر وشر سے محفوظ رکھے۔

۲ — وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اٰلِھَۃً لَّعَلَّھُمْ یُنْصَرُوْنَ۔ لَایَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَھُمْ وَھُمْ لَھُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ (سورۂ یٰسین شریف پ۲۳ رکوع ۴)

اس آیت پاک کا مطلب خیز ترجمہ یہ ہے کہ "اور انھوں نے اللہ کے سوا اور خدا ٹھہرالئے یعنی بُتوں کو پوجنے لگے کہ شاید ان کی مدد ہو اور مصیبت کے وقت کام آئیں اور عذاب سے بچائیں اور ایسا ممکن نہیں وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے کیونکہ بُت، جماد، بے جان اور عاجز ہیں اور ان کے سب لشکر گرفتار حاضر آئیں گے یعنی کافروں کے ساتھ اُن کے بُت بھی گرفتار کر کے حاضر کئے جائیں گے اور سب جہنم میں داخل ہوں گے۔ بُت بھی اور ان کے بھی۔

۳ — اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَھُمْ وَمَا کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ۝

مِنْ دُوْنِ اللہِ فَاھْدُوْھُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ۝ (سورۃ الصّٰفّٰت پ۲۳ رکوع ۱)

یہاں ارشاد ربانی یہ ہے کہ ہانکوں ظالموں اور ان کے جوڑوں کو (''ظالموں'' سے مراد ''کافر'' ہیں اور ان کے ''جوڑوں'' سے مراد ان کے شیطان ہیں جو دنیا میں ان کے جلیس و قرین رہتے تھے۔ ہر ایک کافر اپنے شیاطین کے ساتھ ایک ہی زنجیر میں جکڑ دیا جائے گا) اور جو کچھ وہ پوجتے تھے اللہ کے سوا بتوں کو ان سب کو راہ دوزخ کی طرف ہانکو۔

یہاں بھی بتوں کی معبودیت کے اعتقاد کا اللہ تعالیٰ نے رد فرمایا ہے۔ اس آیت کو مسلمانوں کے بزرگوں کے ساتھ نیازمندانہ طرز کرے کوئی نسبت نہیں۔

۴ — اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ۝ اللہَ رَبَّکُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ (سورۃ الصّٰفّٰت پ۲۳ رکوع ۳)

اور جب حضرت الیاس نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم ڈرتے نہیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں کہ بعل بت کو پوجتے ہو (بعل ان کے بت کا نام تھا جو سونے کا تھا اس کی لمبائی بیس گز تھی چار منہ تھے اس کی بہت تعظیم کرتے تھے جس مقام پر وہ تھا اس جگہ کا نام بک تھا اسی لئے بعلبک مرکب ہوا یہ بلاد شام میں ہے) اور چھوڑتے ہو سب سے اچھا پیدا کرنے والے کو جو تمہارے اور تمہارے اگلے آباؤ اجداد کا رب ہے۔

۵ — وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللہِ زُلْفٰی (سورۃ الزمر پ۲۳ رکوع ۱)

اور جنہوں نے اس کے سوا اور والی بنا لئے یعنی معبود ٹھہرالئے (مراد ان لوگوں سے بت پرست ہیں) کہتے ہیں یہ تو انہیں یعنی بتوں کو صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں یہ ہمیں اللہ کے نزدیک کر دیں۔

اس آیت کریمہ کو صاحب تقویۃ الایمان نے بھی نقل کیا ہے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ آیت کھلے طور پر بت پرستوں کے عقیدے کے رد کے لئے اتری ہے زبردستی مسلمانوں پر منطبق کر دیا ہے — اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کافروں کے اس جھوٹے عذر کا رد کیا ہے کہ ہم تو غیر خدا کی پرستش اس لئے

کرتے ہیں کہ یہ بُت جو میرے اولیاء ہیں وہ مجھے اللہ کے نزدیک کردیں گے حالانکہ اللہ سے نفرت حاصل کرنے کے لئے کسی اور کو خدا بنانا اور اس کا پوجنا بالکل لغو اور شرارت کی باتیں ہیں۔

۹ — قُلِ اللّٰہَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّہٗ دِیْنِیْ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ	تم فرماؤ میں اللہ ہی کو پوجتا ہوں خالص اس کا بندہ ہو کر تو تم اس کے سوا جسے چاہو پوجو۔

———— (سورۂ زمر پ۲۳) ————

اس آیت مقدسہ میں اللہ عزوجل عبادت کا اختصاص صرف اپنی ذات کریم کے لئے فرما رہا ہے اس لئے اپنے مومن بندوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ اعلان کردو میں صرف خدا کی عبادت کرتا ہوں اور کفار کو بطور تہدید و توبیخ کہہ دو کہ تم اللہ کے سوا جسے چاہو پوجو۔ اس کا انجام تم کو قیامت کے دن معلوم ہو جائے گا ———— یہاں اعلان عام ہے اللہ کے سوا نبی، ولی، پیغمبر، فرشتے، درخت، پتھر، مردے، زندے، دریا، پہاڑ جس کی بھی پوجا کی جائے گی اور اس کو مستحق عبادت سمجھا جائے گا اور اس کو واجب الوجود اور قدیم تسلیم کیا جائے گا تو یقیناً کافر و مشرک ہو جائے گا ——— اور اگر واجب الوجود اور مستحق عبادت کا اعتقاد کسی کے لئے نہ ہو بلکہ صرف اللہ ہی کی دی ہوئی طاقت سے بہرہ ور سمجھ کر اللہ کے مقرب بندوں سے استعانت کی جائے تو یہ بالکل جائز اور خالص دائرہ توحید کے اندر ہے اور اس اعتقاد کو شرک سے کوئی نسبت ولگاؤ نہ کبھی تھا اور نہ کبھی ہوگا۔

مختصر یہ کہ بلا دلیل شرعی کسی گناہ کی نسبت کسی مسلمان کی طرف کرنا شریعت میں حرام ہے چہ جائیکہ مسلمانوں کے سر غیر اللہ کی پرستش کا الزام ڈال کر مشرک قرار دینا۔ اشد گناہ اور سنگین جرم ہے۔ امام الوہابیہ فی الہند مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے حوارین صبح قیامت تک ثابت نہیں کرسکتے کہ مسلمان اللہ کے سوا کسی بزرگ و برتر ہستی کے بارے میں مشرکانہ عقائد کے حامل ہیں انہیں مستحق عبادت اور واجب الوجود سمجھتے ہیں ——— کتب عقائد میں شرک کی یہی تعریف کی گئی ہے کہ کسی انسان کے مشرک ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں ——— غیر خدا کو لائق عبادت جاننا خواہ اس کی عبادت کرے یا نہ کرے ——— دوسرے کسی کو خدا کی ذات یا صفات میں شریک سمجھنا ——— اور جب مسلمانوں کا اعتقاد کسی کے بارے میں یہ نہیں ہے تو پھر اس کے ہر کام پر کفر و شرک کا فتویٰ صادر کرنا اسی کا کام ہوگا ——— جو مسلمانوں کو کافر و مشرک بنانے کا شوقین ہو ————

مصنف تقویۃ الایمان نے اپنے خیالات فاسدہ کی تائید میں جن آیتوں کو مستدل مان کر غلط تعبیر و توضیح کی تھی ان کا تفصیلی جائزہ سطور بالا میں پیش کر دیا گیا ہے جو کچھ طویل ہو گئے ہیں کچھ ان حدیثوں پر بھی اظہار خیال ضروری تھا جن کو اسماعیل دہلوی نے غلط طور پر شرک کے معنی میں مستعمل کیا ہے۔ مثلاً — فصل اشراك فی العلم و اشراك فی العبادة — وغیرہ — ان فصلوں میں بار بار ایک ہی خیال کی تکرار کی گئی ہے۔ خوف طوالت عناں گیر نہ ہوتا تو ثابت کر دیا جاتا کہ اُن کے دعوے اور ان منقولہ حدیثوں میں کوئی نسبت نہیں۔ مصنف نے یہاں بھی استنباط نتائج میں سخت ٹھوکر کھائی ہے — انشاء اللہ آئندہ حسب موقع اس کی دوسری قسط پیش کی جائے گی۔

وما علینا الا البلاغ

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ والسلام علی من اتبع الھدیٰ



(مولانا سید الزماں صاحب مظفر پوری)

اِمکانِ کذب کا فتنہ

جھوٹ ایک ایسا عیب ہے جس سے بھی لوگ نفرت کرتے ہیں یہاں تک کہ خود جھوٹا آدمی بھی جھوٹ کو بُرا ہی جانتا ہے چنانچہ اگر بھری محفل میں اس کا جھوٹا ہونا ظاہر کردیا جائے تو وہ بھڑے گا جھنجھلائے گا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ جھوٹ بولنا بڑا چھوڑا کام ہے لیکن محترم قارئین کو یہ جان کر سخت حیرت ہوگی کہ وہابی مذہب نے سُبُّوح قُدُّوس رَبُّ العِزّۃ جَلّ شَانُہٗ کے حق میں جھوٹ بولنا جائز قرار دیا ہے۔

اِمکانِ کذبِ الٰہی کا فتنہ سب سے پہلے ملائے دہلوی مولوی اسمٰعیل نے ایک اعتراض کے جواب میں کھڑا کیا۔ واقعہ یوں ہے کہ قدیم زمانے سے مسلمانوں کا یہ اعتقاد چلا آرہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار مصطفیٰ خاتم الانبیاء صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو بے مثل پیدا فرمایا ہے۔ حضور کا مثل ہونا محال ہے۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اس اعتقاد کی مخالفت کرتے ہوئے یہ نیا عقیدہ پیدا کیا کہ سرکار مصطفیٰ خاتم الانبیاء صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم بے مثل نہیں بلکہ سرکار جیسے سینکڑوں محمد پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس پر اس زمانے کے علمائے اسلام نے اعتراض کیا کہ حضور کا مثل کیونکر ممکن ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے حق میں فرمادیا ——

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔	یعنی پیارے مصطفیٰ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔

تو اَب حضور کا مثل ہرگز ممکن نہیں۔

توضیح اس مقام کی یہ ہے کہ ختم نبوّت کا وصف شرکت قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا جس کا معنی یہ ہے کہ آخری نبی صرف ایک ہی شخص ہو سکتا ہے کسی دوسرے کا آخری نبی ہونا عقلاً محال بالذات ہے اَب رہی یہ بات کہ وہ ایک شخص کون ہے جس کو ختم نبوّت کا

تاج پہنایا گیا تو اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے خبر دی کہ وہ ایک شخص پیارے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جنھیں آخری نبی بنایا گیا تو خود رب العزۃ جل جلالہٗ نے حضور کو خاتم النبیین کہہ کر خبر دے دی کہ میرے مصطفےٰ کا مثل ممکن نہیں بلکہ محال بالذات ہے۔ سابق علمائے اسلام نے یہی اعتراض مولوی اسمٰعیل دہلوی پر کیا کہ تم جو حضور کا مثل ممکن بتاتے ہو تو اس سے خبر الٰہی کا جھوٹا ہونا لازم آرہا ہے لیکن چونکہ خبر الٰہی کا جھوٹا ہونا بالاتفاق محال ہے ہرگز ممکن نہیں اس لئے سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل بھی ہرگز ممکن نہیں اس اعتراض کے جواب میں ملا اسمٰعیل دہلوی نے امکان کذب الٰہی کا فتنہ کھڑا کیا اور مسلمانوں میں یہ کفری عقیدہ پھیلایا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے محال نہیں ہے۔ (نَعُوْذُ بِاللهِ تَعَالٰی مِنْ ذٰلِكَ)

آیت کریمہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے بارے میں ملا دہلوی نے یہ جواب دیا ——

بعد اخبار ممکن ست کہ ایشاں را فراموش گردانیدہ شود پس قول بامکان وجود مثل اصلا منجر بتکذیب نصے از نصوص نہ گردد۔

(یکروزی بحوالہ سبحن السبوح صـ۶)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو آیت کریمہ میں حضور کے خاتم الانبیاء ہونے کی خبر دی ہے تو اس خبر دینے کے بعد ممکن ہے کہ یہ آیت لوگوں کو بھلادی جائے لہٰذا حضور کا مثل پائے جانے کو ممکن کہنا اس سے کسی آیت قرآن کو جھٹلانا لازم نہیں آتا۔

ملائے دہلوی کے جواب کا معنٰی یہ ہے کہ جب سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ کا مثل پیدا ہوگا۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ خاتم النبیین والی آیت کریمہ لوگوں کے دل سے بھلادے گا اور جب آیت کریمہ کسی کو یاد ہی نہ رہ جائے گی تو خبر الٰہی کو کون جھٹلائے گا — حاصل جواب یہ ہے کہ امام وہابیہ مولوی اسمٰعیل کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی خبر جھوٹا ہونا درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہاں اس بات میں حرج ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کے کذب پر آگاہ ہوجائیں اس حرج سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ قرآن کی آیتوں کو بندوں کے دل سے بھلادے گا معاذ اللہ رب العلمین یہ ہے باطل کفری عقیدہ وہابیوں کا۔

مسلمان کہلانے کا تقاضا تو یہ تھا کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی افضلیت پر حملہ نہ کرتے اور اس بات پر ایمان لاتے کہ ختم نبوت کے وصف میں سرکار کا مثل ونظیر محال بالذات ہے لیکن وہ اگر شیطان کے بہکانے سے بہک گئے تھے تو علمائے اسلام کے ٹوکنے پر تو ان کو سنبھل ہی جانا چاہیئے تھا مگر بُرا ہو پندار علم کا جس نے ان کو ایک دوسرے کفری عقیدہ کی طرف دھکیل دیا۔ یعنی امکان نظیر کے اعتقاد باطل نے ان کو امکان کذب الٰہی کا معتقد بنا دیا چنانچہ انہوں نے خاص مسئلہ امکان کذب کے ثبوت میں ایک کتاب یکروزی لکھ کرامت میں ایک فتنۂ عظیم کھڑا کر دیا۔ اس کتاب کے والائی کا حال یہ ہے کہ جس طرح ایک جھوٹی بات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے دسوں جھوٹ گڑھنا پڑتا ہے ٹھیک اسی طرح اللہ رب العزۃ کا کذب ثابت کرنے کے لئے ان کو ایسی ایسی دلیلیں گڑھنی پڑیں جو سینکڑوں کفریات کا پٹارا ہیں۔ جس کو اس کا مشاہدہ کرنا ہو وہ سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقدس تصنیف سُبحٰن السبوح صـ ۳۳ تا صـ ۶۹ کا مطالعہ کرے۔

بہت سے سادہ لوح حضرات کا گمان ہے کہ سنیت اور وہابیت کے درمیان صرف چند فروعی امور میں اختلاف ہے لیکن یہ گمان شدید غلط ہے کیونکہ سنیت وہابیت کا اختلاف فروعی امور میں ہونے کے ساتھ ساتھ بنیادی مسائل میں بھی ہے یہاں تک کہ خود ایمان باللہ کے مسئلہ میں ہمارا اور وہابیوں کا شدید بنیادی اختلاف ہے چنانچہ ہم اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کا صدق ازلاً و ابداً واجب ہے لہٰذا اس کا کذب ممکن نہیں بلکہ محال بالذات ہے اور وہابی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن ہے لہٰذا صدق واجب نہیں۔ اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ وجوب صدق کا عقیدہ اور امکان کذب کا عقیدہ ان دونوں میں قطعی بنیادی اختلاف ہے — اس لئے ثابت ہوگیا کہ ایمان باللہ کے مسئلہ میں ہمارا اور وہابیوں کا سنگین بنیادی اختلاف ہے۔

یوں تو جس مسلمان کا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر ایمان ہے اس کا فطری طور پر یہ عقیدہ ہے کہ اللہ رب العزۃ جل جلالہٗ کا جھوٹا ہونا ہرگز ہرگز ممکن نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ازلاً صادق رہا اور ہے اور ابد تک صادق رہے گا تو کذب کے امکان کی جڑ تو یہیں سے کٹ گئی لیکن چونکہ وہابیوں نے اسلامی عقیدہ کے

نام ہے مسلمانوں میں یہ فتنہ پھیلا رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹا تو نہیں مگر اس کا جھوٹا ہونا ممکن ہے اس لئے ہم سادہ لوح مسلمانوں کے اطمینان کی خاطر عقائد اسلامیہ کی قدیم کتابوں سے چند حوالے ذیل میں تحریر کرتے ہیں :—

۱— شرح مقاصد میں ہے :—

الکذب محال باجماع العلماء لان الکذب نقص باتفاق العقلاء وھو علی اللہ تعالیٰ محال.	یعنی اللہ تعالیٰ کا کذب باجماع علماء محال ہے اس لئے کہ وہ باتفاق عقلاء عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے.

—(بحوالہ سبحٰن السبوح ص۱)—

۲— شرح عقائد نسفی میں ہے :—

کذب کلام اللہ تعالیٰ محال	یعنی کلام الٰہی کا جھوٹا ہونا ممکن نہیں.

—(بحوالہ سبحٰن السبوح ص۱)—

۳— طوالع الانوار میں ہے :—

الکذب نقص والنقص علی اللہ تعالیٰ محال.	یعنی جھوٹ عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے.

—(بحوالہ سبحٰن السبوح ص۱)—

۴— مواقف کی بحث کلام میں ہے :—

انہ تعالیٰ یمتنع علیہ الکذب اتفاقا اما عند المعتزلہ فلان الکذب قبیح وھو سبحانہ تعالیٰ لایفعل القبیح واما عندنا فلانہ نقص والنقص علی اللہ تعالیٰ محال اجماعاً. (سبحٰن السبوح ص۱)	یعنی اہل سنت اور معتزلہ سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ ممکن نہیں محال ہے معتزلہ تو اس لئے محال کہتے ہیں کہ جھوٹ برا ہے اور اللہ تعالیٰ برا فعل نہیں کرتا اور، ہم اہل سنت کے نزدیک اس دلیل سے ناممکن ہے کہ جھوٹ عیب ہے اور ہر عیب اللہ تعالیٰ پر بالاجماع محال ہے.

۵۔ امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد علیہ الرحمہ مسایرہ میں فرماتے ہیں :۔

یستحیل علیہ تعالیٰ سمات النقص کالجھل والکذب۔	یعنی جتنی نشانیاں عیب کی ہیں جیسے جہل و کذب وہ سب اللہ تعالیٰ پر محال ہیں۔

(سبحٰن السبوح ص۱۱)

۶۔ علامہ کمال الدین محمد بن محمد بن ابی شریف مسامرہ میں فرماتے ہیں :۔

لا خلاف بین الاشعریۃ وغیرھم فی ان کل ماکان وصف نقص فالباری تعالیٰ عنہ منزہ وھو محال علیہ تعالیٰ والکذب وصف نقص۔	یعنی اشاعرہ اور غیر اشاعرہ کسی کو اس میں اختلاف نہیں کہ جو کچھ صفت عیب ہے باری تعالیٰ اس سے پاک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر ممکن نہیں اور کذب صفت عیب ہے۔

(سبحٰن السبوح ص۱۱)

۷۔ کنز الفوائد میں ہے :

قدس تعالیٰ شانہ عن الکذب شرعاً و عقلاً اذھو قبیح یدرک العقل قبحہ من غیر توقف علی شرع فیکون محال فی حقہ تعالیٰ عقلاً و شرعاً کما حققہ ابن الھمام وغیرہ۔ (سبحٰن السبوح ص۱۲)	یعنی بحکم شرع وبحکم عقل ہر طرح اللہ تعالیٰ کذب سے پاک مانا گیا ہے اس لئے کہ کذب قبیح عقلی ہے کہ عقل خود ہی اس کے قبح کو مانتی ہے بغیر اس کے کہ اس کا پہچاننا شرع پر موقوف ہو تو جھوٹ بولنا اللہ تعالیٰ کے حق میں عقلاً و شرعاً ہر طرح محال ہے جیسے کہ امام ابن الہمام وغیرہ نے اس مسئلہ کی تحقیق افادہ فرمائی۔

۸۔ علامہ جلال دوانی شرح عقائد میں لکھتے ہیں :

الکذب علیہ تعالیٰ محال لا تشملہ القدرۃ۔ (سبحٰن السبوح ص)	یعنی اللہ تعالیٰ کا جھوٹا ہونا محال ہے قدرت الٰہی میں داخل نہیں۔

۹۔ شرح عقائد جلالی میں ہے :

الکذب نقص والنقص علیہ	جھوٹ عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر

محال فلا یکون من الممکنات ولا تشمله القدرة کسائر وجوہ النقص علیه تعالیٰ کالجهل والعجز
(سبحٰن السبوح صد ۱۳)

محال تو اللہ تعالیٰ کا جھوٹ ممکن نہیں نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اسے شامل جیسے تمام اسباب عیب مثل جہل وعجز الٰہی کو سب محال ہیں اور صلاحیت قدرت سے خارج۔

ہم اختصار کی خاطر اتنے ہی حوالوں پر بس کرتے ہیں جس کو مزید بائیس نصوص آئمہ اور تیس دلیل قاہر دیکھنے کا شوق ہو وہ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف سبحٰن السبوح کا مطالعہ کرے۔ وہابی اپنے عقیدہ امکان کذب کی حمایت میں جن مغالطہ آمیز دلائل سے کام لیتے ہیں ذیل میں ان کا بطلان پیش کیا جا رہا ہے۔

۱— امکان کذب کے ثبوت میں عام وہابی دیوبندی یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور چونکہ جھوٹ بھی ایک چیز ہے لہذا وہ جھوٹ بولنے پر قادر ہے اور جب جھوٹ بولنے پر قادر ہے تو اس کے لئے جھوٹ بولنا ممکن ہوا۔

جواب: جب وہابیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کا پہلا جھوٹ یہی کلام یعنی اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہو تو پھر اس کلام کو دلیل میں پیش کرنا کیونکر صحیح ہوگا— دوسرا فولادی تحقیقی جواب یہ ہے کہ کذب الٰہی عیب ہے اور ہر عیب اللہ تعالیٰ کے لئے محال بالذات ہے لہذا کذب الٰہی محال بالذات ہے اور کوئی محال بالذات ممکن نہیں ثابت ہوا کہ کذب الٰہی ممکن نہیں۔ پھر ذات باری تعالیٰ کو جھوٹ پر قادر کہنا یہ وہابیوں کا سخت ترین مغالطہ ہے کیونکہ کذب الٰہی محال بالذات ہے اور کوئی محال بالذات زیر قدرت نہیں لہذا کذب الٰہی زیر قدرت نہیں تو پھر کذب الٰہی کو زیر قدرت بتا کر امکان کذب کو ثابت کرنا دجل وفریب نہیں تو اور کیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ مفہوم کی تین قسم ہے— واجب، ممکن، محال

واجب: وہ مفہوم ہے جس کا وجود ضروری ہو جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات

ممکن: وہ مفہوم ہے جس کا نہ وجود ضروری ہو نہ عدم مثلاً عالم اور عالم کی چیزیں۔

محال: وہ مفہوم ہے جس کا عدم ضروری ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا کذب، جہل، عجز اور جیسے دوسرا خدا ہونا۔

واضح ہو کہ زیر قدرت الٰہی صرف ممکنات ہیں۔ واجب اور محال زیر قدرت نہیں۔

شرح مقاصد میں ہے:

لاشئ من الواجب والممتنع بمقدور	واجب اور محال ہرگز زیر قدرت نہیں

(سبحٰن السبوح ص۳)

شرح مواقف میں ہے:

علمہ تعالیٰ یعم المفہومات کلہا الممکنۃ والواجبۃ والممتنعۃ فہو اعم من القدرۃ لانہا تختص بالممکنات دون الواجبات والممتنعات۔ (سبحٰن السبوح ص۳)	یعنی علم الٰہی ممکن، واجب اور محال سب مفہوم کو شامل ہے تو وہ قدرت الٰہی سے عام ہے کیونکہ قدرت الٰہی صرف ممکنات ہی سے متعلق ہے واجبات اور محالات سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔

حوالہ جات مذکورہ بالا سے واضح ہو گیا کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ میں کل شیء سے مراد کل ممکن ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر ممکن پر قادر ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا محال ہے تو وہ زیر قدرت نہیں اور جب وہ زیر قدرت نہیں تو ہرگز ہرگز ممکن نہیں۔ اب ہم اس مقام پر وہابیوں سے ان کے اس مغالطہ آمیز استدلال کے پیش نظر ایک سوال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے یا نہیں کہ شیطان کو وہابیوں کا خدا بنا دے اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ قادر نہیں تو تم اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کا انکار کر کے کھلم کھلا کافر ہو گئے اور اگر کہو کہ شیطان، قدرت الٰہی سے وہابیوں کا خدا ہو سکتا ہے تو تم وحدانیت کا انکار کر کے کھلے عام مرتد ہو گئے —— بولو! ہے کوئی وہابیوں میں دم خم والا جو وہابی مذہب کو برقرار رکھتے ہوئے اس سوال کا جواب دے سکے۔

۲ —— وہابی کہتے ہیں کہ انسان کو جھوٹ بولنے پر قدرت ہے تو اگر اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر نہ ہو تو قدرت انسانی، قدرت ربانی سے بڑھ جائے گی اور یہ محال ہے کہ

قدرت انسانی، قدرت ربانی سے بڑھ جائے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جھوٹ بولنا ممکن ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ یعنی تم اور جو کچھ تم کرتے ہو سب اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اہل سنّت کا ایمان ہے کہ انسان اور اس کے تمام اعمال، اقوال، احوال، اوصاف سب اللہ عزوجل کے پیدا کئے ہوئے ہیں انسان کو صرف کسب پر ایک گونہ اختیار ملا ہے لیکن اس کے سارے کام مولیٰ عزوجل ہی کی سچی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ آدمی کی کیا طاقت کہ بے ارادہ الٰہی کے پلک مار سکے۔ انسان کا صدق وکذب، کفر وایمان، طاعت وعصیان جو کچھ ہے سب کو اسی قادر مطلق جل جلالہٗ نے پیدا کیا ہے تو جب انسان کا جھوٹ بولنا، کفر کرنا، فسق کرنا، بندگی کرنا سب اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت سے واقع ہوتا ہے تو پھر قدرت ربانی سے قدرت انسانی کیونکر بڑھ سکتی ہے اور رہی یہ بات کہ اگر کذب الٰہی پر خدائے تعالیٰ قادر نہ ہوگا تو قدرت ربانی گھٹ جائے گی تو ایسا سوچنا صرف بد دماغ وہابی کا کام ہو سکتا ہے اس لئے کہ کذب الٰہی محال اور غیر ممکن ہے اور کوئی محال زیر قدرت نہیں اور کذب الٰہی جب زیر قدرت نہیں تو قدرت گھٹنے کی کیا بات ہے؟

اس مقام پر پھر ہم وہابیوں سے ایک سوال کرتے ہیں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ بہت سے انسان اس بات پر قادر ہیں کہ وہ پتھر کی مورتی بنا کر اس کو اپنا معبود قرار دیں اور صبح شام اس کی پوجا کریں تو اگر خدا، پتھر کی مورتی کو اپنا معبود قرار دیکر صبح وشام اس کی پوجا پر قادر نہ ہو تو قدرت انسانی، قدرت ربانی سے بڑھ جائے گی اور چونکہ قدرت انسانی کا قدرت ربانی سے بڑھ جانا محال ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا کا پتھر کی مورتی کو اپنا معبود قرار دینا ممکن ہے۔ بولو! ہے کوئی وہابیوں میں ہمت والا جو وہابی مذہب کو باقی رکھتے ہوئے اس ممکن کو ختم کر دے۔

۳ــــ وہابی کہتے ہیں کہ متکلمین کے نزدیک یہ قاعدہ کلیہ مُسَلَّم ہے کہ کل ما ھو مقدور للعبد مقدور للّٰہ یعنی ہر وہ کام جو بندہ اپنے لئے کر سکتا ہے خدا بھی اپنے لئے کر سکتا ہے تو جب آدمی جھوٹ بول سکتا ہے تو خدا بھی جھوٹ بول سکتا ہے کیونکہ اگر خدا جھوٹ نہ بول سکے تو ایک

کام ایسا نکلا کہ آدمی تو کر سکتا ہے اور خدا نہیں کر سکتا اور یہ ظاہر بات ہے کہ خدا کی قدرت بے انتہا ہے لہٰذا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس کام کو آدمی کر سکے اسے خدا نہ کر سکے اس لئے ثابت ہوا کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے اس کا جھوٹا ہونا ممکن ہے۔

جواب: مَعَاذَ اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ بیشک قاعدہ کلیہ حق ہے لیکن وہابی اس کے جو معنی بیان کرتے ہیں وہ صریح غلط ہونے کے ساتھ کھلا کفر بھی ہے قاعدہ کلیہ کا صحیح معنی یہ ہے کہ بندہ جس چیز کے کسب پر قادر ہے اللہ تعالیٰ اس کے پیدا کرنے پر قادر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بندہ کا ہر کام اللہ تعالیٰ کے خلق و ایجاد ہی سے واقع ہوتا ہے محترم قارئین بھی ملاحظہ فرمائیں کہ قاعدہ کلیہ کو امکان کذب سے کیا تعلق ہے؟ لیکن جب وہابیوں کے نزدیک یہی طے ہے کہ ہر وہ کام جو بندہ اپنے لئے کر سکتا ہے خدا بھی اپنے لئے کر سکتا ہے تو ان کے مذہب پر لازم آتا ہے کہ

(الف) انسان قادر ہے کہ اپنے خدا کی تسبیح کرے تو ضرور ہے کہ وہابیہ کا خدا بھی قادر ہو کر اپنے خدا کی تسبیح کرے ورنہ ایک کام ایسا نکلا کہ بندہ تو کر سکے اور خدا نہ کر سکے۔

(ب) آدمی قادر ہے کہ اپنی ماں کی تواضع و خدمت کیلئے اسکے تلووں پر اپنی آنکھیں ملے اپنے باپ کی تعظیم کیلئے اسکے جوتے اپنے سر پر رکھکر چلے تو ضرور ہے کہ وہابیہ کا خدا بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ ایسی تعظیم و تواضع پر قادر ہو ورنہ ایک کام ایسا نکلا کہ بندہ تو کر سکے اور خدا نہ کر سکے۔

(ج) آدمی قادر ہے کہ پرایا مال چرا چھپا کر اپنے قبضہ میں کرے تو ضرور ہے کہ وہابیہ کا خدا بھی دوسرے کی مملوک چیز چرا لینے پر قادر ہو ورنہ ایک کام ایسا نکلا کہ آدمی تو کر سکے اور خدا نہ کر سکے۔

(د) آدمی قادر ہے کہ اپنے خدا کی نافرمانی کرے تو ضرور ہے کہ وہابیہ کا خدا بھی اپنے خدا کی نافرمانی پر قادر ہو ورنہ ایک کام ایسا نکلا کہ آدمی تو کر سکے اور خدا نہ کر سکے۔

اب وہابی یا تو اقرار کریں کہ خدا کے لئے دوسرا خدا ہونا، اور خدا کے ماں باپ ہونا ممکن ہے ورنہ عقیدۂ امکانِ کذب الٰہی سے توبہ کریں۔

۴ — ملا رشید احمد گنگوہی نے براہین قاطعہ صہ۳ میں لکھا ہے کہ "امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے یا نہیں؟ ردالمختار میں ہے ھل یجوز الخلف فی الوعید فظاھر مافی المواقف والمقاصد ان الاشاعرۃ قائلون

بجوازہ پس اس پر طعن کرنا پہلے مشائخ پر طعن کرنا ہے اور اس پر تعجب کرنا محض لاعلمی اور امکان کذب خلف وعید کی فرع ہے"۔

جواب: محترم قارئین! پہلے آپ ملا گنگوہی کی مراد سمجھنے کی کوشش کریں۔ واقعہ یوں ہے کہ ضلع سہارنپور کے حضرت مولانا عبدالسمیع رامپوری نے امکان کذب کے خلاف اپنے صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے انوار ساطعہ میں لکھا تھا کہ "کوئی جناب باری عز اسمہ کو امکان کذب کا دھبا لگاتا ہے" — اس کے جواب میں گنگوہی جی فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کو بالامکان جھوٹا کہنا یہ تو کوئی نئی بات نہیں اگلے زمانے کے بعض علمائے اسلام بھی تو خدا کیلئے جھوٹ بولنا ممکن بتلا گئے ہیں دیکھو اشاعرہ اہل سنت خلف وعید کے قائل ہیں اور امکانِ کذب خلف وعید کی ایک قسم ہے لہٰذا امکان کذب پر اعتراض کرنا اگلے زمانے کے علمائے دین پر اعتراض کرنا ہے — افسوس اور ہزار افسوس کہ گنگوہی جیسا وہابیوں کا شیخ ربانی جب اتنی سنگین افتراسازی اور بہتان طرازی کر سکتا ہے تو چھوٹے چھوٹے وہابی ملاؤں کا کیا حال ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ باطل عقائد کا طرفدار خود اندھا ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنے جیسا اندھا سمجھتا ہے بیشک اہلسنت کے بعض علماء خلف وعید کے ضرور قائل ہیں مگر اس کے ساتھ وہی علماء امکان کذب الٰہی کے عقیدہ کی سخت مخالفت کرتے ہیں پھر ان کو امکان کذب کا قائل بتانا کتنا سفید جھوٹ اور کس قدر سنگین بہتان ہے۔

جس مواقف میں ہے لا یعد الخلف فی الوعید نقصاً یعنی خلف وعید عیب نہیں شمار کیا جاتا۔ اسی مواقف میں ہے انہ تعالیٰ یمتنع علیہ الکذب اتفاقاً یعنی باری تعالیٰ کا کذب بالاتفاق محال ہے۔ جس شرح طوالع میں ہے الخلف فی الوعید حسن یعنی خلف وعید (سزا معاف کر دینا) ایک اچھی بات ہے۔ اسی شرح طوالع میں ہے الکذب علی اللہ تعالیٰ محال یعنی اللہ تعالیٰ کا کذب محال ہے۔ جس علامہ جلال دوانی نے شرح عقائد جلالی میں لکھا ہے ذھب بعض العلماء الی ان الخلف فی الوعید جائز علی اللہ تعالیٰ لا فی الوعد و بھذا وردت السنۃ یعنی بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ وعید میں خلف اللہ تعالیٰ پر جائز ہے نہ وعدہ میں اور یہی مضمون حدیث میں آیا وہی علامہ جلال تحریر کرتے ہیں الکذب علیہ تعالیٰ محال لا تشملہ القدرۃ اللہ تعالیٰ کا کذب محال ہے قدرت الٰہی میں داخل نہیں ؎

محترم قارئین ملاحظہ فرمائیں مذکورہ بالا حوالوں نے خوب واضح کر دیا کہ ملا گنگوہی کا اتہام

؎ اس میں راز یہ ہے کہ صدق و کذب خبر کی صفت ہے اور قدرت خبر نہیں از قبل انشاء ہے (امجدی)

غلط ہے اور خلف وعید کے قائل علماء کا دامن، عقیدۂ امکان کذب کی نجاست سے پاک و صاف ہے۔

۵ — علماء وہابیہ کہتے ہیں کہ اگر جھوٹ پر خدا کی قدرت نہ مانی جائے تو خدا کا عجز لازم آئے گا۔ اور وہ عجز سے پاک ہے لہٰذا جھوٹ بولنا اس کے لئے ممکن ہوا۔

جواب: اللہ تعالیٰ کے حق میں جھوٹ محال ہے اور محال پر قدرت نہ ہونے سے عجز لازم نہیں آتا۔ سیدنا علامہ عبدالغنی نابلسی اپنی کتاب مطالب وفیہ میں ابن حزم فاسد العزم کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان العجز انما یکون لو کان المقصود جاء من ناحیۃ القدرۃ اما اذا کان لعدم قبول المستحیل تعلق القدرۃ فلا یتوھم عاقل ان ھذا عجز۔	یعنی عجز تو جب ہو کہ تصور قدرت کی طرف سے آئے اور جب وجہ یہ ہے کہ محال خود ہی تعلق قدرت کی قابلیت نہیں رکھتا تو اس سے کسی عاقل کو عجز کا وہم نہ گزرے گا۔

— (سبحٰن السبوح ص۳۸) —

اس مقام پر پھر ہم وہابیوں سے ایک سوال کرتے ہیں۔ اگر شیطان کی پوجا کرنے پر وہابیہ کے خدا کی قدرت نہ مانی جائے تو اس کا عجز لازم آئے گا اور وہ عجز سے پاک ہے لہٰذا شیطان کی پوجا کرنا تمہارے خدا کے لئے ممکن ہوا۔ اب وہابی یا تو شیطان کو اپنے خدا کا معبود مانیں یا اپنے خدا کا عاجز ہونا تسلیم کریں۔

بحمدہ تعالیٰ ثم بعون رسولہ علیہ التحیۃ والثنا ہماری ان چند سطروں سے خوب ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں وجوب صدق کا عقیدہ رکھنے والے صادق اور امکان کذب کا اعتقاد رکھنے والے کاذب ہیں —— وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ اکرم خلقہ واعلم خلقہ واوّل خلقہ وافضل خلقہ وخاتم انبیائہ وسید اصفیائہ محمد والہ وصحبہ وابنہ الغوث الاعظم الجیلانی البغدادی وشہید محبتہ المجدد الاعظم البریلوی اجمعین واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔



(مولانا بدرالدین صاحب گورکھپوری)

اسلاف کرام اور جذبۂ احترام رسول

دنیا میں جتنی قومیں ہیں اگر وہ کسی دین و مذہب اور کسی آئین و اصول کی پابند ہیں تو یقیناً انھوں نے اپنے دین و مذہب لانے والے اور آئین و اصول کے بانی کو عام انسانی مقام سے اونچا مقام دیا ہے اور اسی کی عظمت و برتری کے اظہار کے لئے اپنے دینی رہنماؤں، مذہبی پیشواؤں اور قومی ریفارمروں کی اپنے اصول و انداز اور رسم و رواج کے مطابق بے پناہ تعظیم و توقیر کی، ان کے احترام و ادب کو اپنا شعار بنایا۔ فروتنی اور خاکساری کے جتنے جذبات تھے سب اپنے مقتدا کے قدموں پر قربان کر دیئے۔ اسی لئے بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر قوم نے اپنے رہنما اور رہبر کی تعظیم و توقیر کو حاصلِ ایمان اور مدار اعتقاد سمجھا ہے اور اسی احترام و ادب کو اپنے لئے باعثِ نجات خیال کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا یہ خیال واقعہ کے مطابق نہ ہو۔ ایسا کوئی شخص آپ کو نہ ملے گا جو اپنے کو کسی مذہب کا ماننے والا اور اس کا پابند بتلائے اور پھر اس مذہب کے لانے والے یا بنانے والے کو برا بھی کہتا جائے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ضرور ملیں گے جنہوں نے اپنے رہنماؤں کی کمزوریوں اور خامیوں پر خیر و صلاح نیکی اور بھلائی کا لیبل چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے گناہوں اور جرائم کو ان کا فضل و کمال ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے کیونکہ کسی دینی رہنما کسی قومی مصلح اور کسی مذہبی پیشوا کی دینی و مذہبی حیثیت اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک اس کے ماننے والوں میں اس کا بے پناہ جذبۂ احترام کارفرما ہو۔ اس کی عظمت و برتری کا سکہ ان کے دلوں پر نہ مٹنے کی حد تک جم چکا ہو۔ ذرا آپ مختلف مذاہب کے پیروکاروں پر ایک گہری نظر ڈالیں تو آپ کو ان کا پورا مذہبی سرمایہ ان کے بزرگوں کے چند فرضی کرامات۔ کچھ مافوق الفطرت کاموں کی بہتات، کچھ محیر العقول قصے اور کہانیاں ہی نظر آئیں گی انھیں چند کمزور بنیادوں پر ان کے ایمان و اعتقاد کی پوری عمارت کھڑی ہوتی نظر آئے گی مگر بایں ہمہ وجوہ وہ اپنے پیشوا

کی جس طرح تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور جس طرح ان کے احترام و ادب کا مظاہرہ کرتے ہیں کسی پر مخفی نہیں۔ شاید ہی کوئی بدقسمت انسان ہو جو اپنے مذہبی رہنما کو قابل تعظیم، سزاوار عزت، اور لائق حرمت نہ یقین کرتا ہو۔ اپنے مصلحین، اور پیشوایان دین پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کا بلند آہنگ نعرہ کس مذہب کے پیروکار نہیں لگاتے۔ لیکن یہ زبانی دعوے مشاہدہ اور تجربہ عمل و کردار کی دنیا میں خس و خاشاک سے زیادہ کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ آیئے ہم ان زبانی دعویداروں سے پرے چل کر کچھ ایسے لوگوں کی تلاش و جستجو کریں جو قول سے زیادہ عمل کے عادی ہوں۔ جن کے یہاں دعوے سے پہلے دلیل کے سامان فراہم ہوں۔ جنھوں نے اپنے رہبر و رہنما کی تعظیم و تکریم اور اس کا ادب و احترام صرف زبان کی حد تک نہ کیا ہو۔ بلکہ عملی طور پر یہ ثابت مبرہن کر دیا ہو کہ ہمارا معاملہ دوسرے مذاہب کے پرستاروں سے بالکل جداگانہ ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ "کبریت احمر" سے زیادہ قیمتی کون لوگ ہیں۔ یہی وہ فرزندانِ اسلام ہیں جن پر اسلام کو بجا طور پر ہمیشہ فخر رہے گا۔ کیا یہ آفتاب سے زیادہ واضح اور روشن حقیقت نہیں کہ ہمارے اسلاف کرام نے جس انداز میں اپنے رہبر اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کی ہے نہ کوئی قوم اپنے رہبر کی ویسی تعظیم و تکریم کر سکی نہ رہتی دنیا تک کر سکے گی۔ شمع رسالت کے پروانوں کا احترام و ادب اور بارگاہِ رسول میں ان کی تعظیم و توقیر کا اگر آپ جائزہ لینا چاہیں تو کسی مخلص دوست کی کی نہیں بلکہ دشمن کی گواہی کا اعتبار کیجئے۔ دوست کے لئے دوست کی گواہی تو یوں کہہ کر بھی رد کی جاسکتی ہے کہ عقیدت و محبت کی فراوانی میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے لیکن اس گوا کے بارے میں آپ کیا کہہ سکیں گے جس کے دل میں مشہود کے لئے ذرا سا بھی جذبۂ عقیدت و محبت نہ ہو بلکہ مشہود کی عداوت و دشمنی ہی اس کی زندگی کا نصب العین ہو۔ یقیناً ایسے شاہد کی شہادت ناقابل انکار شہادت ہوگی اور ایسی ٹھوس حقیقت ہوگی جس میں کذب و دروغ کا کوئی ہلکا سا بھی شائبہ نہ ہوگا — اسلام کا ابتدائی دور ہے۔ رحمت دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ سے ہجرت فرما کر قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا۔ کفار مکہ نے عروہ بن مسعود جیسے جہاندیدہ اور آزمودہ کار کو خدمت نبوی میں بھیجا تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی قوت کا اندازہ اور ان کی اجتماعی شوکت کا نظارہ کر سکیں۔ عروہ نے بارگاہ نبوی میں پہونچکر اپنی کھلی آنکھوں سے غلامانِ مصطفےٰ

علیہ السلام کا جو ادب و احترام اور جس جاں نثاری اور پروانہ داری کا منظر دیکھا اس لئے انہیں عالم حیرت میں ڈال دیا۔ اپنی قوم میں واپس آکر عروہ نے جو رپورٹ پیش کی ہے یقین جانیے اتنی نادر، انوکھی اور حقیقت آمیز رپورٹ شاید کسی دشمن نے اپنے دشمن کے لئے کبھی پیش نہ کی ہو گی۔ عروہ کہتے ہیں اے مکہ والو! میں نے بہت کروفر والے شاہنشاہوں کو دیکھا۔ قیصر و کسریٰ کی پرعظمت و پرجلال بارگاہیں دیکھیں مگر احترام و ادب کا جو جلوۂ زیبا محمدؐ کی بارگاہ میں نظر آیا وہ کہیں دیکھنے میں نہ آیا۔ محمدؐ اور اصحاب محمدؐ کا معاملہ ہی کچھ اور ہے ان دونوں میں حاکم و محکوم آقا و غلام سے بڑھ کر شمع اور پروانے کا رشتہ ہے۔ گل و بلبل کا رشتہ ہے۔ جسم و روح کا تعلق ہے۔ زندگی اور سانس کا ربط ہے۔ کیا یہ رشتے ایک دوسرے سے کبھی جدا ہو سکتے ہیں۔ کیا کوئی طاقت ان مضبوط و پائدار رشتوں کو کاٹ سکتی ہے —— محمدؐ پر اصحاب محمدؐ کی وارفتگی کا جو منظر میں نے دیکھا ہے وہ حد بیان سے باہر ہے میں نے دیکھا:——

اَنَّہٗ لَا یتوضأُ اِلَّا ابتدرُوا وَضُوءَہٗ وَکَادُوا یقتلون علیہ ولا یبصُقُ بصاقاً وَلَا تنخّمُ نخامۃ اِلَّا تلقّوھا باکفھم فدلکوا بھا وجوھھم واجسادھم ولا تسقطُ منہ شَعْرَۃٌ اِلَّا ابتدروھا وما یحدون الیہ النظر تعظِیماً لہ، (الشفا للقاضی عیاض ج ۲ ص ۳۱)

یعنی جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے ماننے والے ان کے غسالہ پر ایسے گرتے ہیں جیسے پروانے شمع پر۔ جب وہ تھوکتے ہیں یا ناک صاف کرتے ہیں تو یہ رطوبتیں زمین پر نہیں گرنے پاتیں بلکہ ہاتھوں میں پہونچکر کسی کے چہرے اور نظر کی زیب و زینت بن جاتی ہیں۔ اور کیا مجال ہے کہ ان کا ایک بال زمین پر گر جائے۔ تعظیم و احترام کی بنا پر ان کی طرف تیز نظروں سے دیکھتے تک نہیں۔

احترام و ادب کا یہ جذبہ کیا دوسرے مذاہب اپنے کسی ایک ہی فرد میں دکھانے کی جرأت کر سکیں گے جس نے اپنے رہبر کے اعضاء کے دھوون کو آب حیات سے زیادہ حیات بخش و جانفزا سمجھا ہو۔ اس کے بدن کے پسینہ کو مشک و عنبر سے زیادہ خوشبودار یقین کیا ہو جس نے اپنے محبوب کے آئینہ رخسار پر تیز نگاہوں کی ہلکی ٹھیس بھی گوارہ نہ کی ہو۔ یہ فخر تو صرف غلامان مصطفےٰ علیہ السلام کو حاصل ہے جنھوں نے اپنے نبی کے تلووں سے لگ جانے والے پانی کو

ؐ صلی اللہ علیہ وسلم

کو ثر و سبیل سے زیادہ متبرک سمجھا اور ان کے مبارک بال کو بھی کونین کا عظیم سرمایہ یقین کیا۔ حتیٰ کہ جسم پاک کے فضلات مبارکہ کو بھی نعمت غیر مترتبہ سمجھ کر استعمال کیا اور ان سے فیوض و برکات حاصل کئے۔ بات آ ہی گئی ہے تو اس سلسلے میں چند واقعات ملاحظہ فرماتے چلیں :——

۱ —— ایک مرتبہ سرکار نے اپنی خادمہ حضرت ام ایمن سے فرمایا پیالے میں پیشاب ہے اسے پھینک آؤ۔ وہ پیالے کو وہاں سے اٹھائے گئیں اور پھینکنے کے بجائے پیشاب کو پی لیا۔ واپس آئے پر فرمایا پیشاب کیا ہوا؟ عرض کیا پیاس لگی تھی اس لئے پی لیا۔ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ ہمارا پیشاب ناپاک ہوتا ہے ناپاک چیز کو کیوں پیا جاؤ منھ کو پاک کرو۔ آئندہ خبردار ایسا نہ کرنا —— بلکہ مسکرائے اور فرمایا کہ ——

اَمَا واللہ لا یَںجَعَنَّكِ بَطْنُكِ اَبَدًاؕ	قسم خدا کی تیرے پیٹ میں کبھی درد نہ ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ تا زلیست انھیں پیٹ کے درد کی شکایت نہ ہوئی۔

—— (سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۵۱۵) ——

۲ —— حضرت سلمیٰ ام رافع کہتی ہیں کہ حضور پر نور علیہ السلام نے غسل فرمایا تو میں نے آپ کے غسل شریف کا پانی پی لیا اور آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

اذھبی فقد حرّم اللہ بدنك علی النار۔	جا اللہ تعالیٰ نے تیرے بدن پر آتش دوزخ حرام کردی۔

—— (عینی ج ۱ ص ۲۲۲ خصائص کبری ج ۲ ص ۲۲۵) ——

۳ —— حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ احد میں حضور کے جسد پاک سے نکلے ہوئے خون کو پی لیا۔ جب حضور کو اطلاع ہوئی تو فرمایا ——

مَنْ سَرَّہٗ اَنْ ینظر الی من لَاتَمَسَّہٗ النار فلینظر الی مالك بن سنان۔	جو کسی ایسے کو دیکھنا چاہے جسے نار جہنم نہیں جلاسکتی وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے۔

—— (سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۵۱۵) ——

ان چند واقعات سے ثابت ہوا کہ سرکار علیہ السلام کے فضلات شریفہ (مثلاً بول و براز خون وغیرہ) امت کے لئے طیب و طاہر اور ان کا استعمال امتی کے لئے باعث برکت، آزادی

جہنم کا سبب، دوا، دفع بلیات و مصائب ہے۔

در مختار ج ۱ صہ ۲۲۲ میں ہے:—

صحح بعض ائمہ الشافعیہ طہارۃ بولہ صلی اللہ علیہ وسلم وسائر فضلاتہ وبہ قال ابوحنیفۃ کما نقلہ فی المواہب اللدنیۃ عن شرح البخاری للعینی وقال الحافظ بن حجر تظافرت الادلتہ علی ذالک وعد الائمۃ من خصائصہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی سرکار علیہ السلام کے بول مبارک بلکہ تمام فضلات شریفہ کی طہارت کی تصحیح بعض آئمہ شافعیہ نے کی۔ اور یہی امام اعظم کا بھی قول ہے جیساکہ عینی کے حوالے سے مواہب لدنیہ میں نقل کیا گیا ہے اور حضرت علامہ ابن حجر نے ارشاد فرمایا کہ دلائل اس پر قوی و کثیر ہیں نیز آئمہ دین نے اسے خصوصیات نبویہ میں شمار کیا ہے۔

البتہ یہ سوال آپ کے ذہن کے پردوں پر ضرور ابھرے گا کہ اگر یہ چیزیں طیب و طاہر ہیں تو پھر خود حضور علیہ السلام نے ان اشیاء کے ظاہر ہونے پر وضو غسل تیمم وغیرہ کیوں کیا؟

اس کا سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ یہ چیزیں سرکار علیہ السلام کے علو مرتبت اور رفعت درجت کے سبب خود حضور کے حق میں نجس و ناپاک ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جو ہم کھاتے ہیں وہ گندگی اور نجاست بن جاتی ہے اور حضور علیہ السلام چونکہ نور ہیں اس لئے آپ جو تناول فرماتے ہیں وہ نور بن جاتا ہے۔ اکابرین ملت اور بزرگان دین اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ نور کے قرب میں رہنے اور پلنے والی چیز خود بھی نور ہو جاتی ہے۔ بنابریں یہ حضرات دل میں آرزو رکھتے اور تمنا کرتے کہ کاش ہمیں بھی حضور علیہ السلام کے فضلات شریفہ مل جائیں اور ہماری بھی قسمت سنور جائے۔ چنانچہ حضرت عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب "الیواقیت والجواھر" کے ج ۲ صہ ۶۲ میں تحریر فرماتے ہیں:—

قال شیخ الاسلام السراج البلقینی واللہ لو وجدت شیئاً من بول النبی صلی اللہ وغائطہ لاکلتہ وشربتہ

یعنی شیخ الاسلام سراج بلقینی نے فرمایا قسم بخدا اگر مجھے حضور علیہ السلام کے بول و براز مبارک مل جائیں تو میں انھیں ضرور کھاؤں اور پیوں۔

ان احادیث و اقوال سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کے فضلات مبارکہ طیب و

طاہر، باعث برکت فلاح دارین کے ضامن، وہیں یہ بات بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ تعظیم وتکریم احترام وادب کا وہ طریقہ جس سے شارع نے منع نہ فرمایا قطعاً یقیناً جائز ہے خواہ اس کے کرنے کا حکم بھی صراحت سے نہ ملتا ہو۔ تھوڑی دیر کے لئے آپ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے مذکورہ بالا افعال پر نظر ڈالیں اور غور فرمائیں کہ کیا حضور علیہ السلام نے کبھی کسی صحابی سے یہ فرمایا، ہو کہ میرا غسالہ زمین پر گرنے میں اس کی بے ادبی ہے لہٰذا اسکی تعظیم کرو اور گرنے سے بچاؤ۔ یا جسم پاک کے دیگر فضلات و رطوبات کے بارے میں کبھی یہ فرمایا ہو کہ انھیں ہاتھوں میں لے لینا، چہرے پر مل لینا۔ اور استعمال کر لینا ایسا کبھی نہ فرمایا۔ مگر پھر بھی صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اظہار تعظیم و توقیر اور حصول برکت کے لئے یہ سب کچھ کیا۔ لیکن نہ تو خود حضور علیہ السلام نے ان افعال کو حرام وممنوع فرمایا اور نہ حضرات صحابہ معاذ اللہ مرتکب حرام کہلائے۔ علاوہ بریں یہ سب افعال تعظیم فضائل صحابہ میں شمار کئے گئے معلوم ہوا کہ شریعت وشارع کا کسی شئی کی صراحتاً حرمت وحلت نہ بتانا بھی دلیل جواز ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اظہار تعظیم کے وہی طریقے ممنوع اور ناجائز ہوں گے جن سے صراحتاً شارع علیہ السلام نے منع فرمادیا مثلاً سجدۂ تعظیمی اس کے سوا اور دوسرے افعال جو اظہار تعظیم کے لئے کئے جائیں جن سے نہ شارع نے کبھی منع اور نہ کرنے ہی کا حکم دیا۔ وہ افعال بلا شبہ جائز ہوں گے بلکہ کرنے والے لائق اجر وثواب ہیں ــــ آیئے دیکھئے کہ صحابۂ کرام اور معتمدین ملت نے ہر اس شئی کی تعظیم وتوقیر کی ہے یا نہیں جس کو حضور علیہ السلام سے ادنیٰ سی بھی نسبت حاصل ہوگئی حالانکہ ان کی تعظیم کرنے کا حکم کہیں صراحتاً موجود نہیں۔

۱ــــ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ــــــــ

وَلَا وَضَعْتُ یمینی علی فرجی منذ بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۱۴)	میں نے اپنے داہنے ہاتھ کو اپنی شرمگاہ پر اس وقت سے نہ رکھا جب سے اس ہاتھ کو بیعت کے لئے حضور کے ہاتھ میں دیا۔

سبحان اللہ! ذرا جذبۂ ایمانی کی جلوہ گری تو دیکھئے کہ سیدنا ذوالنورین رضی اللہ عنہ اس ہاتھ کو قابل تعظیم وتکریم سمجھتے ہیں جو ہاتھ ایک مرتبہ دست پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے لگ گیا ہے۔

۲۔۔۔ حضرت سیدنا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کے کچھ بال اتنے لمبے تھے کہ جب کھلتے تو زمین پر آجاتے۔ لوگوں نے عرض کیا آپ یہ بال اتروا کیوں نہیں دیتے تو آپ نے فرمایا ان بالوں کو اپنے سر سے کس طرح جدا کر دوں جن کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوا ہے۔ پوچھنے پر واقعہ بیان فرمایا کہ عالم طفولیت میں تھا مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر بچّوں کے پاس ہوا۔ میں بھی انھیں بچّوں میں کھیل رہا تھا۔ مصطفیٰ علیہ السّلام نے بربنائے رحمت و شفقت اپنا دست مبارک میرے سر پر پھیر دیا تھا اسی لئے والدہ محترمہ نے وہ بال ہمارے سر سے جدا نہ کرائے۔

۳۔۔۔ حضرت احمد بن فضلویہ بڑے ماہر تیر انداز اور مشہور غازیان اسلام میں ہیں فرماتے ہیں:

مامست القوس بیدی بغیر وضو منذ بلغنی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذ القوس بیدہ۔	میں نے یہ کمان بے وضو نہ چھوا جب سے مجھے خبر ملی کہ حضور علیہ السّلام نے اسے اپنے مبارک ہاتھوں سے چھوا ہے۔

۴۔۔۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جو اتباع سنّت رسول میں شہرۂ آفاق ہیں ان کا حال صاحب شفا نقل فرماتے ہیں: ۔۔۔۔۔

رُوِیَ بن عمر و اصعا بدہ، علی مقعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المنبر ثم وضعہا علی وجہہ۔	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بارہا دیکھا گیا آپ منبر رسول کے اس خاص مقام پر جہاں مصطفیٰ علیہ السّلام بیٹھا کرتے تھے اپنا ہاتھ رکھ کر اسے چوم رہے ہیں۔

۵۔۔۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے ہمرکاب ہیں، حضور قبیلہ انصار میں کسی غرض سے تشریف لائے ہیں سواری میں گدھا پیش خدمت ہے۔ اتفاق سے گدھے نے پیشاب کر دیا عبداللہ بن ابی منافق جو اس مجلس میں تھا رومال سے اپنی ناک بند کر لیتا ہے اور کہتا ہے اسے جلد ہٹاؤ اس کی بدبو سے ہمیں سخت تکلیف پہونچی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، نے اتنا سُن کر فرمایا: ۔۔۔۔۔

وَاللهِ اِنَّ بولَ حمارہ لَاَطْیَبُ	خدا کی قسم سرکار جس گدھے کو اپنی سواری

مِن مِسْکٍ۔
(مدارک شریف ج ۴ ص ۱۶۹)

یہیں قبول فرمائیں اس گدھے کا پیشاب تیرے مشک وعنبر سے زیادہ خوشبودار ہے۔

سبحان اللہ! حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اس سواری کی توہین بھی گوارہ نہ ہوئی جسے مصطفیٰ علیہ السلام سے بہت دُور کی نسبت ہے۔ اور واقعی تقاضائے ایمان یہی ہے کہ مصطفیٰ علیہ السلام کی بارگاہ عالی سے نسبت رکھنے والی شئے کو سرمایۂ کونین سمجھا جائے۔

آخر میں دُعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ مصطفیٰ علیہ السلام کی بارگاہ کے ان نیازمندوں پر رحم وکرم کے پھول برسائے جن سے آج بھی روئے ایمان پر تازگی اور نکھار ہے۔ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالے آج بھی انہیں یاد کرکے اپنے قلب وجگر کو ضیابار اور پرُنور بناتے ہیں۔



(مولانا عنایت احمد صاحب نعیمی گونڈوی)

قبر پر عمارت بنانا، چراغ جلانا، پھول اور چادر ڈالنا

اولیائے کرام مشائخ عظام کی قبروں کے آس پاس عمارت بنانا یا قبہ تعمیر کرنا جائز ہے۔ اس کا مقصد صاحب قبر کو سایہ کرنا نہیں ہے بلکہ ان حضرات کی عظمت ظاہر کرنا اور زائرین کو آرام پہونچانا ہے جو وہاں فیوض و برکات حاصل کرنے کی خاطر حاضر ہو کر تلاوت قرآن کریم اور فاتحہ پڑھتے ہیں

عینی شرح بخاری میں ہے:

وَهِيَ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّ ضَرْبَ الْفُسْطَاطِ لِغَرَضٍ صَحِيْحٍ كَالسَّتْرِ مِنَ الشَّمْسِ مَثَلًا لِلْاَحْيَاءِ لَا لِظِلَالِ الْمَيِّتِ جَازَ۔	یہ اشارہ ہے کہ قبر پر صحیح غرض کے لئے خیمہ لگانا جائز ہے جیسے کہ زندوں کو دھوپ سے بچانے کیلئے نہ کہ میت کو سایہ کرنے کیلئے

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ بنائے رکھا۔ الفاظ یہ ہیں:

ضَرَبَتْ اِمْرَاَتُهُ الْقُبَّةَ عَلٰى قَبْرِهٖ سَنَةً (مشکوٰۃ)

اور تفسیر روح البیان جلد ۳ پارہ ۱۰ میں زیر آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ ہے

فَبِنَاءُ الْقِبَابِ عَلٰى قُبُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ وَالصُّلَحَاءِ اَمْرٌ جَائِزٌ اِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِذٰلِكَ التَّعْظِيْمَ فِيْ اَعْيُنِ الْعَامَّةِ حَتّٰى لَا يَحْتَقِرُوْا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ۔	یعنی علماء اولیاء صلحاء کی قبروں پر عمارت بنانا جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا ہو تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

قَدْ اَبَاحَ السَّلَفُ الْبِنَاءَ عَلٰى قُبُوْرِ	یعنی علماء متقدمین نے مشہور مشائخ اور علماء

اَلْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ الْمَشْهُوْرِيْنَ لِيَزُوْرَهُمُ النَّاسُ وَيَسْتَرِيْحُوْا بِالْجُلُوْسِ۔

کی قبروں پر عمارت بنانا جائز فرمایا ہے تاکہ ان کی لوگ زیارت کریں اور وہاں بیٹھکر آرام پائیں۔

شامی میں ہے :۔۔۔۔۔

وَقِیْلَ لَا یَکْرَہُ الْبِنَاءُ اِذَا کَانَ الْمَیِّتُ مِنَ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ

کہا گیا ہے۔ اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے۔

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے :۔۔۔۔۔

نہی رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اَنْ یُّجَصَّصَ الْقُبُوْرُ وَاَنْ یُّبْنٰی عَلَیْہِ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ قبروں کو پختہ کیا جائے اور اس پر عمارت بنائی جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبروں کو پختہ کرنا اور اس پر عمارت بنانا ممنوع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ممانعت قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ کرنے سے ہے اور یا ممانعت عام مسلمانوں کی قبروں کو پختہ کرنے سے ہے کیونکہ یہ بے فائدہ ہے لیکن اولیائے کرام کی قبروں کو پختہ کرنا تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔ کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نصب فرمایا اور حضرت خارجہ اسی کے متعلق فرماتے ہیں کہ :۔۔۔۔۔

ان اشدنا وثبتہ الذی یثب قبر عثمان بن مظعون حتی یجاوزہ

ہم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جوان تھے اور ہم میں بڑا کودنے والا وہ تھا جو عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کو پھلانگ جاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صرف سرہانے قبر سے الگ وہ پتھر نصب نہیں تھا بلکہ قبر سے متعلق ہو کر تھا مگر اس روایت میں صرف سرہانے کی طرف نصب کرنے کا ذکر ہے۔ اب رہا قبر پر عمارت بنانا ممنوع تو یا تو اس کا تعلق تمام لوگوں کی قبروں سے ہے اور یا خاص قبر پر عمارت بنانا اس طرح کہ دیوار یا ستون قبر پر ہو۔ کیونکہ جس چیز سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے اس سے صاحب قبر کو بھی تکلیف ہوتی ہے ۔۔۔ علمائے کرام فرماتے ہیں :۔۔۔۔۔

الميت يتاذى بما يتاذى به الحى (رد المختار)

جس بات سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے مردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں۔

فتح القدیر میں ہے:

الاتفاق على ان حرمة المسلم ميتا كحرمته حيا۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمان پر میت کی عزت و حرمت اسکی زندگی ہی کی طرح ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

كسر عظم الميت واذاه ككسره حيا۔ (امام احمد ابوداؤد ابن ماجہ)

مردے کی ہڈی توڑنا اور اسے ایذا پہونچانا ایسا ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

لان يجلس احدكم على جمرة متحرق ثيابه متخلص الى جلده خير له من ان يجلس على قبر۔

بے شک آدمی کو انگارہ پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر جلد تک پہونچ جائے اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے۔

(مسلم ابوداؤد نسائی ابن ماجہ)

عام مسلمانوں کی قبروں پر بلا ضرورت چراغ جلانا ناجائز ہے اور اگر ضرورت ہو تو جائز ہے اور ضرورت کی صورتیں یہ ہیں کہ کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا قبر راستہ پر ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو۔ البتہ مزارات اولیاء پر بغیر ان ضرورتوں کے ان کی اظہار عظمت کے لئے چراغ جلانا جائز ہے۔

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے:

اخراج الشموع الى القبور بدعة واتلاف مال كذا فى البزازية وهذا كله اذا اخلا عن فائدة واما اذا كان موضع القبور مسجدا او على طريق او كان هناك احد جالسا او كان قبر ولى من الاولياء او عالم من المحققين

جائز قبروں پر چراغ لے جانا بدعت اور مال ضائع کرنا ہے اسی طرح بزازیہ میں ہے یہ حکم اس وقت ہے جبکہ بے فائدہ ہو لیکن اگر کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا کہ قبر راستہ پر ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو یا کسی ولی یا محقق عالم کی قبر ہو تو ان کی روح کی تعظیم کرنے اور لوگوں کو

تعظیما لروحه اعلاما للناس انه ولی لیتبرکوا به و یدعو اللہ تعالیٰ عنده فیستجاب لهم فهو

بتانے کے لئے کہ یہ ولی کی قبر ہے تاکہ لوگ اس سے برکت حاصل کریں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو چراغ جلانا جائز ہے۔

اور تفسیر روح البیان میں ہے:

وکذا ایقاد القنادیل والشموع عند قبور الاولیاء والصلحاء و الاجلال للاولیاء فالمقصد فیها مقصد حسن ونذر الزیت والشمع الاولیاء یوقد عند قبورهم تعظیما لهم ومحبة فیهم جائز لا ینبغی النهی عنه۔

اس طرح اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قندیلیں اور موم بتیاں جلانا ان کی عظمت کے لئے چونکہ اس کا مقصد صحیح ہے اس لئے جائز ہے اور اولیاء اللہ کے لئے تیل اور موم بتی کی نذر ماننا تاکہ اُن کی عزت کے اظہار کے لئے ان کی قبروں کے پاس جلائی جائیں جائز ہے اس سے روکا نہ جائے۔

ہر مومن کی قبر پر پھول ڈالنا جائز ہے۔ چاہے اولیاء مشائخ ہوں یا گنہگار۔ تر پھول میں ایک قسم کی زندگی ہوتی ہے اس لئے وہ تسبیح کرتا ہے جس سے میت کو ثواب ہوتا ہے یا اس کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔ اس کی اصل مشکوٰۃ شریف کی وہ حدیث ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا:

مر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بقبرین فقال انهما لیعذبان و ما یعذبان فی کبیر اما احدهما فکان لا یستتر من البول و فی روایة المسلم لا یستنزه من البول اما الاخر فکان یمشی بالنمیمة ثم اخذ جریدة رطبة فشقها

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو قبروں پر گذرے پس فرمایا کہ یہ دونوں عذاب کئے جاتے ہیں اور کسی بڑے امر میں عذاب نہیں کئے جاتے ہیں (یعنی ان کے عذاب کا سبب کوئی بڑا گناہ نہ تھا) ان میں کا ایک پیشاب سے چھپتا نہ تھا یعنی پیشاب کرتے وقت پردہ کا لحاظ نہ کرتا تھا۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ پیشاب سے بچتا نہ تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔ پھر

بنصفين ثم غرز فى كل قبر واحدة قالوا يارسول الله لم صنعت هذا فقال لعله ان يخفف عنهما مالم ييبسا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خرما کی ایک تر شاخ لیکر اسکے دو حصے کئے پھر ہر قبر میں ایک حصہ کو جما دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ آپ نے کس لئے کیا۔ فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کے عذاب میں تخفیف ہوگی جب تک کہ یہ دونوں حصے شاخ خرما کے تر رہیں۔

اشعۃ اللمعات میں شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں — وتمسک کنند جماعت بہ این حدیث در انداختن سبزہ وگل وریحان بر قبور اس حدیث سے ایک جماعت دلیل پکڑتی ہے قبروں پر سبزہ پھول اور ریحان ڈالنے کے جواز میں۔

یہاں چند باتیں مخالفین پیش کرتے ہیں جن سے ان کا مقصد اس عمل سے منع کرنا ہے۔ مگر کوئی بات ان کی پائیدار نہیں ہے۔ ہر بات کا جواب دیا گیا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ تر شاخ جمانے سے عذاب میں تخفیف ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے —— اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اصول فقہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال شریفہ کا ادنیٰ درجہ مباح ہوتا ہے جبکہ شرعی دلیلوں میں سے کوئی دلیل خصوصیت پر قائم نہ ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ تخفیف عذاب آپ کی دعا سے ہوئی —— اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث پاک میں تر شاخ کی قید ہے اگر تخفیف دُعا سے ہوئی تو یہ قید بے فائدہ ہوگی اور اس فرمان سے کہ عذاب میں تخفیف ہوگی جب تک کہ یہ تر ہے معلوم ہوا کہ تر شاخ سے تخفیف ہوئی ——

شامی میں ہے:——

وتعليله بالتخفيف عنهما مالم ييبسا اى يخفف عنهما ببركة تسبيحهما اذهو اكمل من تسبيح اليابس لما فى الاخضر نوع حياة۔

عذاب کی کمی کی علت ان کا خشک نہ ہونا ہے یعنی ان کی تسبیح کی برکت سے عذاب میں کمی ہوئی کیونکہ تر شاخ کی تسبیح خشک کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے کیونکہ اسمیں ایک قسم کی زندگی ہے

اور شامی میں ہے ؛

ومن الحدیث ندب وضع ذلك للإتباع ویقاس علیه ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الآس ونحوه وصرح بذلك ایضا جماعة من شافعیه وھذا اولی ما قاله بعض المالکیة من ان تخفیف عن القبرین انما حصل ببرکة یده صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اودعائه لهما فلا یقاس علیه غیره وقد ذکر البخاری فی صحیحه ان بریدة ابن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنه اوصی بان یجعل فی قبره جریدتان۔

یعنی تر شاخیں قبر پر رکھنے یا ڈالنے کا مستحب ہونا حدیث سے ثابت ہے اور اسی پر قیاس کیا جائے جو ہمارے زمانہ آس وغیرہ کی شاخیں ڈالنے کی عادت ہوگئی ہے شافعیوں کی ایک جماعت نے بھی اس کی تصریح کی ہے اور یہ مالکیوں کے اس قول سے اولیٰ ہے کہ تخفیف دونوں قبروں میں بسبب برکت دست مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئی یا آپ کی دعا سے ان دونوں کے لئے پس اس پر قیاس نہ کیا جائے گا اور بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ بریدہ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں کھجور کی دو شاخیں رکھدی جائیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر تخفیف عذاب کے لئے تو نیکوں کی قبروں پر نہ ڈالنا چاہیئے جیسا کہ مولوی اشرف علی نے اصلاح الرسوم میں لکھا ہے کہ پھول وغیرہ فاسقوں اور فاجروں کی قبروں پر ڈالنا چاہیئے نہ کہ اولیاء کی قبروں پر ان کے مزاروں میں عذاب ہے ہی نہیں جس کی پھول وغیرہ سے تخفیف کی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اعمال گنہگاروں کے دفع عذاب کے لئے ہیں وہ نیکوں کے بلندی درجات کے باعث ہیں۔ اور حضرت بریدہ کی وصیت اور شامی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ صرف گنہگاروں کے لئے نہیں ہے۔

اور عالمگیری میں ہے :

ووضع الورود والریاحین علی القبور حسن۔

قبروں پر پھول اور خوشبو رکھنا اچھا ہے۔

اولیاء کرام کی قبروں پر چادر ڈالنا جائز ہے اس لئے کہ اس سے عام زیارت کرنے والوں کی نگاہ میں صاحب قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے ——— شامی میں ہے :———

قال فی فتاوی الحجة وتکرہ الستور علی القبور ولکن نحن نقول الآن اذاقصد بہ التعظیم فی عیون العامة حتی تحتقروا صاحب القبر بل جلب الخشوع والآداب للغافلین الزائرین فہو جائز لان الاعمال بالنیات۔

یعنی فتاوی حجہ میں ہے کہ قبروں پر پردے مکروہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کل اگر اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہوتا کہ وہ صاحب قبر کی حقارت نہ کریں بلکہ غافلوں کو اس سے ادب اور خشوع حاصل ہو تو جائز ہے کیونکہ عمل نیت سے ہے۔

اور تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ میں ہے: —————

فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء ووضع الستور والعمائم والثیاب علی قبورھم امر جائز اذاکان القصد بذلک التعظیم فی اعین العامہ حتی لایحتقروا صاحب ھذا القبر علماء

اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا اور ان پر غلاف اور عمامہ اور کپڑے چڑھانا جائز ہے جبکہ اس سے مقصود یہ ہو کہ عوام کی نگاہ میں ان کی عزت ہو اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں

——— واللہ تعالیٰ اعلم ———



(مولانا زین العابدین صاحب ٹانڈوی)

دیوبندیوں کا اپنے حق میں مسلمات سے گریز

سنی دنیا کی عظیم اکثریت انبیاء و اولیاء کے حق میں یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ پروردگار عالم نے اپنے فضل و کرم سے انھیں ایسی مخصوص قوتیں عطا فرمائی ہیں جن کے ذریعہ غیبی باتوں کا علم دل کے خطرات اور چھپے ہوئے حالات ان پر منکشف ہو جاتے ہیں۔

یونہی قادر مطلق نے کائنات میں انھیں تصرف کا بھی اختیار عطا فرمایا ہے اس خداداد قوت و اختیار سے عالم میں تصرف فرماتے ہیں۔ اہل سنّت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ سمیع و بصیر نے انبیاء و اولیاء کو ایسی قوت سماعت بخشی ہے جس سے وہ دُور و نزدیک کی پکار کو سُن لیتے ہیں، فریادیوں کی فریاد کو پہونچتے ہیں، حاجت مندوں کی حاجت روائی فرماتے ہیں۔

علمائے دیوبند کا عقیدہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ علم غیب خاصۂ خداوندی ہے لہٰذا کسی مخلوق کے لئے (خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء) کسی تاویل سے (خواہ عطائی ہی کیوں نہ ہو) علم غیب ثابت کرنا خلاف نصوص قطعیہ اور صریح شرک ہے یونہی کسی مخلوق کو عالم میں متصرف ماننا یا دُور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ ان کو میری پکار کی خبر ہو گئی کھلا ہوا کفر و شرک ہے۔ پکارنے والا اور ابو جہل دونوں شرک میں برابر ہے۔ عقل و انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ علمائے دیوبند کا یہ مسلک اگر قرآن و حدیث پر مبنی ہے تو انھیں ہر حال میں ہر شخص کے لئے کفر و شرک ہی قرار دینا چاہیئے۔ قانون اپنے اور بیگانے کی رعایت نہیں برتتا تلوار کی زد میں جو کوئی آئے گا بلا امتیاز دوست و دشمن کٹ جائے گا۔

مگر جب آپ علمائے دیوبند کی تاریخ کی ورق گردانی کریں گے تو آپ کو نہ صرف حیرت ہو گی بلکہ آپ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ توحید پرستی کا ڈھونگ رچانے والوں نے توحید کی آڑ میں کیسے کیسے صنم خانے آباد کر رکھے ہیں۔ جن چیزوں کو انبیاء و اولیاء کے حق میں شرک

ٹھہراتے ہیں بعینہ وہی چیزیں اپنے گھر کے بزرگوں کے لئے عین ایمان اسلام سمجھتے ہیں۔ جماعت کا ایک فرد جس چیز کو کفر وشرک کہتا ہے دوسرا فرد اسی کو ایمان واسلام ٹھہراتا ہے۔

اس مضمون میں انھیں کی معتبر کتابوں سے دو متضاد اقوال جمع کئے گئے ہیں پہلے قول میں منفی پہلو اور دوسرے قول میں اثباتی پہلو پیش کیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ غیر جانبدار ہوکر پڑھیں اور انصاف کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ شک وارتیاب اور تذبذب کی تاریکیوں میں بھٹکنے والے یقین واطمینان کا اجالا محسوس کریں گے۔

مقصود ہے گزارش احوال واقعی ✤ اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

اس مضمون میں علم غیب، ندائے یارسول اللہ اور حفظ الایمان کا سرسری تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اور ہر ایک کے مثبت ومنفی پہلو سے علمائے دیوبند کی تضاد بیانی اور اپنے مسلمات سے گریز ثابت کیا گیا ہے۔

علم غیب کا منفی پہلو

۱ــــ اللہ صاحب نے پیغمبر صلعم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فرمایا کہ لوگوں سے یوں کہہ دیویں کہ غیب کی بات سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا نہ فرشتہ نہ آدمی نہ جن نہ کوئی چیز۔ یعنی غیب کی بات کو جان لینا کسی کے اختیار میں نہیں۔ ــــ (تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی ص۲۲)

۲ــــ جو شخص اللہ جل شانہ کے سوا علم غیب کسی دوسرے کو ثابت کرے وہ بے شک کافر ہے۔ اس کی امامت اور اس سے میل جول محبت ومودت سب حرام ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج۲ ص۱۰)

اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔

ــــ (فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص۹۶)

۳ــــ علم غیب خاصہ حق تعالیٰ کا ہے اس لفظ کو کسی تاویل (خواہ عطائی ہی کیوں نہ ہو) سے دوسرے پر اطلاق کرنا ابہام شرک سے خالی نہیں۔ ــــ (فتاویٰ رشیدیہ جلد۳ ص۴۳ مصنفہ مولوی رشید احمد گنگوہی)

۴ــــ کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت خبر رہتی ہے (کفر وشرک ہے) ــــ (بہشتی زیور جلد۱ ص۳۷ مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی)

۵ ـــ رسول اور امت رسول اس حد تک مشترک ہیں کہ دونوں کو علم غیب نہیں ہے۔

(فاران کا توحید نمبر ص ۱۱۹ از قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ بحوالہ زلزلہ)

۶ ـــ کتاب و سنت کو سامنے رکھ کر علم کی تقسیم یوں نہ ہوگی کہ اللہ کا علم ذاتی اور رسولوں کے علم عطائی۔ یعنی نوعی فرق کے ساتھ دونوں کا برابر ہے۔ گویا ایک حقیقی خدا دوسرا مجازی خدا۔

(توحید نمبر ص ۱۲۱ از قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بحوالہ زلزلہ)

مذکورہ بالا عبارتوں سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ غیر خدا کے لئے غیب ثابت کرنا خواہ عطائی ہی کیوں نہ ہو کفر ہے شرک ہے کتاب و سنت کے منافی ہے۔ اگر یہ امر واقعہ ہے اور علمائے دیوبند کے مسلمات میں سے ہے تو میں عرض کروں گا کہ وہ پوری دیدہ دلیری کے ساتھ کفر و شرک کا فتویٰ لگانے کے لئے تیار ہو جائیں۔

علم غیب کا اثباتی پہلو

علم غیب کا اثباتی پہلو پیش کرنے سے پہلے چند منٹ کے لئے اپنے قارئین کا لمحۂ فکر یہ چاہتا ہوں۔ مذکورہ بالا حوالہ جات پڑھنے کے بعد ایک خالی الذہن آدمی کیا یہ کہنے پر مجبور نہ ہوگا کہ غیر خدا کے لئے علم غیب ماننا کفر ہے شرک ہے۔ توحید پرستی کے منافی ہے۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو میں آپ کی دیانت کو آواز دیتا ہوں۔ آپ اس کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے جو غیر خدا کے لئے علم غیب ثابت کرے۔ فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے۔ یہ سن کر آپ حیرت میں پڑ جائیں گے کہ جو علم غیب انبیاء و اولیاء کے لئے کفر و شرک ٹھہرایا گیا ہے علمائے دیوبند وہی علم غیب اپنے بزرگوں کے حق میں عین ایمان و اسلام سمجھ رہے ہیں۔ اب آپ اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر اصل واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔

قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولوی رفیع الدین صاحب تھے بعض مدرسین کے درمیان کچھ نزاع چھڑ گئی۔ جھگڑے کی نوبت یہاں تک پہونچی کہ مدرسہ کے صدر مدرس (دیوبندیوں کے شیخ الہند) مولوی محمود الحسن دیوبندی بھی اس ہنگامے میں شریک ہوگئے اور اختلافات بڑھتے چلے گئے ـــ اب اس کے بعد کا

واقعہ قاری صاحب ہی کی زبانی سنیئے — لکھتے ہیں:—

اسی دوران میں ایک دن علی الصباح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بلایا (جو دار العلوم دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کے کواڑ کر کھول کر اندر داخل ہوئے موسم سخت سردی کا تھا مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو۔ مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جسد عنصری (ظاہری جسم) کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس سے میں ایک دم پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تربتر ہو گیا۔ اور یہ فرمایا کہ محمود حسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے۔ بس میں نے یہ کہنے کے لئے بلایا ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولوں گا۔ —— (ارواح ثلاثہ ص ۲۴۲)

اے عدل وانصاف کے حامیو! خدارا سوچو تو سہی جو علم غیب انبیاء واولیاء کے لئے شرک تھا وہ علم غیب نانوتوی کے لئے عین ایمان کس طرح بن گیا۔ آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے؟

قاری طیب صاحب اگر آپ اجازت دیں تو ذہن کے چند ابھرے ہوئے سوالات آپ کے سامنے پیش کروں۔ امید ہے کہ آپ خود یا اپنے معتمد وکلاء کے ذریعہ اپنے دستخط سے اطمینان بخش جواب مرحمت فرمائیں گے۔

۱ — جس وقت آپ نے اپنے جد کریم کا واقعہ نقل فرمایا اس وقت آپ کے ذہن میں یہ باتیں نہ تھیں۔

رسول اور امت رسول اس حد تک مشترک ہیں کہ دونوں کو علم غیب نہیں ہے۔

—— (فاران کا توحید نمبر ص ۱۴۲ بحوالہ زلزلہ)

کتاب وسنت کو سامنے رکھ کر علم کی تقسیم یوں نہ ہو گی کہ اللہ کا علم ذاتی اور رسولوں کا علم عطائی یعنی نوعی فرق کے ساتھ دونوں کا برابر ہے گویا ایک حقیقی خدا دوسرا مجازی خدا۔

—— (توحید نمبر ص ۱۴۱ بحوالہ زلزلہ)

— اگر تحقیق تو تیب گیا اس لگیا جواب ہے کہ جب رسول کو علم غیب نہیں تو آپ

کے دادا جان کو کہاں سے علم غیب حاصل ہو گیا کہ انہیں مدرسہ دیوبند کے جھگڑے اور صدر مدرس کی شرکت کا علم ہو گیا اور جسد عنصری کے ساتھ مدرسہ دیوبند میں تشریف لے آئے۔ اور خواب میں نہیں عالم بیداری میں تنبیہ فرما کر واپس تشریف لے گئے۔

۳ — کیا آپ کے جد محترم کا مقام مقام نبوت سے آگے ہے؟ اگر ہے تو کس درجہ پر؟

۴ — کیا آپ جواب دینے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ آپ کے جد مکرم حقیقی خدا ہیں یا مجازی خدا۔

۵ — اگر اجازت ہو تو یہ بھی عرض کر دوں کہ آپ کے نزدیک قاعدہ اور قانون کا اختلاف نہیں ہے بلکہ موقع و محل کا اختلاف ہے۔ اگر ہم یہی علم غیب انبیاء و اولیاء کے لئے مانیں تو شرک ہو جائے اور آپ اپنے جد کریم کے لئے ثابت کریں تو عین اسلام بن جائے۔

۶ — جواب نہ دینے کی صورت میں کیا آپ اپنے مسلمات سے گریز نہیں کر رہے ہیں؟

ندائے یارسول اللہ

ندائے یارسول اللہ کا منفی پہلو

۱ — اللہ تعالیٰ نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی اور کوئی کسی کی حمایت نہیں کر سکتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کی مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا اور منتیں ماننی اور نذر و نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا یہی ان کا کفر و شرک تھا سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔

(تقویۃ الایمان ص ۶)

۲ — جب انبیاء علیہم السلام کو بھی علم غیب نہیں ہوتا تو یارسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۳ مصنفہ مولوی رشید احمد گنگوہی)

۳/۱ کسی کو دُور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہوگئی (کفر و شرک ہے) ۔ (بہشتی زیور جلد اص۳۷)

ندائے یارسول اللہ کا اثباتی پہلو

اہل سنّت کا عقیدہ ہے کہ خدائے ذوالجلال نے انبیاء و اولیاء کو ایسی قوت سماعت بخشی ہے جس سے وہ دُور و نزدیک کی پکار کو سُن لیتے ہیں اور ان کی مدد فرماتے ہیں — لیکن دیوبندی مکتبۂ فکر کے نزدیک غیر خدا کو پکارنا، ان کو اپنا حمایتی سمجھنا، ان سے مدد مانگنا کفر و شرک ہے۔

اگر علماء دیوبند اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں تو انھیں پوری جرأت کے ساتھ اپنے اور بیگانے کا فرق کئے بغیر کفر و شرک کا فتویٰ صادر کر دینا چاہیئے۔ جنھوں نے غیر خدا کو پکارا ہے اور مدد مانگی ہے۔ ؎ مدد کر اے کرم احمدی کے تیرے سوا

نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار (قصائد قاسمی)

اس شعر میں مولوی قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف پکارا ہے بلکہ مدد بھی مانگی ہے۔

؎ جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
تم اب چاہے ڈوباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

اس شعر میں حاجی امداد اللہ صاحب نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا ہے۔

دستگیری کیجئے میرے نبی ✿ کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی
بجز تمہارے ہے کہاں میری پناہ ✿ فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی
ابن عبد اللہ زمانہ ہے خلاف ✿ اے میرے مولیٰ خبر لیجئے میری

(شیم الطیب ترجمہ شیم الحبیب۔ مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی ص۱۴۵)

ان اشعار میں مولوی اشرف علی تھانوی نے جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا ہے وہیں مدد بھی مانگی ہے۔

نانوتوی صاحب کا یہ کہنا کہ یارسول اللہ تیرے سوا قاسم کا کوئی حامی نہیں یا تھانوی صاحب کا کہنا کہ بجز تمہارے میری پناہ کہاں ہے کیا یہ لازم نہیں آتا کہ وہ توحید کو چھوڑ

کر مشرکانہ بولی بول رہے ہیں۔

الحق ما شھدت بہ الاعداؔ ہو   مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

علمائے دیوبند سے چند سوالات

۱ — اگر تقویۃ الایمان، بہشتی زیور، فتاویٰ رشیدیہ کا فتویٰ صحیح ہے تو حاجی امداد اللہ صاحب، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی غیر خدا کے پکارنے اور ان سے مدد مانگنے کے جرم میں کافر و مشرک ہوئے یا نہیں۔ اور اگر انھیں مسلمان ٹھہراتے ہیں تو ان کتابوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

۲ — ان حضرات نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا سمجھ کر پکارا اور مدد مانگی ہے یا خدا کا بندہ اور اس کی مخلوق سمجھ کر۔ اگر جواب ثانی میں ہے جب بھی آپ حضرات کے لئے تقویۃ الایمان نے کسی تاویل کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ تقریب ذہن کے لئے ایک بار پھر سے خاص خاص عبارت کا سرسری جائزہ لے لیں۔

اللہ تعالیٰ نے عالم میں کسی کو تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی اور کوئی کسی کی حمایت نہیں کر سکتا۔ یہی پکارنا اور منتیں ماننی اور نذر و نیاز کرنی ان کا کفر و شرک تھا۔ سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔

۳ — تقویۃ الایمان کے فتوے کو تسلیم کرنے کے بعد آپ میں یہ ہمت و جرأت ہے کہ صاف لفظوں میں یہ اعلان کر دیں کہ حاجی امداد اللہ صاحب، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی اور ابوجہل دونوں شرک میں برابر ہیں۔

۴ — کیا آپ حضرات کا سکوت یا بیجا تاویل اس بات کی غمازی نہیں کر رہا ہے کہ آپ اپنے مسلمات سے گریز کر رہے ہیں۔

حفظ الایمان کا سرسری تنقیدی جائزہ

دیوبندی مکتبۂ فکر کے مذہبی پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی سے کسی نے سوال کیا کہ زید:

علم غیب کی دو قسمیں کرتا ہے۔ ذاتی، عطائی۔ ذاتی علم غیب تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ رہا عطائی اس معنی کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔ زید کا کہنا درست ہے یا نہیں ۔ جس کے جواب میں موصوف نے ایک کتاب بنام حفظ الایمان لکھی جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو جانوروں اور چوپاؤں سے تشبیہ دے کر حضور کی شان ارفع و اعلیٰ میں کھلے بندوں توہین کی ۔ کتاب کی اصل عبارت پڑھیئے ۔

آپ کی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد کل غیب ہے یا بعض غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ' ایسا علم غیب تو ہر زید و عمر (ہر عالی انسان) بلکہ ہر صبی (بچہ) و مجنوں (پاگل) بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی حاصل ہے۔

اس عبارت پر علمائے عرب و عجم کا گرفت یہ ہے کہ اس میں لفظ ایسا کے ذریعہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو جانوروں اور چوپاؤں سے تشبیہ دے کر حضور کی شان ارفع و اعلیٰ میں توہین کی گئی ہے اور توہین رسول کا مرتکب بالاتفاق کافر ہے۔ اس گرفت کو اٹھانے کے لئے مصنف سے لے کر ان کے معتمد وکلاء تک نے طرح طرح کی تاویلات پیش کی ہیں۔ ہم یہاں صرف دو تاویل نقل کرتے ہیں پڑھیئے اور ان کی تضاد بیانی کا دلکش نظارہ ملاحظہ فرمایئے۔

پہلی تاویل

مولوی اشرف علی تھانوی کے معتمد خلیفہ مولوی مرتضیٰ حسن در بھنگوی نے عبارت مذکورہ کی تاویل یوں کی ہے کہ اس عبارت میں لفظ ایسا تشبیہ کے معنی میں نہیں ہے۔ بلکہ اتنا اور اس قدر کے معنیٰ میں ہے اگر تشبیہ کے معنی میں ہوتا تو البتہ تکفیر کی وجہ نکل سکتی تھی۔ اصل عبارت یوں ہے۔

واضح ہو کہ ایسا کا لفظ فقط مانند اور مثل ہی کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا بلکہ اس کے معنی اس قدر اور اتنے کے بھی آتے ہیں۔ جو اس جگہ متعین ہیں۔

—— (توضیح البیان ص۸ بحوالہ جام نور کلکتہ اکتوبر و نومبر ۱۹۶۰ء)

دوسری تاویل

دیوبندیوں کے شیخ الاسلام مولوی حسین احمد صاحب نے زیر بحث عبارت کی تاویل میں کہا ہے کہ عبارت میں لفظ ایسا کے بجائے لفظ اتنا ہوتا تو اس وقت البتہ یہ احتمال ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کو جانوروں کے علم کے برابر کر دیا۔

اصل عبارت ملاحظہ فرمایئے:

جناب یہ تو ملاحظہ کیجئے کہ حضرت مولانا (تھانوی) عبارت میں لفظ ایسا فرما رہے ہیں لفظ اتنا ہوتا تو اس وقت یہ احتمال ہوتا کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام کے علم کو اور چیزوں کے علم کے برابر کر دیا یہ محض جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔ (شہاب ثاقب ص۱۰۳)

حفظ الایمان کی زیر بحث عبارت کی تاویل میں مولوی حسین احمد کہتے ہیں کہ یہاں لفظ ایسا تشبیہہ کے لئے ہے اگر یہاں بجائے لفظ ایسا کے لفظ اتنا ہوتا تو البتہ یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ حضور علیہ السلام کے علم پاک کو جانوروں کے علم کے برابر کر دیا۔

جب کہ مولوی مرتضیٰ حسن در بھنگوی کہتے ہیں کہ اس عبارت میں لفظ ایسا "اتنا" کے معنی میں ہے اگر تشبیہہ کے معنی میں ہوتا تو البتہ تکفیر کی وجہ نکل سکتی تھی۔

اس بیجا تاویل پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

اگر مولوی حسین احمد کی تاویل تسلیم کر لی جائے تو مولوی مرتضیٰ حسن کے نزدیک تھانوی صاحب کی تکفیر درست ہے۔ اور اگر مولوی مرتضیٰ حسن کی تاویل صحیح مانی جائے تو مولوی حسین احمد کے نزدیک یہ لازم آتا ہے کہ تھانوی صاحب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم پاک کو جانوروں کے علم کے برابر کر دیا اور چونکہ تھانوی صاحب نے اپنے دونوں وکیلوں میں سے کسی کی تردید نہیں کی۔ لہٰذا دونوں تاویلیں اپنی اپنی جگہ صحیح اور دونوں ایک دوسرے کی تاویل پر تھانوی صاحب کے کفر پر متفق ہیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دیوبند اپنے گھر کی تضاد بیانی اور اپنے مسلمات سے گریز کے بارے میں؟



(مولانا عبد الحلیم صاحب اشرفی رضوی مظفر پوری)

اسلام میں تصوّف

تصوّف کو اسلام میں باضابطہ ایک تحریک کی صورت تو بعد میں دی گئی لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تصوّف کا وجود آغاز اسلام سے ہی تھا اور ایک فن کی حیثیت سے اس کی تحصیل کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

تصوّف کی لغوی اصل "صفا" ہے جس سے اس کی اصطلاحی تعریف کا تعین آسان ہو جاتا ہے۔ اہل فن نے تصوف کی تعریف میں مختلف اقوال پیش کئے ہیں

ایک مشہور قول ہے :—

التصوف قیام القلب مع اللّٰہ۔	یعنی دل کو غیر اللّٰہ سے منقطع کر کے صرف اللّٰہ سے جوڑنا تصوّف ہے۔

علمائے تصوّف نے اس ضمن میں حضرت محمد بن حسین بن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم کا ایک قول نقل کیا ہے جو تصوّف کی حقیقت اور اس کی روح کی بہترین وضاحت ہے وہ قول یہ ہے :—

التصوف خلق فمن زاد علیك فی الخلق زاد علیك فی التصوف۔	یعنی تصوف نیک خوئی کا نام ہے اور جو شخص جتنا زیادہ خوش خلق ہوگا اتنا ہی اچھا وہ صوفی بھی ہوگا۔

خوش خلقی یہاں ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے یہ خالق کے ساتھ بھی ہونی چاہئیے اور مخلوق کے ساتھ بھی۔ خدا کے ساتھ اخلاق برتنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اس کی قضا پر راضی رہے اس کے برتنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں انھیں خدا کی رضا جوئی اور خوشنودی کیلئے ادا کرے

تصوّف "صفا"	اس کے مقابل کدر کدورت ہے یعنی معاملات اور اخلاق دونوں میں حد درجہ کی پاکیزگی پیدا کرنا طبیعت سے میل اور کھوٹ کا بالکل زائل

کر دینا حق تعالیٰ کی عبدیت کا مخلصانہ وصف پیدا کرنا تصوّف کی حقیقت اور اس کی روح ہے چنانچہ اسی پاکیزگی کی بنیاد پر اہل تصوف نے صوفیہ کے علیٰحدہ علیٰحدہ تین درجے مقرر کئے ہیں۔

(۱) صوفی (۲) متصوف (۳) مستصوف

حضرت خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی کے اوصاف کے ضمن میں فرمایا: ——

الصوفی اذا نطق بان نطقہٗ عن الحقائق و ان سکت نطقت عنہ الجوارح بقطع العلائق.	حقیقی صوفی وہ ہے کہ جب بولے تو اس کی زبان پر حق جاری ہو اور جب خاموش ہو تو اس کے جسم کا ایک ایک رونگٹا زبان حال سے شہادت دے کہ اس کے اندر دنیا کی کوئی ہوس موجود نہیں ہے۔

متصوف کی تعریف حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے رسالہ غنیۃ الطالبین میں یہ فرمائی کہ متصوف مبتدی ہوتا ہے اور صوفی منتہی وہ صوفی بننے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے۔

اور تیسرا طبقہ مستصوفین کا ہے جس کے متعلق ایک قول ہے: ——

المستصوف عند الصوفیہ کالذباب و عند غیرھم کالذباب.	یعنی صوفیہ کے نزدیک وہ لوگ جو خود کو بہ تکلّف صوفی ظاہر کرتے ہیں مکھی کی طرح حقیر ہیں۔

اس لئے کہ ان کے اعمال میں ریا اور دنیا کی ہوس ہوتی ہے اور یہ طبقہ عوام کے لئے بھیڑیوں جیسا ہے اس لحاظ سے کہ یہ لوگ اپنی ریاکاری سے سادہ عوام کے اخلاص و عقیدت مندی کا استحصال کرتے ہیں۔ اور غالباً اسی طبقہ کی ریاکاریوں کی بنیاد پر ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہوا جو سرے سے تصوف ہی کا منکر ہوگیا —— حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کا اثبات اور منکرین تصوف کا ابطال فرماتے ہوئے اپنے رسالہ کشف المحجوب میں حضرت ابوالحسن ثمنہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے: ——

(التصوف الیوم اسم لاحقیقۃ وقد کان حقیقۃ.	فی زمانہ تصوّف تو صرف ایک نام ہے (لیکن زمانہ صحابہ اور سلف میں) یہ ایک حقیقت تھا۔

اس قول کے بعد حضرت ہجویری علیہ الرحمہ نے منکرین تصوف سے خطاب فرماتے ہوئے کہا ہے کہ تم لوگ تصوف سے اس کی موجودہ صورت دیکھ کر بدگمان ہو حالانکہ اس صورت حال سے ہم خود بیزار ہیں. لیکن اگر تصوف کی حقیقت اور اس کے معنیٰ سے انکار کرتے ہو تو سمجھ لو کہ تم شریعت کے منکر ہو بلکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل حمیدہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اوصاف جمیلہ کا انکار ہے اس لئے کہ حقیقتِ تصوف سے انکار کے بعد پورا دین ریاکاری بن جاتا ہے دین کی اصل روح اور اس کی جان تو خدا اور اس کے رسول کی سچی اطاعت ہے اور یہی تصوّف کی بھی روح ہے۔ اس لئے اس کا قطعی منکر دین کا منکر ہے۔

تصوف کسی خاص وضع قطع یا علم کا نام نہیں ہے بلکہ وہ تو ایک وصف اور اخلاق کا نام ہے ــــ حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ــــ۔

لیس التصوف رسومًا و لا علومًا ولکنہ الاخلاق۔

البتہ اگر صوفی اور تصوّف کی لغوی اصل " صوف " ان کو سمجھا جائے تو اس اعتبار سے صوفی کے لئے مخصوص وضع قطع اور موٹے کپڑے پہننا ضروری معلوم ہوتا ہے چنانچہ حضرات صوفیہ کا عام طریق لباس گدڑی پہننا ہے اور ان کے نزدیک ایسا کرنا سنّت ہے اس لئے کہ روایات میں ملتا ہے ــــ

کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یلبس الصّوف	یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم صوف اون کا بنا ہوا لباس پہنتے تھے۔

اور حضور نے یہ بھی فرمایا ہے : ــــ

علیکم بلبس الصوف تجدون حلاوۃ الایمان فی قلوبکم	اون کا لباس اختیار کرو اس سے تم اپنے دلوں میں ایمان کی مٹھاس پاؤ گے۔

حضرات صوفیہ کا یہ مسلک آنحضرتِ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے علاوہ اس ارشاد کے بھی مطابق ہے کہ آپ نے فرمایا : ــــ

من تشبہ بقوم فھو منھم	جو شخص کسی گروہ کی مشابہت اختیار کرتا ہے اسی گروہ کا فرد شمار ہوتا ہے۔

چونکہ زیادہ تر اہل اللہ پھٹے حالوں اور چیتھڑوں ہی میں ملبوس رہنا پسند فرماتے ہیں اس لئے صوفی کا بھی اسی حال میں رہنا خدا کی قربت کا سبب ہے ان کا کہنا ہے کہ ہم اپنے ظاہر کو اہل اللہ کے موافق آراستہ رکھتے ہیں تاکہ باطن بھی ان کے جیسا ہو جائے ۔ حضرت شیخ ہجویری نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے لباس کے بارے میں کسی تکلف سے کام نہ لیا جائے ۔ اگر قبا ملی تو وہی پہن لی گدڑی میسر آئی تو اس کو پہن لیا اور کچھ نہ ملا تو اسی طرح وقت گزار لیا ۔ کسی چیز کو عادت نہ بنائے ۔ کیونکہ جب کوئی چیز عادت بن جاتی ہے تو اس سے محبت ہو جاتی ہے اور یہ محبت طبیعت میں داخل ہو کر حجاب بن جاتی ہے ۔

اہل طریقت کا ایک گروہ جو ملامت کو پسند کرنے کی وجہ سے اہل ملامت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان کا نظریہ یہ ہے کہ نفس کی اصلاح و تربیت کے لئے یہ طریقہ مفید ہے ۔ یہ حضرات شریعت کی خلاف ورزی کئے بغیر ایسے کام کرتے ہیں جن سے دیکھنے والے ان کو ملامت کریں اور ایذا دیں اور ان کا یہ عمل ان کے نزدیک مقبول بارگاہ ہونے کی علامت ہے اس لئے کہ کسی کے ساتھ کوئی برائی کئے بغیر ملامت کا برداشت کرنا نفس کشی کی بہترین صورت ہے ۔



تقلید شخصی کی شرعی حیثیت

تقلید کا مادہ قلادہ ہے۔ قلادہ کے معنی پٹے کے ہیں۔ باب تفعیل میں جاکر اس کے معنی گلے میں پٹہ ڈالنے کے ہو گئے۔ اصطلاح شرع میں تقلید کے معنی علماء نے یہ لکھے ہیں۔

تسلیم قول الغیر بلا دلیل	دوسرے کی بات بلا دلیل مان لینا

اسی کو علامہ سہودی نے عقد الفرید میں یوں بیان فرمایا۔۔۔۔

التقلید قبول القول بأن یعتقد من غیر معرفۃ دلیل	کسی کی بات دلیل جانے بغیر اس طرح مان لینا کہ اس پر اعتقاد جم جائے۔

اگر دلیل کے ذریعہ کسی بات کے حق کا اعتقاد ہو تو یہ تقلید نہیں، بلا دلیل محض قائل کے ساتھ حسن ظن کی بنا پر اس کی کہی ہوئی بات پر اعتقاد جم جائے کہ چونکہ یہ شخص اعلیٰ درجے کا دیندار صادق امین علوم و فنون کا ماہر فائق ہے۔ اس لئے جو بات کہتا ہے وہ حق ہے۔ یہی تقلید ہے۔ معمولات شرعیہ سے قطع نظر کرتے ہوئے جب ہم روزمرہ کے حالات اور اپنی طرز زندگی پر نظر کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں تقلید کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس میں عوام و خواص شہری دیہاتی ہر طبقہ کے لوگ مساوی حصہ دار ہیں ۔۔۔۔ آپ غور کریں ایک بچہ ہوش سنبھالتے ہی اپنے ماں باپ اپنے مربی کی تقلید کے سہارے پروان چڑھتا ہے ۔۔۔۔ ایک بیمار اپنے معالج کی تقلید کر کے ہی شفایاب ہوتا ہے ۔۔۔۔ ایک مستغیث کسی قانون داں وکیل کی تقلید کر کے ہی اپنا حق پاتا ہے ۔۔۔۔ راستے سے نابلد ایک راہ رو کسی راستہ بتانے والے کی تقلید کر کے ہی منزل مقصود تک پہونچتا ہے ۔۔۔۔ ایک ناخواندہ اپنے معلم کی تقلید ہی سے صاحب علم و فضل بنتا ہے ۔۔۔۔ صنعت و حرفت سے عاری کسی ماہر فن استاد کی تقلید کر کے ہی صنعت کار ہوتا ہے ۔۔۔۔ وہ روزمرہ کی باتیں ہیں کہ ان سے نہ تو انکار کی

کوئی گنجائش ہے اور نہ محبت و تمحیص کی ایک بنگالی کا بچہ اپنے ماں باپ کو دیکھتا ہے کہ وہ مچھلی بھات کھاتے ہیں تو وہ کوئی دلیل طلب کئے بغیر خود بھی مچھلی بھات کھانے لگتا ہے۔ دھوتی باندھنے لگتا ہے۔ بنگالی بولتے سنتا ہے تو خود بھی بنگالی بولنے لگتا ہے۔ یوں ہی پنجابی کا بچہ اپنے والدین کی عادت و خصلت دیکھ کر روٹی گوشت کھانے لگتا ہے، شلوار قمیض پہننے لگتا ہے، پگڑی باندھنے لگتا ہے۔ پنجابی بولنے لگتا ہے۔ یہی تقلید ہے — مکتب میں ایک بچہ گیا معلّم نے بچّے کو ایک حرف پر انگلی رکھ کر بتایا کہ یہ "الف" ہے۔ بچّے نے بلا دلیل مان لیا کہ یہ الف ہے دوسرے حرف پر انگلی رکھ کر معلّم نے بچّے سے کہا "با" بچّہ بلا بحث و تمحیص اسے مان گیا کہ یہ "با" ہے۔ کبھی کسی بچّے نے اپنے استاد سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ کیوں پہلے والے حرف کو "الف" کہتے ہیں اور دوسرے کو "با" بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر بچہ اس کیوں اور کیونکر کے چکّر میں پھنسا تو اصل تعلیم سے بھی محروم رہ جائے گا — ایک مستغیث وکیل کے یہاں جاتا ہے اپنا مدعا بیان کرتا ہے وکیل اسے مشورہ دیتا ہے کہ وہ تعزیرات ہند کی فلاں دفعہ کے ماتحت دعویٰ کرے۔ مستغیث بلا چوں و چرا وہی کرتا ہے۔ اسی کا نام تقلید ہے — ایک مریض معالج کے یہاں گیا۔ اس نے مرض کی تحقیق کر کے اس کے لئے ایک نسخہ لکھا۔ دنیا کا کوئی مریض حکیم و ڈاکٹر سے یہ بحث نہیں کرتا کہ میری بیماری کا نسخہ یہی کیوں ہے یہ دوائیں کس طرح میرا مرض دور کریں گی۔ جو مریض اس بحث میں پڑا وہ اچھا ہو چکا؟ آپ ایک مسافت طے کر رہے ہیں۔ ایک چوراہے پر پہونچ کر حیرت زدہ ہو کر کھڑے ہو گئے کہ اب دائیں جائیں کہ بائیں یا سیدھے آگے چلا چلوں۔ اچانک کوئی مقامی آدمی آگیا آپ اس سے سوال کرتے ہیں کہ فلاں جگہ کونسا راستہ جائے گا۔ وہ جدھر بتاتا ہے آپ اس کی کورانہ تقلید کرتے ہوئے بلا دلیل اسی راستے پر چل کھڑے ہوتے ہیں — اب آپ حضرات غور کریں اگر ہم تقلید کو اپنے تمدن سے نکال دیں تو ہماری معیشت کی گاڑی ایک اِنچ آگے نہیں چل سکے گی۔ ہم اپنی زندگی کے گوشہ میں تقلید کے محتاج ہیں اور یہ احتیاج قوم کے ہر فرد کو عام ہے جس طرح ایک جاہل بیماری میں ڈاکٹر کا، قانونی ضرورت میں وکیل کا، راستہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں رہنما کی تقلید کا محتاج ہے اسی طرح ایک عالم بھی اور جس طرح ایک دیہاتی خورد و نوش، بول چال تعلیم و تربیت میں اپنے ماں باپ اُستاد کا مقلد ہے اسی طرح ایک شہری بھی۔

اُب اگر تقلید کو ہم اُپنے تمدن سے نکال دیں تو ہماری زندگی مفلوج ہو کر رہ جائے گی۔ غور کریں اگر، بیمار معالج کے نسخہ کو استعمال کرنے سے پہلے نسخہ کے رموز سمجھنے کے لئے بحث شروع کر دے، شرح اسباب و علامات قرابادین و معالجات نفیسی کے اسباق پڑھنے لگے تو وہ اچھا تو کیا ہوگا البتہ جلد ہی دوسرے عالم کا سفر کر دے گا۔ یونہی ایک مستغیث، وکیل سے قانون کی ل،م سمجھے بغیر دعویٰ نہ کرے تو اس کا حق ل چکا۔ جب تک وہ ایل۔ ایل بی کے نصاب پڑھنے کے لائق ہوگا دعویٰ کی میعاد بھی ختم ہو جائے گی۔ اسی لئے ہر متمدن انسان کا اس پر اجماع ہے کہ جس فن کا انسان ماہر نہ ہو اس میں کسی ماہر فن کی تقلید کرے۔ اسی لئے ہر فرد بشر کسی نہ کسی دوسرے فرد بشر کی کسی نہ کسی معاملہ میں تقلید کرتا ہوا دیکھا جاتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ تقلید ہماری زندگی کا جزو لاینفک ہے اور بغیر تقلید کے زندگی بسر کرنا ناممکن ہے جس طرح ہم اُپنی زندگی کے معمولات میں تقلید سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح دینی معاملات میں بھی تقلید سے مفر نہیں۔ اس لئے امت کا اس پر اجماع ہے کہ تقلید فرض ہے اس کی فرضیت اور وجوب ایسا قطعی ہے کہ منکرین تقلید کے پیشوائے اعظم میاں نذیر حسین صاحب کو بھی معیار میں یہ لکھنا پڑا۔

"سو جو کوئی اہل ایسے ذکر کا ہوگا عموماً خواہ کوئی ہو اس کا اتباع وقت لاعلمی واجب ہوگا"

اس لئے کسی بھی دیندار یا مدعی دینداری کی یہ ہمت نہیں کہ وہ تقلید کی فرضیت سے انکار کر سکے معاملہ یہ ہے کہ اگر تقلید کو فرض قرار نہ دیں تو پھر دین پر عمل متعذر اور شدید متعذر ہو جائے گا۔

اس کا بیان یہ ہے کہ ہم کو اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے اور اتباع و اطاعت موقوف ہے قرآن و احادیث کے حصول پر نہ صرف حصول بلکہ یہ بھی جاننے پر کہ ان میں کون ناسخ ہے کون منسوخ ہے، کون خاص ہے کون عام ہے، کون ظاہر ہے اور کون خفی، کون نص ہے کون مشکل، کون مفسر ہے کون مجمل، کون محکم ہے کون متشابہ وغیرہ وغیرہ سینکڑوں باتیں ایسی ہیں کہ جب تک انسان ان سب پر کامل عبور حاصل کر کے قرآن و حدیث سے مسائل کے استنباط و استخراج پر کامل دستگاہ نہ رکھے قرآن و حدیث پر عمل کرنا ناممکن ہے —— چند مثالیں ملاحظہ کریں ——

سورہ بقرہ کے تیسویں رکوع میں ہے:۔۔۔۔۔۔۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا	اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں تو یہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں (کنز الایمان)

اس کے بعد اسی سورہ کے اکتیسویں رکوع میں ہے:۔۔۔۔۔۔۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ	اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں تو ان کے لئے وصیت کر جائیں کہ ان کو سال بھر کا نان و نفقہ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالا جائے۔

ایک ہی سورہ ایک ہی پارہ میں متصلاً ایک ہی مسئلہ کے بارے میں دو مختلف احکام ایسے مذکور ہیں کہ ان دونوں کو پڑھ کر آدمی چکرا جائے کہ وہ عمل کس پر کرے۔ پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہیں اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوہ کی عدت ایک سال ہے۔ عربی زبان کا ماہر سے ماہر پروفیسر عربی زبان پر کتنا ہی عبور رکھتا ہو کس آیت پر عمل کرنا چاہیئے۔ بتا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ۔۔۔۔ اور آگے بڑھیئے اِن دونوں آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوہ خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ اس کی عدت چار مہینے دس دن ۔ یا ایک سال ہے ۔۔۔۔ مگر سورۂ طلاق میں حاملہ عورتوں کی عدت کے بارے میں فرمایا گیا:۔۔۔۔۔۔

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ	اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں۔

ایک نقطہ پر آکر سورہ بقرہ اور سورہ طلاق کی آیتوں میں شدید تعارض ہے۔ ایک شخص مرا۔ اس کی بیوی حاملہ ہے۔ تو اس کی عدت کیا ہوگی۔ چار مہینے دس دن یا ایک سال یا وضع حمل اور سنتے چلیے اسی سورہ بقرہ کے بائیسویں رکوع میں ہے:۔۔۔۔۔۔۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ	تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو وہ ماں باپ

وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝	اور قریب کے رشتہ داروں کے لئے وصیت کرے پرہیزگاروں پر واجب ہے۔

لفظ اقربین عام ہے اولاد بھائی بہن دادا دادی وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ شریعت نے کسی کا کوئی حصہ مقرر نہیں فرمایا ہے۔ یہ مورث کے صواب دید پر ہے جس کے لئے جتنا چاہے وصیت کر جائے اس کی وصیت کے مطابق رشتہ داروں حتیٰ کہ ماں باپ کو بھی حصہ ملے گا مگر سورۂ نساء کا دوسرا رکوع تلاوت کریں۔ اس میں ماں باپ، بیٹی بیٹا، پوتی پوتا وغیرہ کے شرعی سہام کی تعین تفصیل کے ساتھ کی گئی ہے۔ عربی زبان کا کوئی کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو محض زبان دانی سے وہ اس گتھی کو ہرگز ہرگز نہیں سلجھا سکتا۔

یہ چند مثالیں میں نے قرآن مجید سے تقریب فہم کے لئے پیش کردی ہیں۔ اگر استقصا کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔ احادیث میں اس قسم کے اشکالات کی کوئی گنتی نہیں اب اگر تقلید کو درمیان سے نکال دیا جائے تو فرض عین کہ ہر مسلمان کو ان تمام تفصیلات کو جانے جن سے اس قسم کے اشکالات حل ہو سکیں۔ اب اگر ہر مسلمان کو ان تمام تفصیلات کے جاننے کا مکلف کیا جائے تو — اولاً — یہ ممکن نہیں کہ ہر شخص ان تمام علوم کو حاصل کر سکے جو مجتہدین کے لئے ضروری و لازم ہیں — ثانیاً — اگر بالفرض یہ تمام علوم حاصل بھی ہو جائیں تو تفقہ فی الدین جو خالص خداداد اور وہبی صلاحیت ہے سب کو بلکہ اکثر کو کہاں نصیب۔ حضرت امام بخاری جیسے امام فن و ماہر حدیث نے اسی وہبی فضل خداوندی تفقہ فی الدین کی وجہ سے ایسے عجیب و غریب فتوے دیئے کہ حیرت ہوتی ہے۔ مثلاً مشہور ہے کہ امام بخاری نے یہ فتویٰ دیا کہ اگر ایک لڑکا اور ایک لڑکی کسی بکری کا دودھ مدت رضاعت میں پی لیں تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ بخاری کو اٹھا کر دیکھئے آپ انگشت بدنداں رہ جائیں گے۔ ایک جگہ ہے کہ پانی نجاست پڑنے سے اس وقت تک ناپاک نہیں ہوگا جب تک پانی میں نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ نہ آ جائے۔ دوسری جگہ ہے کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو برتن ناپاک ہے ایسا کہ اسے سات مرتبہ دھوؤ۔ اب آپ غور کریں ایک برتن میں پانی ہے اس میں کتے نے منہ ڈال دیا پانی کا نہ رنگ بدلا نہ بو نہ مزہ تو لازم کہ پانی پاک رہے اور برتن بہر حال ناپاک — امام بخاری کے حفظ و اتقان،

تقویٰ پرہیزگاری روایت حدیث میں احتیاط کے کمال سے انکار نہیں مگر تفقہ فی الدین ایک الگ نعمت ہے جو ہر حافظ صاحب کو نہیں ملتی۔ اسی لئے تو ایک جلیل القدر محدث نے فرمایا ہے

الحدیث مضلۃ الا للفقہاء۔

اور حضرت امام اعمش قدس سرہٗ نے بڑی صفائی اور دیانتداری کے ساتھ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تفقہ فی الدین کا اعتراف کرتے ہوئے خود حضرت امام صاحب سے فرمایا ——

نحن الصیادلۃ وانتم الاطباء | ہم دوا فروش ہیں اور تم لوگ طبیب ہو۔

ثالثاً —— چلئے تفقہ فی الدین بھی حاصل ہوگیا اور وہ تمام علوم وفنون جو لوازم اجتہاد ہیں حاصل ہو جائیں تو دینداری اور للّٰہیت کا آج کتنا فقدان ہے۔ اسے کون نہیں جانتا حال یہ ہے کہ بہت سے ابو حنیفہ دوراں اور نعمان زمان بننے والوں نے جوش عداوت ووفور محبت وافراط عقیدت کی بنیاد پر اپنے نوک قلم سے کیا کیا گل کھلائے۔ اس کی تھوڑی سی سیر کرتے چلیں۔

۱ —— سارے دیوبندیوں وغیر مقلدین نے، اسمٰعیل کی "ایضاح الحق" کی عبارت پر اسے کافر گمراہ ہونے کا فتویٰ دیا —— مگر جب معلوم ہوا کہ یہ تو ہمارے طائفہ کے امام کی عبارت ہے تو سب کو سانپ سونگھ گیا۔

۲ —— ابھی چند دن کی بات ہے کہ مفتی دیوبند مولوی مہدی حسن نے جناب قاری طیب صاحب کی ایک عبارت پر فتویٰ دیا کہ اس میں الحاد ہے —— مگر جب معلوم ہوا کہ یہ تو ہمارے آقا کی عبارت ہے تو فتویٰ بدل گیا۔

۳ —— قاسم نانوتوی صاحب کے اسی شعر

جو پوچھو بھی دے سگ کوچہ ترا جواس کی نعش
یقیں ہے خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار

پر پوری برادری نے وہ وہ فتوے دیئے کہ مزہ آگیا —— مگر جب معلوم ہوا کہ یہ ہمارے پیر مغاں کا شعر ہے تو تاویل کے نام پر شاہنامہ کا ہفتخواں کا باب کھول دیا گیا۔

۴ —— گنگوہی کو بجرے کے خصیے بہت پسند تھے اور ان کو بہت مفید بھی اس لئے فتویٰ دے رکھا تھا کہ یہ حلال ہیں۔ یہ فتویٰ ان کے مجموعہ فتاویٰ کے ایک ایڈیشن میں موجود بھی ہے۔ مگر

جب پوری دُنیا نے تھو تھو کیا۔ دوسرے ایڈیشنوں سے اسے غائب کرکے فتاویٰ رشیدیہ کو ہی خصی کردیا۔

ایسی صورت میں امت کے عام افراد کو تقلید کئے بغیر چارہ نہیں اس لئے کہ اگر تقلید کو بدعت سیّہ وحرام قرار دے دیا جائے تو پھر قرآن وحدیث پر عمل کرنا سوائے معدودے چند حضرات کے امت کے اکثر بلکہ پورے افراد کو محال ہوجائے پھر لازم یہ کہ پوری امت کو قرآن وحدیث پر عمل کا مکلف کرنا وسعت سے زیادہ تکلیف دینا ہوا جو نص قرآنی لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا کے صریح منافی ہے۔ لا جرم امت کے دو گروہ ہوئے ایک مجتہدین دوسرے غیر مجتہدین غیر مجتہدین کو حکم دیا گیا کہ وہ دینی معاملات میں مجتہدین کی طرف رجوع کریں اور ان کا اتباع کریں۔ ارشاد ہے:—

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ | اہل علم سے پوچھو جبکہ تم میں علم نہیں۔

اور حدیث شریف میں فرمایا۔

اس آیت کے مخاطب غیر اہل علم ہیں اور اہل ذکر سے مراد اہل علم۔ اور سوال سے مقصود اہل علم کے ارشاد پر اتباع کا لازم ہونا ہے — اس قدر پر کسی کو اختلاف نہیں، بلکہ اب تو بعد اللتیا والتی یہ بھی طے ہو گیا کہ اہل ذکر سے خاص مجتہدین مراد ہیں۔ بس جبکہ یہ نص قرآنی سے ثابت ہے کہ غیر اہل ذکر پر اہل ذکر کا اتباع واجب ہے اور فریقین اس پر متفق کہ اہل ذکر سے مجتہدین مراد ہیں تو ثابت ہو گیا کہ غیر مجتہد پر مجتہد کی اتباع واجب ہے یہی تقلید ہے۔

اس لئے اگر مجتہد کی اتباع دلیل کے بعد ہوگی تو مجتہد کی اتباع نہ ہوئی۔ بلکہ اپنی تحقیق پر عمل ہوا۔ اس لئے مجتہد کی اتباع تقلید میں منحصر ہے۔ اس قدر پر اتفاق کے بعد وہ اصل اختلاف جس نے کروڑوں گھروں میں آگ لگا رکھی ہے جس پر تمام امت کے ناجی یا ناری ہونے کا فیصلہ موقوف ہے وہ تقلید شخصی ہے۔

امت کا اس پر اجماع ہے کہ اب ہر شخص کو خواہ عالم ہو خواہ غیر عالم واجب ہے کہ وہ آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی جملہ امور فقہ میں تقلید کرے۔

صرف چند معدودے نفر جو کہ دامن انبیاء کرام واولیاء عظام کی اہانت سے بھی داغدار ہیں جس کی بنار پر وہ امت اجابت سے یقینًا خارج ہیں۔ تقلید شخصی کو حرام بدعت

بلکہ شرک حتیٰ کہ ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ کا مصداق ٹھہراتے ہیں۔

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:—

فعلیکم یا معشر المومنین باتباع الفرقة الناجية المسماة باهل السنة والجماعة فان نصرة الله تعالى وحفظه وتوفيقه فی موافقتهم وخذلانه وسخطه ومقته فی مخالفتهم وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم فی المذاهب الاربعة هم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون ومن كان خارجًا من هذه المذاهب الاربعة فهو من اهل البدعة والنار

اے مومنو۔ تم پر فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کی اتباع لازم ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور حفظ وتوفیق ان کی موافقت میں ہے اور اس کی ناراضگی اور عذاب ان کی مخالفت میں ہے اور فرقہ ناجیہ نے آج اس پر اجماع کر لیا ہے کہ وہ صرف مذاہب اربعہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی ہیں جو ان چاروں سے خارج ہوگا وہ بدعتی جہنمی ہے۔

منکرین تقلید کے امام الائمہ شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید میں لکھتے ہیں:—

اعلم ان فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظيمة وفی الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة ونحن نبين ذلك بوجوه

مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں عظیم مصلحت ہے اور ان سے اعراض کرنے میں بھاری فساد ہے ہم ان کو چند طریقے سے بیان کرتے ہیں۔

احدها ان الامة قد اجتمعت على ان يعتمدوا على السلف فی معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا فی ذلك على الصحابة وتبع التابعين اعتمدوا على التابعين وهكذا فی كل طبقة اعتمد العلماء

اوّل یہ کہ امت نے اجماع کر لیا ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے تابعین نے اس معاملہ میں صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین اسی طرح ہر طبقہ میں علماء نے اپنے پہلے والوں پر اعتماد کیا اس کی اچھائی پر عقل دلالت کرتی ہے

عـلى من قبل هم والعقل يدل على حسن
ذلك لأن الشريعة لا يدن الا بالنقل
والاستنباط والنقل لا يستقيم الا بان
باخذ كل طبقة عمن قبلها بالاتصال
ولابد فى الاستنباط من ان يعرف
مذاهب المتقدمين لئلا يخرج من
اقوالهم فيخرق الاجماع ويبنى عليها
وَيَسْتَعِيْنَ فى ذلك بمن سبق۔
لان جميع الصناعات كالصرف
والطب والشعر والحدادة والتجارة
والصياغة لم تتسر لاحد الا بملازمة
اهلها وغير ذلك نادر بعيد لم يقع
وان كان جائزاً فى العقل واذا تعين
الاعتماد على اقاويل السلف فلابد من
ان يكون اقوالهم التى يعتمد عليها مروية
بالاسناد الصحيح او مدونة فى كتب
مشهورة وان يكون مخدومة يتبيين
الراجح من المرجوع من محتملاتها
وتخصيص عمومها فى بعض المواضع
وبجمع المختلف منها وتبيين علل
احكامها والالم يصح الاعتماد عليها وليس
مذهب فى هذه الازمنة المتاخرة بهذه
الصفة الاهذه المذاهب الاربعة.

اس لئے کہ شریعت نقل اور استنباط کے بغیر نہیں
پہچانی جا سکتی۔ اور نقل نہیں درست ہوگی مگر
اسی طرح کہ ہر طبقہ اپنے پہلے والوں سے متصلاً حاصل
کرے اور استنباط کے لئے یہ ضروری ہے کہ
متقدمین کے مذاہب کو جانا جائے تاکہ ان اقوال
سے باہر نہ جائیں کہ حد اجماع ہو جائے اور
تاکہ انہیں اقوال کو بنیاد بنایا جائے اور
اگلوں سے اس میں مدد لی جائے اس لئے
کہ تمام صنعتیں مثلاً سناری اور طب اور شعر
اور لوہاری اور تجارت اور رنگ ریزی کسی کو بھی
میسر نہیں ہوئی مگر اس کے ماہرین کے ساتھ
کام کرنے سے اور بغیر اس کے بہت نادر جو
واقع نہیں اگرچہ عقلاً جائز ہے اور جب یہ متعین
ہو گیا کہ (شریعت کی معرفت) میں سلف کے
اقوال پر ہی اعتماد ہے تو ضروری ہے کہ ان
کے وہ اقوال جن پر اعتماد ہو، اسناد صحیح کے ساتھ
مروی ہوں یا مشہور کتابوں میں مدون ہو۔ اور
یہ کہ منقح ہوں کہ ان محتملات میں راجح، مرجوح
سے ظاہر ہو اور عام کی تخصیص مذکور ہو متضاد
اقوال میں تطبیق ہو احکام کی علتیں بیان کی گئی
ہوں ورنہ ان پر اعتماد صحیح نہیں۔ اور اس پچھلے
زمانہ میں کوئی مذہب اس صفت کے ساتھ
موصوف نہیں سوائے ان چار مذاہب کے۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

۱ — فرقہ ناجیہ صرف اہل سنّت وجماعت ہے ان کے علاوہ دوسرے تمام فرقے خواہ وہ اپنا نام کچھ رکھیں جہنمی اور بدعتی ہیں۔

۲ — اس پر اجماع ہے کہ تقلید شخصی واجب ہے۔

۳ — تقلید شخصی میں عظیم مصلحت ہے اور اس کے ترک میں فساد کبیر ہے۔

۴ — شریعت کی معرفت نقل اور استنباط پر موقوف ہے اور یہ دونوں سلف کے اقوال جاننے پر موقوف ہے۔

۵ — سلف میں صرف آئمہ اربعہ کے اقوال اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہیں اور صرف انھیں کے مذاہب منقح ہیں۔

۶ — سلف میں ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے مجتہدین کے اقوال نہ تو اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہیں نہ کتب مشہورہ میں جامعیت کے ساتھ مدون ہیں کہ ان پر اعتماد صحیح ہو اور نہ منقح ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مجتہدین میں سے صرف ائمہ اربعہ ہی کے مذاہب لائق اعتماد وقابل عمل ہیں اور یہی علت ہے ان میں سے کسی ایک پر عمل کے وجوب پر اجماع کی اور اجماع خواہ کسی عصر کا ہو حجت شرعی ہے — اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ——

لاتجتمع امتی علی الضلالۃ

میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

نیز قرآن میں فرمایا گیا: ——

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا

پ ۵۔ رکوع ۱۴

اور جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرے اس کے بعد کہ حق کا راستہ اس پر ظاہر ہو چکا اور مسلمانوں کے راستے سے الگ راستہ چلے ہم اسے اسکے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کرینگے اور یہ کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے۔

لہٰذا اس میں شک وشبہ نہ رہا کہ اس عصر میں واجب ہے کہ ائمہ اربعہ میں کسی ایک امام کی تقلید کی جائے ان کے علاوہ دوسرے آئمہ کی تقلید مم[illegible] ہے۔ اس لئے کہ ان کے مذاہب اتنے

احتیاط اور جامعیت کے ساتھ آج موجود نہیں کہ ان کا اتباع کیا جاسکے ـــ رہ گئی ایک صورت یہ کہ ائمہ اربعہ میں کسی معین کی تقلید نہ کی جائے بلکہ بعض مسائل میں ایک کی بعض میں دوسرے کی ـــ اس میں کیا حرج ہے۔

پہلا حرج یہی ہے کہ یہ خرق اجماع ہے اجماع اس پر ہے کہ جو جس امام کا مقلد ہو جملہ امور میں اس کی تقلید کرے۔ بعض مسائل میں ایک کی بعض مسائل میں دوسرے کی یہ ناجائز ہے اور گناہ ہے۔

دوسرا یہ کہ یہ حقیقت میں امام کی تقلید نہ ہوئی اپنے نفس کی تقلید ہوئی اس لئے کہ دوسرے امام کی تقلید ایک امام سے عدول کرکے دوسرے امام کی طرف رجوع کی بنیاد کیا ہوگی؟ اپنی پسند کے کچھ مسائل میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد پسند آیا تو اُسے اختیار کیا اور بعض دوسرے مسائل میں دوسرے امام کا اجتہاد پسند آیا تو اُسے اختیار کرلیا۔ یہی تو ہوائے نفس کی پیروی ہے۔ یہ اعراض و توجہ دلیل کی قوت و ضعف کی بنار پر ہے تو یہ تسلیم قول بلادلیل نہ ہوا بادلیل ہوا پھر تقلید نہ رہی اور کلام تقلید میں ہے۔

تیسرا حرج یہ ہے کہ یہ نص قرآنی سے حرام ہے کہ کبھی ایک طریقہ اختیار کیا جائے کبھی اس کے برعکس دوسرا۔ ہم کو حکم ملا ہے کہ ہم ایک ہی راستے کو اختیار کریں۔ اور اسی کی پیروی کریں چند راستے کا اتباع نہ کریں ـــ فرمایا گیا ـــ

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ۔	چند راستوں پر مت چلو ورنہ اس کے راستے سے ہٹ جاؤ گے۔

یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ اگر کہیں چند راستے گئے ہوں تو منزل پر وہی پہونچے گا۔ جو ان میں کسی ایک کو اختیار کرے اور جو کبھی ایک راستہ پر کبھی دوسرے پر پھر تیسرے پر پھر چوتھے پر پھر پہلے پر اور پھر دوسرے پر علی ھذا القیاس چلتا رہے گا۔ وہ راستہ ناپتا ہی رہ جائے گا منزل تک ہرگز نہیں پہونچے گا۔

اس لئے آج واجب ہے کہ جو حنفی ہے وہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اور جو شافعی ہے وہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کی۔ اور جو مالکی ہے وہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی اور

جو حنبلی ہے وہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی جملہ فقہی مسائل میں تقلید کرے۔ امت کے کسی فرد کو ان کے علاوہ کسی مجتہد کی تقلید جائز نہیں۔ اور تلفیق کے کچھ مسائل میں ایک کی اور کچھ مسائل میں دوسرے کی یہ بھی حرام و گناہ ہے۔ یہ اتباع شریعت نہیں اتباع ھوی و نفس ہے۔

علماء احناف کی تقلید پر ایک بہت مشہور و معروف اعتراض امرتسری آنجہانی صاحب کا یہ ہے کہ تقلید کی تعریف ہے تسلیم قول الغیر بلا دلیل ۔ اور علمائے احناف چونکہ ہر مسئلہ کی دلیل جانتے ہیں اس لئے یہ مقلد نہ ہوئے مجتہد ہوئے۔ عرصہ ہوا ۔ یہ سوال اٹھا تھا اسی وقت اس خادم نے یہ جواب دیا تھا کہ تقلید کی تعریف میں بلا دلیل کا تعلق تسلیم سے ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ کسی کی بات کا ماننا بلا دلیل ہو یعنی ماننے کی بنیاد دلیل نہ ہو کہ چونکہ اس قول کی دلیل بہت قوی ہے لہذا مان لیا ہے۔ بلکہ ماننے میں دلیل کو قطعاً کوئی دخل نہ ہو جیسے بچے ماں، باپ کی بات مانتے جاتے ہیں طالب علم استاد کی بات مانتے جاتے ہیں۔ مریض طبیب کی بات مانتا جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی بات کو ماننا تو بلا دلیل ہے مگر اس کی دلیل بھی جانتا ہو یا بعد میں جاننے لگے دلیل جاننا تقلید کے منافی نہیں جبکہ وہ علتِ تسلیم نہ ہو۔ دلیل کا جاننا اس وقت منافی ہے جبکہ تسلیم کی علت اور سبب دلیل ہو مثلاً یہ کہ چونکہ اس بات کی دلیل بہت قوی ہے لہذا یہ مان لیا اور فلاں کی دلیل بہت کمزور ہے لہذا اسے ترک کر دیا۔

اس طرح کا ماننا دلیل کی بنیاد پر ہوتا ہے یہ تسلیم القول بلا دلیل نہیں بدلیل ہے لیکن اگر ہم ایک بات کو مان رہے ہیں، مگر ماننے میں دلیل کو دخل نہ ہو ماننا بلا دلیل ہو تو یہ تقلید ہے خواہ اس کی دلیل جانتے ہوں خواہ نہ جانتے ہو۔ علماء احناف کا حال یہی دوسرا ہے کہ وہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اقوال اور ان کے مذہب مہذب کو بلا دلیل مانتے ہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ابتدار شعور ہی سے ہم وضو، غسل، طہارت، نماز، روزہ وغیرہ سب مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مطابق کرتے ہیں اور اس کی تفاصیل کو حق مانتے ہیں۔ جب شرح وقایہ ہدایہ وغیرہ پڑھتے ہیں تو دلیل سے واقف ہوتے ہیں اس لئے یہ ماننا بلا دلیل ہوا یہ دوسری بات ہوئی کہ مان لینے کے بعد دلیل بھی جان گئے۔

(مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی اعظمی)

بدعت کیا ہے؟

غلط تصوّرات ۱۳۰۲ھ میں ایک فتویٰ شائع ہوا جس میں مولود فاتحہ اور قیام وغیرہ امورِ خیر کو ناجائز، بدعت اور حرام کہا گیا۔ دلیل اس کی یہ دی گئی کہ یہ امور اس ہیئت کذائی کے ساتھ خیر القرون میں نہ تھے۔ نہ حضور کے زمانہ میں، نہ تابعین کے، نہ اماموں نے اس کا حکم دیا اس لئے یہ بدعت اور حدیث میں ہے:

کل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة	نئی چیزیں بدعت ہیں اور ہر بدعت ضلالت ہے۔

اس دلیل کے دو ٹکڑے ہیں (۱) مولود فاتحہ وغیرہ امور نئے اور بدعت ہے (۲) ہر بدعت گمراہی ہے ـــــ دوسرا ٹکڑا تو حدیث شریف ہے ـــ لیکن پہلا ٹکڑا کہ مولود فاتحہ وغیرہ بدعت ہیں یہ نہ قرآن میں ہیں نہ حدیث میں نہ کسی صحابی یا امام کا قول کہ کسی پر حجت ہوتا یہ تو بالکلیہ مولود فاتحہ کے مخالفین کا ایجاد بندہ ہے۔ اس لئے اس کو ہم ثابت کرنے کے لئے اتنی بات اور بڑھائی گئی کہ جو کام خیر القرون میں نہ ہو وہ بدعت ہے اور یہ کام بالکل اسی صورت میں خیر القرون میں نہ تھے اس لئے بدعت۔ پس ساری بحث کا مدار اس امر پر ہے کہ بدعت کیا ہے۔ آیا وہی جو ان مخالفین میلاد وغیرہ کا قول ہے یا کچھ اور۔

یہاں پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ مولود فاتحہ وغیرہ نیا ضرور ہے کہ موجودہ شکل وصورت میں بعد کی ایجاد ہے اور یہ حدیث اوپر مذکور ہوئی کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اس لئے مولود فاتحہ وغیرہ بھی بدعت ہوگا۔ لیکن اگر یہ شبہ صحیح ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تراویح کی باقاعدہ جماعت قائم کی اور صحابہ نے اس کی بیس رکعتیں مقرر کیں۔ کیا یہ فعل اور ان کے ہمعصر صحابہ اور وہ بدعتی اور گمراہ ہوں

گے (معاذ اللہ رب العالمین) — انھیں خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ نے مسجد کی توسیع تعمیر جدید کی پھر اس میں خوب روشنی اور چراغاں کیا۔ کیا یہ بدعتی ہوئے؟ — حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان جمعہ کے دن مقام زوراء پر دلوائی۔ کیا ذوالنورین کو بدعتی کہنے کی جرأت کسی میں ہے؟

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے علم اصول فقہ میں ایک کتاب ترتیب دے کر شائع کی۔ تفسیر کی کتابیں چھپوائیں۔ شیخ الکل مولوی نذیر حسین نے اسماء الرجال، علم اصول حدیث پڑھا پڑھایا اور آج کل کے سارے غیر مقلدین زیر و زبر لگا ہوا قرآن مجید چھپواتے شائع کرتے اور ہر ہر پارہ اور ہر سورۃ کی علامتیں الگ الگ لگواتے ہیں نئے قسم کے دینی مدرسے قائم کراتے اور دورۂ حدیث کا انتظام کرتے۔ انھیں پر بس نہیں یہ دیوبند کا دارالعلوم اس کا نصاب تعلیم یہ مہمات کے لئے ختم بخاری کا ورد وغیرہ وغیرہ بے شمار امور ہیں جس میں بلا امتیاز ہر کلمہ گو شریک ہے تو کیا یہ سب کچھ بھی بدعت اور سارا اسلامی گروہ بدعتی اور گمراہ ہے اگر نہیں تو مولود فاتحہ نے کیا قصور کیا کہ وہ تو نیا ہو کر بدعت قرار پائے کتاب فقہ محمدی، آل انڈیا جماعت اہل حدیث اور اس کی کانفرنسیں اور اس کا اہتمام بدعت نہ ہو؟ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ بدعت کی صحیح تعریف محقق ہو جائے۔

اس امر کی تحقیق مولوی عبدالسمیع صاحب مرحوم ومغفور نے اپنی کتاب انوار ساطعہ[۱] میں بڑی تفصیل سے ذکر کی جس کو وہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بدعت کے بارے میں پانچ نظریے ہیں۔ چار وقت کی بنیاد پر جو غلط ہیں اور ایک موافقت وعدم موافقت کی بنیاد پر جو صحیح اور درست ہے۔

۱ — جو چیز قرون ثلثہ (صحابہ تابعین، تبع تابعین) کے زمانہ میں ایجاد ہوں وہ سنت میں داخل اور جو اس کے بعد ہو وہ بدعت وضلالت۔

۲ — صحابہ وتابعین کے زمانہ میں جو ایجاد ہو وہ جائز اور جو اس کے بعد ہو وہ بدعت وگمراہی۔

۳ — صرف صحابہ کی ایجادیں بھی بدعت صرف حضور کے افعال واقوال وغیرہ سنت۔

۴ — جو امور دلائل شرعیہ کے خلاف ہوں کسی زمانہ میں ایجاد ہوں کوئی موجد ہو بدعت سیئہ

۵ — اور جو چیزیں دلائل شرعیہ کے خلاف نہ ہوں وہ جائز ودرست۔

---

[۱] مکتبہ فریدیہ ساہیوال سے طلب فرمائیں۔

اَب ہم نمونۃً سب سے پہلے قول کا جائزہ لیتے ہیں جس سے بقیہ تین قولوں کی سخافت بھی نمایاں ہو جائے گی۔ یہ دعویٰ کہ ــ "جو چیزیں قرون ثلاثہ میں ایجاد ہوں وہ سنّت اَور جو اس کے بعد ہوں، وہ بدعت" اس پر سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ جب ہر چیز کا ثبوت آپ قرآن وحدیث، اقوال صحابہ، آئمہ مجتہدین سے طلب کرتے ہیں تو آپ خود اپنے اس قول کی سند لائیے۔ کیا یہ کسی حدیث کے الفاظ ہیں؟ کیا قرآن عظیم کی یہ کوئی آیت ہے؟ اچھا کیا صحابہ اور آئمہ مجتہدین میں سے کسی کا قول دکھا سکتے ہیں کہ انھوں نے بدعت کی یہ تعریف کی ہے؟ ــ اگر نہیں تو پھر کس طرح اس دعویٰ بے دلیل کو دوسروں کے سر تھوپتے ہو؟ اَور کس مُنہ سے مولود، فاتحہ، گیارھویں وغیرہ کے لئے قرآن وحدیث، اقوال صحابہ وآئمہ کی تصریح چاہتے ہو؟ کیا ساری پابندیاں ہمارے ہی لئے ہیں، تمھارے ذمہ کچھ نہیں جو مُنہ سے کہدو قرآن وحدیث۔

الغرض نہ تو کوئی آیت، نہ کوئی حدیث، نہ کسی صحابہ کا قول، نہ حکم آئمہ مجتہدین ــ مگر اصرار یہ کہ ہر اس چیز کو بدعت تسلیم کرلو جو قرون ثلثہ میں ہیئت کذائی کے ساتھ نہ رہے ہوں۔ بہت کچھ مطالبہ کے بعد اس امر کی جو دلیل دی گئی ــ وہ یہ حدیث ہے:

"خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔	سب سے اچھا میرا زمانہ پھر ان لوگوں کا جو مجھ سے ملے ہیں۔ پھر ان کا جو ان سے ملے ہیں پھر ان کا جو ان سے ملے ہیں۔

اوّلاً ہر عربی خواں اَور ترجمے کے بعد ہر اردو داں یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس حدیث کو اصل مدعا سے کوئی علاقہ نہیں ــ دعویٰ تو یہ کہ جو امر ان تین زمانوں میں ایجاد ہو وہ سنت ہے اَور جو اس کے بعد ہو وہ بدعت ہے اَور دلیل یہ کہ "سب سے اچھا میرا زمانہ اَور اس کے بعد جو لوگ ہیں ان کا زمانہ پھر جو لوگ ان کے بعد ہیں ان کا زمانہ" ــ اَب اس حدیث کے کس لفظ کا مطلب ہے جو ان تینوں زمانوں میں ہو وہ سُنّت اَور جو بعد میں ہو وہ بدعت اگر نہیں ہے تو اس حدیث سے یہ دعویٰ کس طرح ثابت ہوگا۔ حدیث میں تو صرف یہ بیان ہے کہ میرا اَور میرے بعد تین زمانہ اچھا ہے تو کیا اچھے زمانہ میں جو بات ہوتی ہے سب اچھی ہوتی ہے۔ آخر حضور کے ہی زمانہ میں منافقین بھی تھے تو وہ بھی اچھے تھے؟ اچھے لوگ جتنا کام کرتے

ہیں سب اچھا ہی ہوتا ہے۔ حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی لڑائیاں سب سنت ہونگی۔

پھر اس حدیث میں راوی کو خود شک ہے کہ حضور نے دو مرتبہ قرن کا لفظ فرمایا یا تین مرتبہ۔ اگر دو دفعہ والی روایت مانی جائے تو قرون ثلثہ کے دعویٰ کا پتہ نہ چلے حالانکہ پہلے قول والے یہی کہتے ہیں۔ پھر قرن کے معنی زمانہ ہیں۔ ایک قرن کتنے برس کا ہوتا ہے خود اس میں بیحد اختلاف ہے کوئی ۳۵ھ تک قرون ثلثہ کو ختم مانتا ہے تو کوئی ۲۲۰ھ تک۔ پس اگر ۲۵ھ تک لیجئے تو اس کے بعد صحابہ کی ایجادیں ہی بدعت ٹھہرتی ہیں اور ۲۲۰ھ تک سنت اس تقدیر پر رفض و خروج، جبر و قدر تمام گمراہ فرقے سُنی ہوں گے۔ کہ سب ۲۲۰ھ کے اندر اندر کے ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ حدیث کسی طرح بھی پہلے قول والوں کی تائید نہیں کرتی۔ طرفہ یہ کہ اگر اس حدیث کا آنکھ بند کر کے وہی مطلب مان لیا جائے جو یہ لوگ سمجھانا چاہتے ہیں تو صرف یہ ثابت ہوگا کہ جو اس زمانہ میں ہو وہ سنت لیکن جو اس کے بعد ہو وہ بدعت اس کا اب بھی کوئی ثبوت نہیں یہ اب بھی بلا دلیل ہے۔

بقیہ تینوں اقوال کا بھی یہی حال ہے کہ وہ باہم متعارض چوتھا تیسرے کو اور دوسرا پہلے کو اس طرح ایک صحیح ہو تو دوسرا باطل کیونکہ اس کی بنیاد ہی غلط ہے کہ وار و مدار وقت ہے۔ پھر ان میں کتنی جرأت بے باکی ہے کہ اس کی بنیاد پر معاذ اللہ تو ائمہ تابعین بلکہ صحابہ تک بدعتی اور گمراہ اور دین سے بھٹکے ہوئے نظر آتے ہیں ــــ جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے ظاہر ہے کہ ان میں بہتوں نے زمانہ میں کچھ ایسے دینی امور ایجاد کئے جو زمانہ ماسبق میں ایسی ہیئت کے ساتھ موجود نہ تھے۔

یہی پریشان کن صورت حال ہے جو مولود فاتحہ وغیرہ امور خیر کو بدعت کہہ کر اور کہنے والوں کو درپیش ہے کہ ان کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے مولود فاتحہ وغیرہ تو بدعت قرار پائیں اور بنائے مدارس، ترتیب نصاب تعلیم دینی احادیث کریمہ کی کتابوں کو اس طرح شائع کرنا وہ بھی شروح و حواشی کے ساتھ، فقہ کی کتابوں کا لکھنا، قرآن شریف کے اعراب وغیرہ تنظیم جماعت اہلحدیث وغیرہ بایں ہیئت کذائی بے شمار دینی امور اور بدعت نہ ہوں۔ جب کبھی انہوں نے مولود فاتحہ کو بدعت کہا ان سے ان کا ثبوت طلب کیا گیا انہوں نے وہی حدیث کل بدعة ضلالة اور خیر القرون قرنی دُہرائی۔ پس ان سے سوال ہوا اگر یہی بنیاد بدعت ہونے نہ ہونے

کی ہے تو یہ سارے امور جن کو آپ رات دن ثواب جان کر کرتے ہیں یہ کیوں بدعت نہیں حالانکہ یہ سب نو ایجاد اور قرون ثلثہ کے بعد کے ہیں اور مرجیہ، جبریہ، قدریہ وغیرہ گمراہ کیوں؟ سنّت کیوں نہیں جبکہ وہ قرون ثلثہ کے اندر کے ہیں۔

بدعت کی تحقیق

احادیث کریمہ میں لفظ بدعت دونوں طرح مستعمل ہوا ہے کہیں وصف ضلالت کے ساتھ تو کہیں وصف حسن ونعم کے ساتھ۔

ومن ابتدع بدعة ضلالة لا یرضاها الله ورسوله کان علیه من الاثم (مشکوٰۃ ص۳۰ اصح المطابع)

جس نے بدعت ضلالت ایجاد کی جسے اللہ و رسول پسند نہ کرتے ہوں اس پر گناہ ہوگا

ملا علی قاری علیہ الرحمہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :۔

قید به لاخراج البدعة الحسنة۔

بدعت ضلالت کی قید بدعت حسنہ کو اس حکم سے نکالنے کے لئے ہے۔

یہاں بدعت کا لفظ ضلالت کے ساتھ متصف ہے۔ اسی مشکوٰۃ ص۱۱۵ پر ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے تراویح کی نماز با جماعت قائم کرائی اور فرمایا نعمت البدعة هذه یہاں لفظ بدعت کلمہ نعمت کے ساتھ متصف ہے جس کے معنی تعریف وتحسین ہے ـــــ ان حدیثوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بدعت کی دو قسم ہے۔ بدعت ضلالت اور بدعت حسن اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعریف میں وقت اور زمانہ کی قید ایک گورکھ دھندا ہے جس کو حقیقت سے کچھ علاقہ نہیں۔ حضرت عمر نے اپنی ایجاد کو بدعت کہا یہ الگ بات ہے کہ اس کو بدعت حسن کہا۔

بدعت کی یہ دو قسمیں مختلف علمائے اعلام و اماماں ذوی الاحترام سے مروی ہیں ـــــ

امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی :ـــــ

ما احدث وخالف کتابا او سنة او اجماعا او اثرا فهو البدعة الضلالة وما احدث من الخیر ولم یخالف من ذالك فهو البدعة المحمودة۔ (بحوالہ انوار ساطعہ ص۴۸ مطبوعہ مجتبائی دہلی)

جو نو ایجاد ہو اور کتاب و سنّت اجماع امت یا آثار صحابہ کے خلاف ہو بدعت ضلالۃ ہے اور جو بھلائی ایجاد ہوئی اور مذکورہ بالا اشیاء کے مخالف نہ ہو وہ بدعت محمودہ ہے۔

امام غزالی رضی اللہ عنہ احیاء العلوم شریف جلد اوّل و دوئم میں علی الترتیب فرماتے ہیں۔

لایمنع ذالك كونه محدثا فكم من محدث حسن (جلد اول)	کسی چیز کا تو ایجاد ہونا بدعت نہیں، کتنے نو ایجاد امور خیر احسن ہیں۔
انما المحذور بدعة تراغم سنة ماموراً بها (جلد دوم)	ممنوع وہ بدعت ہے جو کسی سنّت کے خلاف ہو۔

شیخ عزیزالدین بن عبدالسلام اپنی کتاب "القواعد" میں فرماتے ہیں:

البدعة اما واجبة كتدوين اصول الفقة والكلام فى الجرح والتعديل واما محرمة كمذهب الجبريه والقدرية واما مندوبة كاحداث المدارس وكل احسان لم يكن فى العهد الاول واما مكروهة كزخرفة المساجد يعنى عند الشافعى اما عند الحنفية فمباح واما مباحة كالتوسع فى لذيذ المأكل والمشارب۔	بدعت یا تو واجب ہے جیسے اصول فقہ کو مدون کرنا یا علم جرح و تعدیل میں کلام کرنا یا حرام ہے۔ جیسے جبریہ اور قدریہ کا مذہب یا مستحب ہے۔ جیسے مدرسہ بنانا اور ہر وہ اچھا کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہ تھا یا تو مکروہ ہے جیسے مساجد کی تزئین شافعیہ کے وہاں حنفیوں کے یہاں یہ امر مباح ہے یا بدعت مباح ہے جیسے عمدہ اور لذیذ کھانوں میں وسعت پیدا کرنا۔

اور بدعت ضلالہ و حسن کی یہ تعریفیں احادیث صحیحہ سے ماخوذ ہیں۔ مشکواۃ ص ۲۷ میں بخاری اور مسلم کے حوالہ سے ہے:

من احدث فى امرنا ماليس منه فهو رد۔	جس نے ایجاد کیا ہمارے دین میں وہ چیز جو اس سے نہیں وہ مردود ہے۔

اس حدیث کی شرح میں صاحب مرقات فرماتے ہیں:

والمعنى ان من احدث فى الاسلام رايا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر او خفى او مستنبط فهو مردود (مرقات جلد اول ص ۱۷۹)	معنی یہ ہیں کہ جس نے اسلام میں ایسی رائے ایجاد کی جس کیلئے کتاب و سنّت کو ظاہری دلیل یا پوشیدہ دلیل یا خدا کردہ دلیل نہ ہو تو وہ مردود ہے۔

یہ حدیث اور اس کی شرح سے بدعت سیئہ کی کتنی واضح، صاف، ستھری، بے داغ تعریف ظاہر ہوگئی لوگ اس کو چھوڑ کر نہ جانے کہاں کہاں مارے مارے پھرتے ہیں۔

اور یہی حدیث اس امر پر بھی روشنی ڈال رہی ہے کہ وہ نو ایجاد چیز جس کی دلیل شرع میں ہو وہ جائز ہے چاہے جب ایجاد ہو اور یہی بدعت حسن ہے —— اسی لئے حدیث کے لفظ مالیس منہ کی شرح میں آیا ہے: ——

فیہ اشارۃ الی ان احداث مالا ینازع الکتاب و السنۃ لیس بمذموم	اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو چیز کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو اس کا ایجاد کرنا برا نہیں ہے۔

اور یہ بدعت حسنہ نہ صرف یہ کہ شرعاً مذموم نہیں بلکہ شریعت مطہرہ کی طرف سے اسے کرنے کا حکم اور اس پر اجر و ثواب کا وعدہ ہے —— اسی مشکوٰۃ صـ۳۳ میں ہے: ——

مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْءٌ	جس نے نکالا اسلام میں کوئی اچھا طریقہ تو اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب بھی ملے گا اور کسی کا ثواب کم نہ ہوگا۔

امام نووی اپنی شرح جلد دوم صـ۳۴۰ میں فرماتے ہیں: ——

ان دعی الی الھدی کان لہ مثل اجور تابعیہ اوالی الضلالۃ کان علیہ مثل آثام تابعیہ سواء کان ذالک الھدی اوالضلالۃ ھوالذی ابتداٗہ ام کان مسبوقا الیہ وسواء کان ذالک تعلیم علم اوعبادۃ او آداب اوغیر ذلک۔	اگر کسی نیکی کی طرف بلایا تو اس نیکی پر عمل کرنے والوں کا ثواب بھی اس کو ملے گا۔ اور گمراہی کی طرف بلایا تو اس کی پیروی کرنے والوں کا گناہ بھی اس کو ملے گا۔ اب وہ گمراہی یا ہدایت خود اسی کی ایجاد کردہ ہو یا اس کا موجد اس سے پہلے ہو چکا ہے پھر وہ فعل بھی عام ہے کہ از قسم علم یا از قسم عبادت ہو یا آداب وغیرہ ہو۔

الغرض ان حدیثوں، ان کی شروح اور تشریحات علماء اعلام کا واضح اعلان یہی ہے کہ

بدعت کی دو قسمیں ہیں "بدعت سیئہ" "بدعت حسنہ"۔۔۔ بدعت سیئہ وہ نو ایجاد چیز ہے جس کے لئے کتاب و سنّت سے ظاہری یا پوشیدہ یا ماخوذ کسی قسم کی کوئی سند نہ ہو بلکہ جو سنّت کو ڈھانے والی ہو اور ۔۔۔ بدعت حسنہ وہ نو ایجاد امور ہیں جن کے لئے کتاب و سنّت سے ظاہر یا خفی یا ماخوذ کوئی سند بھی دی جاسکے۔ اس میں کسی زمانہ کی شرط نہیں کہ کب کی ایجاد ہے اور کب کی نہ ہو۔

وہ لوگ جو اس امر کے قائل ہیں جو نئے کام قرون ثلثہ مشہود لھا بالخیر میں نہ پائے گئے وہ بدعت، اس کے برخلاف وہ کام جو اس زمانہ میں صحابہ یا تابعین نے کئے اور ایجاد فرمائے وہ سب سنّت ان کے لئے یہ ایک بڑی زحمت ہوگی کہ ایاکم ومحدثات الامور اور اس قسم کی وہ تمام احادیث جس میں بدعت سے اجتناب کا حکم آیا ہے کسی کے مخاطب صحابہؓ وتابعین نہ ہوں گے کیونکہ ان کی ساری ایجادیں تو سنّت ہی ہیں (معاذاللہ) حضور نے خواہ مخواہ ہی ان کو بار بار اس سے روکا تہدید فرمائی حالانکہ وہ کرنا بھی چاہیں تو بدعت کر نہیں سکتے کہ ان کے سب افعال تو سنّت قرار پاچکے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کے مدعیان علم تحقیق کے خیالات بھی پیش کر دیئے جائیں کہ وہ بدعت و سنّت کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں تاکہ حق کا آفتاب مہر نیم روز کی طرح دمکنے لگے۔

غیر مقلد مولوی عبیداللہ رحمانی اپنی شرح موسوم بہ مرعات جلد اوّل صـ۱۴۲ میں لکھتے ہیں:۔۔۔

المراد بها ما احدث من الاعتقاد والقول والفعل وليس له اصل فى الشرع وليسى فى عرف الشرع بدعة وما كان له الاصل فى الشرع فليس ببدعة كتفسير القرآن وكتابه الحديث.	اس سے مراد وہ اقوال اور افعال اور اعتقادات ہیں جو نو ایجاد ہوں اور ان کی اصل شریعت میں نہ ہو اور اسی کو عرف شرع میں بدعت کہا جاتا ہے۔ اور جن امور کی اصل ہو وہ بدعت نہیں جیسے قرآن کی تفسیر اور حدیث کی تحریر۔

اسی میں چند سطر اوپر حدیث (من احدث فی امرنا) کی شرح میں ہے:۔۔۔

ان من احدث فى الاسلام رايا	جس نے اسلام میں ایسی رائے ایجاد کی

لم یکن لہ من الکتاب والسنۃ سندا
ظاھرا او خفی ملفوظ او مستنبط
فھو مردود۔

جس کے لئے کتاب اور سنت سے کوئی ظاہری
دلیل یا پوشیدہ ثبوت لفظیں ہو خواہ اخذ کیا

ص۱۵۸ ، ص۱۵۹ میں ہے:

والمراد بالبدعۃ ما احدث فی الدین
مالا اصل لہ فی الشریعۃ یدل علیہ
واما ماکان لہ اصل فی الشرع یدل علیہ
فلیس ببدعۃ شرعا وان کان بدعۃ لغۃ
واما ما وقع فی کلام السلف من استحسان
لبعض البدعۃ فانما فی البدع اللغویۃ
لا الشرعیۃ فمن ذالک قول عمر
"نعمت البدعۃ ھذہ" الخ

بدعت سے مراد نو ایجاد امور ہیں جن کی
اصل شریعت میں تو ہے اور جس پر دلالت
کرنے والی سند شریعت میں موجود ہو وہ
شریعت میں بدعت نہیں لغت کے لحاظ
سے بدعت ہے اور بزرگوں کے قول میں جو
بدعت کی تعریف ہے تو اس سے یہی بدعات
لغویہ مراد ہیں شرعی نہیں جیسے کہ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کا قول "یہ اچھی بدعت ہے"

ان اقتباسات سے یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ بدعت حسنہ کو تسلیم نہیں کرتے اس کو بدعت لغوی کہتے ہیں اور سنت میں داخل مانتے ہیں واما ماکان لہ اصل فی الشرع کہہ کر اس کے کرنے کی اجازت دیتے ہیں — اسی کتاب کے ص۱۸۸ زیر حدیث (من سن سنۃ حسنۃ) ہے:

ای اتی بطریقۃ مرضیۃ یشھد
لھا اصل من اصول الدین او صار
باعثا لترویج امر ثابت فی الشرع
فلہ اجرھا ای اجر السنۃ
ومن بعدہ۔

یعنی جس نے ایسا طریقہ دیا جو پسندیدہ ہو اور
جس کی گواہی اور تائید دلائل شرعیہ میں سے کوئی
دلیل کرتی ہو۔ یا جو شخص شرع سے ثابت شدہ
کسی امر کو رائج کرے تو اس کو اس سنت کا
ثواب ملے گا اور اس کے بعد عمل کرنیوالوں کا بھی۔

دیکھئے کس صفائی سے دو شقیں کرتے ہیں کسی ایسے امر کو رواج دے جو شریعت میں ثابت شدہ ہے یا کسی ایسے امر کو ایجاد کیا جو ثابت تو نہیں لیکن اس کی تائید دلائل شرعیہ سے ہوتی ہے اس کو اسی سنت کا ثواب ملے گا۔ گو ایسا امر بھی نکالنا جو ثابت شدہ نہ ہو مگر سند شرع

سے پیش کی جا سکتی ہو سنّت ہی ہے پس وہ چیز جس کو ہم آپ یا علماء اعلام اہل اسلام بدعتِ حسنہ کہتے ہیں وہ ان کے نزدیک سنّت ہے لیکن نام بدلنے سے حقیقت تو نہیں بدل جاتی ہم جس چیز کو بدعت حسن کہہ کر جائز کہتے ہیں آپ اسی کا نام سنّت رکھ کر قبول کرتے ہیں چلیئے یہی سہی۔

دوسری بات جو نہایت واضح ہو کر سامنے آئی کہ بدعت سیئہ (یا بقول انکے مطلقاً بدعت کو انھوں نے اس کے مقابل کا بدل دیا) کی یہ بھی وہی تعریف تسلیم کرتے ہیں جو ہم اعلام امت اسلامیہ سے نقل کر آئے ہیں کہ بدعت وہی ہے جو مصادم سنّت ہو جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو۔ یہ نہیں کہ فلاں فلاں وقت اور فلاں فلاں صاحب کی ایجادات سنّت اور مابعد بدعت اس کے یہ بھی مخالف ہیں کہ ایک جگہ بھی پوری بحث میں کہیں اس کا نام نہیں لیا۔ ان میں اور دیگر علمائے اعلام اہلسنّت میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف نام رکھنے کا کہ وہ لوگ جس کو بدعت سیئہ کہتے ہیں یہ مطلقاً بدعت اور وہ جس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اس کو یہ بدعت لغوی اور سنّت میں داخل مانتے ہیں اور ہم یہ واضح کر چکے کہ جس کے نام بدلنے سے حقائق تبدیل نہیں ہوتے اس لئے وہ نو ایجاد امور جو مخالف شرع نہ ہوں صرف اس بنا پر کہ صحابہ نے اس طرح ان کو نہیں کیا یا تابعین نے نہیں برتا۔ حضور کے زمانہ میں نہ تھے۔ بدعت قرار نہیں دیئے جا سکتے ان کو بدعت اور ناجائز ثابت کرنے کے لئے شرع سے دلیل لانی ہوگی کہ اس حدیث یا آیت کے خلاف یا کم ازکم یہ ثابت کرنا ہوگا کہ حدیث قرآن کے اس عظیم ذخیرہ میں کہیں بھی اس کی تائید نہیں ملتی اور یہ مشکل ہے۔

یہاں پہونچ کر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حدیقۂ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ سے بدعت سے متعلق ایک طویل تحریر نقل کریں جس سے اس سلسلہ کی بہت سی غلط فہمیوں کا بخار دُور ہو سکتا ہے۔

ان العلماء قالوا البدعة خمسة واجبة کنظم الدلائل لرد شبه الملاحدة وغيرهم ومندوبة كتصنيف الكتب وبناء المدارس ونحوها ومباحة كالتبسط بالوان الاطعمة عند	علماء نے فرمایا کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں واجب[1] جیسے ملحدین کے شبہے کا رد ترتیب دینا۔ اور مستحب[2] ہے جیسے کتابوں کی تصنیف اور مدرسوں کی بنا وغیرہ اور مباح[3] جیسے احباب کی دعوت کے وقت انواع واقسام کے

ضیافة الاخوان وغیرها ومکروهة وحرام وهما ظاهران فاذا علمت هذ التقسیم الذی تقدم بیانه فالمنارة المذکورة فی نوع البدعة المستحبة لانها عون المؤذنین فی قصدهم لاعلام الناس بدخول وقت الصلوٰة المفروضة کالصلوٰة الخمس والجمعة المراد من الاذان شرعا اذ معناه لغة مطلق الاعلام وفی الشرع هو الاعلام بوقت الصلاة وفی المنارة اعانة فی انتشار ذلك بین المسلمین۔

مالیس فی غیرها والمدارس المبنیة العلم والقرأة القرآن و تصنیف الکتب الشرعیة فی علم التوحید والعقائد والاحکام الفقهیة والتفسیر والحدیث والة ذلك کالنحو والصرف واللغة ونحو هذا معینة للتعلیم بسبب تقریر المسائل وایضاحها وایراد کل شی فی محله من الابحاث المناسبة والاشکالات والاجوبة وتحریر الادلة وبیان الخلاف حتی یسهل معرفة ذلك العلم والمتعلم عون محصول التبلیغ من العلماء الاولین الی فضلاء المتاخرین

فکل احد مما ذکر من بناء المدارس

کھانے بنانا وغیرہ۔ اور مکروہ وحرام ہے جس کی بے شمار مثالیں ظاہر ہیں۔ اس قسم پر مطلع ہونے کے بعد یہ ظاہر ہے کہ "منارہ مسجد" بدعت مستحبہ میں ہے کیونکہ اس سے موذنوں کو اپنے ارادہ (یعنی لوگوں کو نماز پنجگانہ اور جمعہ اعلان) میں مدد ملتی ہے اعلان سے ہماری مراد شرعی اذان ہے کیونکہ اعلان لغت میں مطلقاً ہر چیز کے اعلان کو کہتے ہیں اور منارہ سے مسلمانوں کے درمیان اذان کی آواز پھیلانے میں جو مدد ملتی ہے دوسرے ذریعہ سے نہیں۔

اسی طرح مدرسوں کی بناء، علم اور قرأت قرآن کے لئے اور شرعی کتابوں کی تصنیف از قسم علم توحید، عقائد، احکام فقہیہ، تفسیر اور حدیث اور اس کے مددگار علوم جیسے نحو، صرف، لغت یا اسی قسم کے اور علوم جو تعلیم میں مددگار ہوں یونہی مسائل کی تقریر اور اس کی وضاحت اور مسئلہ کے مناسب بحثوں کی حسن ترتیب، اعتراضوں کا جواب اور دلائل کی تحریر، یا خلافیات کا بیان جس سے اس علم کی معرفت متعلم کو آسان ہو اور متقدمین کے علوم متاخرین تک پہونچانے میں مدد ہو۔

پس یہ ساری باتیں جو اوپر مذکور

والمنارة وتصنيف الكتب وترتيب
الدلائل مادون من قبل
الشارع اذ قصده بقاء ماشرع
وتقوية وازاله مايمانعه
وهذا المعنى موجود فيما ذكر
بل ماموربه من قبل الشارع
ولو على طريق العلوم كما قال
تعالیٰ ولا تقولوا على الله الا الحق
فبناء المنارة والمدرسة من
جمله محافظه الصلوٰة وتصنيف
الكتب ونظم الدلائل من
جملة قول الحق على الله
وعدم قول الباطل ومارشيه
فی ذالك.

وعدم وقوع كل من ذالك فی الصدر
الاول زمان الصحابة والتابعين وتابعی
التابعين رضی الله عنهم اجمعين اما لعدم
الاحتياج الى كل واحد من ذلك من لا
ستغنائهم بكثرة الاجتهاد والمجتهدين
عن تدوين العلوم بسهولة مراجعة
الثقات من ائمه الدين عن تصنيف
الكتب وبقلة المخالفين عن نظم الدلائل
اولعدم القدرة فيه لعدم المال فی انفاق

ہوئیں جیسے مدرسے، منارہ، تصنیف، کتب
ترتیب دلائل وغیرہ۔ شرع کی طرف سے ان
کی اجازت ہے اس لئے کہ شریعت کا مقصد
احکام شرع کی بقا اس کی تقویت اور اس کے
مزاحم کا دفاع ہے اور یہ بات مذکورہ بالا امور
سے بدرجہ اتم حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ یہ چیزیں
شرعاً مامور ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کا جواز
حکم عام میں حاصل ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے
حافظوا على الصلوٰة فرمایا (نمازوں کی
حفاظت کرو) لا تقولوا على الله الا الحق
فرمایا (سچ بات ہی بولو) پس منارہ اور مدرسہ
کی بنا حفاظت صلاۃ میں داخل ہے اور
تصنیف کتب اور ترتیب دلائل "قول الحق" کے
زمرہ میں شامل ہے۔ اس قیاس پر اور امور کو جانچا جاسکتا ہے۔
اگر یہ سوال ہو کہ اگر یہ باتیں ایسی مامور
بنا تھیں تو خیر القرون میں یہ کیوں نہیں کی
گئی تو جواب یہ ہے کہ مختلف وجہیں ہو
سکتی ہیں مثلاً اس وقت اجتہاد اور
مجتہدین کی کثرت تھی اس لئے انہوں
نے اس کے باقاعدہ انتظام کی ضرورت
محسوس نہ کی۔ کہ کتابیں تصنیف ہوں اور
مخالفین کی کمی کی وجہ سے نظم دلائل
کی حاجت نہ تھی۔ مال کی کمی بنائے منارہ

على بناء المنارة والمدارس وجعل الاوقاف عليها والوظائف اولعدم التفرغ لفعل ذلك بالاشغال ليله ونهاراً وظاهرا وباطنا بالاهم من ذلك على حسب مايعملون من قتال الكفار وفتح البلاد وتمهيد القواعد الاسلامية والقوانين الايمانية بين العباد والمحافظة على نحو السنة النبوية والسيرة المحمدية والقيام بها فى الاحوال كلها صونا لهما من الضياع والاستبذال وذالك من الاعذار المانعة لاوائل عن عمل ذلك كعدم حدوث ما يقتنقنيه فى زمانهم ووجود مايغنى عنه فى ذلك الزمان دون غيره وعدم تسهيم لمثله.

ولوتعينت كلما قيل فى بدعة حسنة وجدته ماذونا فيه من قبل الشارع لكل احد اشارة فى آية اوحديث اودلالة من آية اوحديث لايكاد يخرج شئ من ذلك اصلا ما ذكروا القصور فى عدم الاطلاع.

وقد سئل عن بعض العلماء عن هذه المقامات المنصوبة حول الكعبة التى يصلون فيها الآن ائمة اربعة على مقتضى مذاهب الاربعة ما كانت السنة على ذلك ولاعصر التابعين ولاتابعيهم ولاهذا الائمة الاربعة

اور مدارس میں حارج ہوئی یا یہ وجہ ہو کہ رات دن علی الاعلان اور تنہائی میں ہر طرح ہر دم ان امور سے زیادہ اہم معاملات میں مشغول رہے ہوں جیسے جہاد، فتح بلاد، قواعد اسلامیہ اور قوانین ایمانیہ کی تقویت اور سنت رسول اللہ کی محافظت یہ اور اسی قسم کے بہت سے ہو سکتے ہیں جو خیر القرون میں ان افعال کے وجود میں مانع ہوں۔

بدعت حسنہ کے بارے میں جو کہا گیا اگر اس کا بغور مطالعہ کرو تو تم اس کو مامور من الشرع پاؤگے اور ہر ایک کا اشارہ کسی آیت، حدیث میں، یا آیت یا حدیث کی دلالت ضرور ہوگی کوئی بدعت حسنہ اس اشارہ یا دلالت سے خالی نہ ہوگی کوئی اس کی تہہ تک نہ پہونچ سکے یہ اور بات ہے۔

کسی نے ایک عالم سے حرم شریف کے چاروں مصلے کے بارے میں پوچھا کہ یہ تو نہ عہد نبوت نہ زمانہ صحابہ نہ تابعین نہ تبع تابعین میں تھا نہ خود ان اماموں نے اس کا حکم دیا تو انھوں نے فرمایا یہ بدعت حسنہ ہے۔ بدعت سیئہ نہیں۔ کیونکہ

ولا امر بها ولا طلبوا ها فاجاب بانها بدعة لكنها بدعة حسنة لا سيئة لانها تدخل بدليل السنة الصحيحة وتقررها فى السنة الحسنة لانها لم يحدث نها ضرر ولا حرج فى المسجد ولا فى المصلين من المسلمين وتقررها فى السنة الحسنة لانها لم يحدث منها ضرر ولا حرج فى المسجد ولا فى المصلين من المسلمين نعامة اهل السنة والجماعة بل فيها عميم النفع فى المطر والحر الشديدة والبرد فيها للقرب عن الامام فى الجمعة وغيرها فهى بدعة حسنة وليمون لبنعلم السنة الحسنة وان كان بدعة باهل السنة لا اهل البدعة لان النبى صلى الله عليه وسلم قال من سن سنة حسنة فسمى المبتدع للحسن مستنًا فادخله النبى صلى الله عليه وسلم فى السنة وقرن بذلك الابتداع وان لم يرد فى القول فقد ورد فى القول فقد ورد فى القول فالسان سنى لدخوله لتسمية النبى صلى الله عليه وسلم فيما قومن السنة وضابطه السنة ما تورده احدثه النبى صلى الله عليه وسلم ودام عليه واظهره ومن جملة فعله النبى صلى الله عليه وسلم سكوته على

یہ امر سنت صحیحہ کی دلیل اور تقریر سے سنت حسنہ میں داخل ہے کہ اس کی بنا سے مسجد یا مسلمان مصلیوں میں کوئی حرج پیدا نہ ہو۔ بلکہ اس میں تو ایک عام نفع ہے بارش اور سخت گرمی اور سخت سردی کے عالم میں اور جمعہ وغیرہ میں امام سے نزدیکی کا فائدہ ہے تو یہ بدعت حسنہ ہی ہے۔

اور تم دیکھتے نہیں کہ وہ اپنے اسی اتباع سنت کی وجہ سے اہل سنت کہے جاتے ہیں اہل بدعۃ نہیں کہے جاتے حالانکہ کام نیا کیا ہے۔ کیونکہ حدیث میں اچھی نئی بات نکالنے والے کو سنّت پر عمل کرنے والا کہا گیا۔ تو حضور نے اپنے فرمان میں ایجاد اور سنّت کو ایک ساتھ ذکر کیا تو ان افعال کا سنّت ہونا حضور کے فعل سے گو ثابت نہیں قول سے ثابت ہے پس نئی بات پیدا کرنے والا سُنّی ہے کہ حضور نے اس کو سنّت قرار دیا۔ تو قاعدہ کلیہ یہ ہوا کہ حضور نے جس کو کیا، کہا، اور مداومت فرمائی اور ظاہر کیا سنت ہے اور حضور کا ایک کام یہ بھی تو ہے کہ کام کرتے دیکھ کر چپ رہے تو یہ اس بات کی اجازت ہے کہ قیامت اچھی باتیں نکالی جاسکتی

امر لانہ تقریر و اذن فی ابتداع السنۃ الحسنۃ الی یوم الدین و انہ ماذون لہ بالشرع وماجور علیھا مع العالمین لھا بدوامھا.	ہیں اور ان پر اجر و ثواب ہے۔

امام موصوف کی اس مبارک تحریر سے حسب ذیل امور بصراحت ثابت ہوئے:

۱ —— بدعت کی پانچ قسمیں ہیں واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام ظاہر ہے کہ پہلی تین کا تعلق حسنہ سے ہے اور آخری دو کا سیئہ سے پس جس چیز کو نوایجاد دیکھا آنکھ بند کرکے اس پر بدعت کا فتویٰ دیکر گناہ قرار دینا حماقت ہے۔

۲ —— مسجد میں اذان کے لئے منارہ بنانا، دینی مدارس کی تعمیر، کتابوں کی تصنیف اور دلائل کی ترتیب بدعت مستحبہ میں سے ہے کہ منارہ اذان میں مددگار، مدرسہ اور کتابیں علم دین اور تعلیم قرآن اور تبلیغ شریعت میں مددگار۔ گویا جو کسی امر خیر کی تکمیل کا ذریعہ ہو وہ خود مستحب اور باعث ثواب تو کیا گیارھویں، میلاد، فاتحہ، قیام و سلام، ایصال ثواب، رفعت ذکر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں معین و مددگار نہیں جو شرعاً محبوب و ماموریہ ہیں۔

۳ —— اوپر جن بدعات حسنہ کا ذکر آیا ان سب کی شریعت کی طرف سے اجازت ہی نہیں شریعت نے اس کا حکم دیا ہے ماذون من الشرع ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان سب کا مقصد شریعت کی بقاء، اس کی تقویت، اس کی مخالفت کا ازالہ ہے اور اس کا باقی رکھنا ہے۔ اس کی تقویت مامور من الشرع ہے تو جو ذرائع اس کے ہوں وہ ضرور ماذون ہوں گے ——

مامور من الشرع ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا حافظوعلی الصلوٰۃ اور منارہ بنانے اور مدارس تعمیر کرنے میں حفاظت صلوٰۃ ہے تو گویا علی سبیل العموم یہی یہ امور بھی حافظوعلی الصلوٰۃ کے امر میں داخل ہوئے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا —— لا تقولوا علی اللہ الا الحق اور دینی کتابوں کی تصنیف اور دلائل کی ترتیب علی سبیل العموم ہی سہی قول علی اللہ الحق کے مصداق میں شامل ہے لہٰذا مامور بہ ہوئے۔ پس کیا فاتحہ مروجہ اور گیارہویں وغیرہ ایصال ثواب ولدصالح یدعولہ کے عموم میں شامل ہو کر ماذون بہ شرعاً نہ ہوں گے۔ اور میلاد و قیام ورفعنالک ذکرک اور واما بنعمت ربک فحدث کے عموم میں

شامل ہو کر مامور بہ شرعًا نہ ہوں گے۔

۴ کوئی شخص صرف اتنی سی بات سے ان امور خیر کو حرام اور بدعت نہ قرار دے کہ یہ امور زمانۂ سلف میں نہ تھے۔ زمانۂ صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں ان کا ظہور نہ ہوا کیونکہ اس کے بہت سارے اسباب ہو سکتے ہیں؛

(الف) اس زمانہ میں مجتہدین کی کثرت کی وجہ سے تصانیف کی ضرورت ہی نہ تھی۔

(ب) مخالفین تھے اس لئے مناظرانہ دلائل کی حاجت نہ تھی۔

(ج) ان کے پاس اتنا مال نہ تھا کہ یہ شاندار مساجد ان کے منارے، عالیشان مدرسے اور کتابوں کے بیش بہا مصارف برداشت کر سکتے اور اس کے لئے اوقاف و وظائف مقرر کرتے۔

(د) ان سے اہم امور میں مثلاً کافروں سے جہاد ملکوں کی فتح اور اسلام کے بنیادی اصولوں کی مضبوطی اور احادیث نبویہ کی حفاظت و اشاعت سے انہیں فرصت ہی نہ ملی کہ اس تزک و احتشام اور اس انتظام و اہتمام کے ساتھ ان امور کی طرف متوجہ ہوئے۔

یہ اور اس کے اور بہت سے اعذار ہو سکتے ہیں۔ پس کیا میلاد و فاتحہ کے سلسلہ میں ان اعذار اربعہ میں سے کوئی بھی ممکن نہیں جو اس وقت میں اس ہیئت کے ساتھ ان کے عدم رواج کا سبب بنا ہو کہ بار بار ہم سے پوچھا جاتا ہے۔ صحابہ نے مروجہ میلاد و فاتحہ کیوں نہیں کیا وہ خیر کے طالب نہ تھے کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کم محبت کرتے تھے؟ ہم کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس وقت اس سے اہم امور میں مصروفیت، قلت مال وغیرہ اعذار کی وجہ سے وہ اس اہتمام سے نہ کر سکے ہوں تو ان کا نہ کرنا اس کے حرمت کی دلیل کب ہے۔



(مولانا مفتی عبد المنان صاحب اعظمی)

اِسلام اور کمیونزم

عام تجربات اور روزمرہ کے مشاہدات کی روشنی میں بے جھجک اور بے خوف وخطر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں جب بھی سچ اور جھوٹ، حق اور باطل، امانت اور خیانت، سعادت اور شقاوت شرافت اور رذالت، لطافت اور کثافت اور اطاعت اور بغاوت کی آویزش ہوئی ہے تو فتح سچ کی ہوئی ہے جھوٹ کی نہیں، حق کی کرنیں چمکی ہیں باطل کی نہیں، امانت کا ڈنکا بجا ہے خیانت کا نہیں، سعادت نے سر پر تاج رکھا ہے شقاوت نے نہیں، شرافت کا نقارہ بجا ہے رذالت کا نہیں، لطافت نے دل ودماغ کے گوشوں میں جگہ پائی ہے کثافت نے نہیں، اور اطاعت سربلند اور سرفراز ہوئی ہے بغاوت نہیں!

اس کی وجہ یہ ہے کہ سچائی، حق، امانت، سعادت، شرافت، لطافت اور اطاعت ہی بنی آدم کا طرہ امتیاز ہے خود خالق عالم بھی اس کے ان اوصاف سے متصف ہونے پر فرماتا ہے "ولقد کرمنا بنی آدم" اور جب ذرا آگے بڑھتے ہیں تو پھر یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ قدرت نے تخلیق انسانی کو عَلَّمَهُ البَیَان سے سرفراز کرتے ہوئے ساری مخلوقات پر فوقیت دے کر اسے واضح کر دیا کہ حسن خلق کا پیکر سوائے اولاد آدم کے دوسرا نہیں ہو سکتا۔

اہل علم اور اہل دانش کے علاوہ کسی اجڈ، جاہل اور گنوار آدمی سے بھی اگر یہ پوچھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے کس کا درجہ بلند ہے؟ تو یقین جانیئے وہ دماغ پر زور ڈالے بغیر بڑی آسانی سے کہدے گا "آدمی!" —— کیونکہ وہ اپنی فکر ونظر کی تمام سمتوں میں جب اللہ تعالیٰ کی مخلوقات پر نظر ڈالتا ہے تو اسے سوائے آدمی کے اور کوئی بھی اس سے اعلیٰ اور افضل دکھائی نہیں دیتا!

دین فطرت کے داعیان علیہم الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے زمانہ دعوت میں انسانوں کو خلق و مروت کا پیکر بننے اور انسانی عظمت اور وقار کے سمجھنے اور اس سمجھ کے بعد اسے برقرار رکھنے کے لئے ہی فکری، نظری اور عملی تعلیم دی۔ جنھوں نے ان کا کہا مانا وہی صحیح معنوں میں اس انسانی معاشرہ کے افراد کہلائے۔ اور دنیا نے ان کی پیروی کی۔

جب منصب نبوت کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والاصفات سے سرفرازی ملی تو اس پیکر خلق عظیم نے سب سے پہلے "اللہ" کا تصور اس طرح کرایا کہ وہی سب سے بزرگ اور برتر ہے، وہی سبھوں کا خالق ہے اور ایک نہ ایک دن اسی کے پاس جانا ہے! اس لئے نظام حیات ایسا ہو جس میں نہ تو انسانوں کی ذات پات، رنگ، نسل، ملک اور قوم کی کوئی قید ہو اور نہ ہی ان کی آزادی میں غلامی کا شائبہ بھی آسکے! بلکہ صحیح معنوں میں "مساوات" رہے، چاہے ان کا شہری حق ہو یا سیاسی ہو یا معاشی! اس نظام حیات کا تقاضا اور مقصد وحید صرف انسانیت کی فلاح و بہبود ہونا چاہیئے۔

چنانچہ تاریخ کے اوراق اس بات پر شاہد ہیں کہ اس (اسلامی) نظام حیات کا کوئی گوشہ اس خصوصیت سے خالی نہیں ہے۔ انسانوں کے شہری، سیاسی اور معاشی حقوق چاہے ذاتی یعنی انفرادی ہوں یا اجتماعی، ہر ایک کی روح وہی انسانیت کی فلاح و بہبود ہے ہاں اگر کوئی شرط ہے تو یہ کہ دائرہ "اعتدال" سے باہر نہ ہو۔

مثال کے طور پر یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ ایمان بالغیب کے بعد نماز کا درجہ ہے اور اسی بنا پر اسے "عماد دین" کہا گیا ہے مگر یہ حکم نہیں ہے کہ دن رات کے چوبیسوں گھنٹے صرف نماز ہی میں مشغول رہیں بلکہ فرمان ہے ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتاً روزوں کے لئے بارہ مہینوں میں سے صرف ایک مہینہ اب کھانے اور پینے کے لئے عام اجازت "کلوا واشربوا" کہ ساری حلال چیزیں کھاؤ پیو مگر "ولا تسرفوا" — صدقہ اور خیرات کا بھی حکم ہے مگر "ولا تبسطها کل البسط"

اسی طرح اور دوسرے اوامر کے متعلق بھی ہے جس کی تفصیل میں جانے کے لئے چونکہ رسالہ کے صفحات متحمل نہیں ہوسکیں گے، اس لئے اسے یہیں چھوڑتا ہوں مگر اس ضمن میں اتنا

عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہر ایک کے لئے "اعتدال" کی قید لگی ہوئی ہے جس کی غرض صرف یہی ہے کہ اسلام کا تصوراتی اور اجتماعی نظام درہم برہم نہ ہونے پائے اور ہر فرد اپنی علمی، عقلی ذہنی اور جسمانی طاقتوں اور صلاحیتوں کا پورے طور سے استعمال کرے اور اس سے خود بھی متمتع اور مستفید ہو اور دوسروں کو بھی نہ صرف متمتع اور مستفید کرے بلکہ ان میں بھی اپنی ان گوناگوں صلاحیتوں کو کام میں لانے کی لگن پیدا ہو اور وہ ایک مثالی معاشرہ اور مثالی نظام حیات کے مثالی افراد ہو سکیں۔

اسلام کے معاشی نظام میں ایسی سرمایہ داری (اپنی ضرورت سے فاضل بچی ہوئی دولت جس کے حصول میں حرام اور ناجائز ذرائع مثلاً سود، سود در سود، احتکار (ضرورت کی چیزوں کو اس لئے روک رکھنا کہ ان کی قیمتیں گراں ہو جائیں۔ بددیانتی اور بے ایمانی وغیرہ استعمال نہیں کئے گئے ہوں، وہ بالکل جائز ہے اور اسلام کبھی بھی ایسی سرمایہ داری کے خلاف نہیں —— لیکن یہاں پر یہ بھی یاد رہے کہ اسلامی سرمایہ دار کا "سرمایہ" جیوں کا تیوں نہیں رہ سکتا اور نہ ہی وہ صرف بڑھتا ہی رہے گا کیونکہ جہاں پورے ایک سال کی مدت گزرے گی سرمایہ دار کو اس سرمایہ کی مجموعی رقم میں ڈھائی فیصد یعنی ہر سو روپے پر ڈھائی روپے کے حساب سے زکوٰۃ دینا ہوگی اور اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرنا ہوگا۔ اگر نہیں کیا تو سنئے فرمان باری ——

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝	جو لوگ سونے اور چاندی کے ڈھیر جمع کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے، تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ زکوٰۃ کا یہ کیسا حکم ہے؟ یہ ایسا اٹل ہے کہ اگر کوئی مسلمان زکوٰۃ کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرے اور اس سے انکار کرے تو حاکم وقت اس سے جہاد کرنے کا مجاز ہے —— دوسری بات جو اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ یہ سرمایہ اسی وقت تک اکٹھا رہے گا جب تک اس کا حاصل کرنے والا زندہ رہے گا، اس کے مرتے ہی اس کا سارا سرمایہ اس کے وارثوں میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس میں نکتہ یہ

ہے کہ اگر یہ اصول نہیں بنایا جاتا تو باپ کے بعد اس کا بڑا بیٹا اور پھر اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا (جیسا کہ جاگیردارانہ نظام کا عام دستور ہے) اس سرمایہ کا مالک اور مجاز ہوتا اور اسلام میں جاگیردارانہ نظام رواج پا جاتا جو اسلامی نظام معاش کی روح کے بالکل منافی ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان سنیے :—

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۝	تاکہ دولت تم میں سے دولتمندوں کے درمیان محصور ہو کر نہ رہ جائے۔

مختصر یہ کہ چونکہ اسلامی نظام اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا ہے اس لئے اس میں انفرادی اور اجتماعی آزادی ہے اور یہ آزادی نہ صرف اس کی ذہنی اور جسمانی نشو و نما کے لئے ہے بلکہ اس کے شہری سیاسی اور معاشی حقوق کو بھی حاصل ہے مگر "سواء السبیل" (راہ اعتدال) سے ایک انچ بھی ہٹ کر نہیں! —— اسی لئے یہ آسان، سہل الحصول، قابل قبول، آفاقی، ہمہ گیر، عالمگیر، پائیدار اور ٹھوس ہے اور رہے گا! لیکن اس کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے ایک اللہ کا تصور کرنا ہوگا اور حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی عالم اور رحمت عالم ماننا ہوگا اور امور معاد سزا و جزا پر یقین کامل رکھنا ہوگا۔

اسلامی نظام حیات پر طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد اب مناسب یہ ہے کہ اشتمالی اصولوں پر ترتیب دیئے ہوئے نظام حیات کا سرسری جائزہ لیا جائے۔ تاکہ عام طور سے ہمارے نوجوانوں میں جو بے راہ روی آتی جا رہی ہے اس کا سدباب ہو سکے۔ بالفرض محال اگر محال اگر پورا سدباب نہ بھی ہو سکے تو کم سے کم اتنا تو ضرور ہو کہ اس ناچیز راقم، جسے اپنی علمی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا اقرار ہے، کے ذمہ جو فرض ہے وہ تو ادا ہو جائے —— اشتمالی نظام حیات کو پیش کرنے سے پہلے اس کی ترتیب و تدوین کے محرکات کا پیش کرنا غالباً نامناسب نہ ہوگا۔

صنعتی انقلاب (۱۷۶۴ء) سے پہلے مغربی ممالک میں بادشاہ مطلق العنان اور بے فکر تو ہوتے ہی تھے، عیش و آرام میں بھی اتنے ڈوبے رہتے تھے کہ انھیں اپنی رعایا کے دکھ درد کی بالکل پرواہ نہ تھی، اپنا خزانہ ہمیشہ بھرا پڑا رکھنے ہوئے سامنتوں (زمین داروں اور رئیسوں)

کو اپنا آلہ کار بنا رکھا تھا، جو رعایا سے قہر و جبر کر کے کافی رقم وصول کرتے مگر بادشاہ کو ایک مقرر رقم دے دیا کرتے تھے۔ مذہبی امور کے سلسلہ میں رعایا کو چرچ کے پادریوں کے پنجہ میں چار و ناچار پھنسنا پڑتا تھا اور یہ پادری طرح طرح کے حیلے اور بہانے کر کے کافی رقم اینٹھتے اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ عیش اور آرام کی زندگی گزارتے تھے!۔۔ اس پر طرہ یہ کہ ان پادریوں کی بھی دو قسمیں تھیں، ایک امیر اور ایک غریب!۔۔ غریب پادری بھی امیر پادریوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔۔۔ اب دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیئے کہ بادشاہ سلامت اور امیر پادری بڑی شان و شوکت اور عیش و آرام کے ساتھ زندگی گزارتے تھے ۔۔۔ لیکن تکلیف اور مصیبت اور عسرت و تنگ دستی صرف بے چارے تاجر، مزدور، عوام اور دوسرے درجہ کے پادریوں کی قسمت میں لکھی ہوئی تھی۔

صنعتی انقلاب کے بعد جب خام اشیاء سے کافی سے زیادہ چیزیں تیار ہونے لگیں اور ان چیزوں کی منہ مانگی قیمتیں، صنعت کاروں کے گھر جانے کے بدلے کارخانہ داروں اور مل کے مالکوں کے پاس جانے لگیں تو سرمایہ داری اپنے نقطۂ عروج پہ پہنچ گئی اور مزدوروں اور عام جنتا کی حالت بد سے بدتر ہوگئی سرمایہ داران غریبوں کو اپنے مکر و فریب اور ظلم و ستم کے نت نئے اوزاروں سے اس بُری طرح چھلنے لگے کہ انسانیت کی روح کانپنے لگی اور ستم بالائے ستم یہ کہ نہ ان کا کوئی فریاد رس تھا اور نہ ہی پشت پناہ! اس لئے ان کی زندگی واقعی اجیرن بنی ہوئی تھی، آخر امید کی کرن نمودار ہوئی اور مزدوروں میں عام بیداری کی لہر دوڑ گئی کیونکہ ان کے (مزدوروں کے) بظاہر سرپرست اور ہمدرد یکے بعد دیگرے نمودار ہونے لگے مثلاً سیمون SIMON (۱۷۶۰ سے ۱۸۲۵ء)، فوریر FOURIER (۱۷۷۲ سے ۱۸۳۷ء)، رابرٹ اون ROBERT OWEN (۱۷۷۱ سے ۱۸۵۱ء)، لوئی بلان LOUIS BLANCE (۱۸۱۳ سے ۱۸۸۲ء) مگر کارل مارکس (۱۸۱۸ سے ۱۸۸۳ء) کو جو عزت اور شہرت نصیب ہوئی وہ ان میں سے کسی کے حصہ میں نہ آسکی۔

مارکس ۱۸۱۸ء میں رائن لینڈ، جرمنی کے شہر ٹرائر میں پیدا ہوا تھا، یہ یہودی تھا مگر اس کا خاندان اس کے بچپن میں پروٹسٹنٹ کا حلقہ بگوش ہوگیا تھا اس نے بون اور برلن

یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کا خاص موضوع تاریخ قانون اور فلسفہ تھا۔ اس میں خصوصیت کے ساتھ جرمنی کے مشہور فلسفی ہیگل (۱۷۷۰ سے ۱۸۳۱ء) کے فلسفہ کی طرف متوجہ تھا۔ یہ ہیگل وہی ہے جس کی مملکت کسی اصول کی پابند نہیں ہوتی اور نہ کسی حیثیت سے جواب دہ ہوتی ہے۔ جس کی مثال جرمنی کی تباہ شدہ کلیت پسند مملکت ہے۔

مارکس کے نظریہ اور اس کی ذہنی اور عملی کاوشوں سے اثر پذیر ہونے والوں نے پہلے اسے پیغمبری کا منصب دیا لیکن بعد میں اس کو (نعوذ باللہ) خدائی کے درجہ پر پہنچایا اور لینن کو پیغمبری کا منصب عطا کیا۔ مارکس کے دوستوں میں اینجلز (۱۸۲۰ — ۱۸۹۵ء) کا مقام بھی کم اہم نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مارکس اور اینجلز کی ملی جلی کوششوں سے جب اشتمالی منشور (COMMUNIST MANIFESTO) فروری ۱۸۴۸ء میں شائع ہوا تو دھوم مچ گئی۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ پچھلی آدھی صدی میں اس کے لاکھوں لاکھ نسخے مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن اس دھوم مچنے کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ اس میں اسلام کے آغاز فکر یعنی خالق کائنات کے تصور سے بالکل آزادی تھی۔ ان کا نقطہ آغاز "روٹی" اور "مادہ" تھا —— سیدھے سادھے الفاظ میں اسے اس طرح کہیئے کہ اسلام کا سنگ بنیاد خالق کائنات کا تصور اور اشتمالیت (کمیونزم) کی بنیاد "روٹی" اور "مادہ"

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا!

اسلام عقائد و عبادات کا مجموعہ، زندگی کا ایک مربوط نظام عمل اور حکومت و معاشرت کا مکمل دستور ہے —— اور کمیونزم لادینیت کا مجموعہ، زندگی، حکومت اور معاشرت کا نامربوط ادھورا اور ناپیدار دستور ہے!

اسلام کسی کی محنت و مشقت سے کمائی ہوئی جائز اور حلال دولت کو اس سے اس لئے نہیں چھینتا کہ اس نے اتنی دولت کیوں جمع کر لی بلکہ اسے یہ بتلاتا ہے کہ چونکہ تم نے اپنی عقل اپنے دماغ، اپنی سوجھ بوجھ اور اپنی محنت سے زمین کے سینہ کو چیر کر نکلنے والی چیزوں کو مفید اور کارآمد بنا کر جب پونجی اکٹھا کر کے اپنے کو باعث فخر اور لائق ستائش بنا لیا ہے تو تم پر فرض یہ ہے کہ تم اپنے کنبے قبیلے اور اپنے معاشرہ کو بھی اسی طرح اپنی دماغی اور جسمانی محنتوں

ے کام لینے کے لئے آمادہ کرو تاکہ تمہارا قبیلہ اور تمہارا معاشرہ ایک مثالی بن جائے اور اس کے لئے ضروری یہ ہوگا کہ تم ان کی مالی اعانت کرو" ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ"

انسان نہیں سوچے یہ اور بات ہے مگر ذرا سا بھی سوچنے پر ان باتوں کے علاوہ مزید یہ بات بھی آسانی سے ذہن میں آجائے گی کہ اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ فن کاروں اور صنعت کاروں کی اس لئے ہمت افزائی فرماتا ہے کہ وہ اس کی قدرت کے نمونوں کے صفحوں پر بیل بوٹے بنائیں اور اس متن پر خوب خوب حاشیے چڑھائیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور یہ مطمح نظر نہ ہوتا تو کس فن کار اور صنعت کار کو پڑی تھی کہ وہ اپنی دماغی اور جسمانی محنتوں کو کام میں لاتا جب کہ اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ لاکھ محنت کروں مگر اس کا ثمرہ مجھے نہیں ملے گا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ نہ اس میں جدت طرازی آتی اور نہ ہی وہ اپنی فنکارانہ صلاحیتوں میں بے جگری سے اضافہ کرتا بلکہ مشین کی طرح بے سوچے سمجھے ایک کام میں لگا رہتا اور صرف کام کے اوقات کی مدت تک پہونچنے کے لئے وہ اسی طرح گھنٹوں اور منٹوں کو گنتا رہتا۔ مگر چونکہ کیمونزم کے دستور میں "خدا" نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ اس لئے اس دستور کے بانیان مارکس، اینجلز، لینن اور اسٹالن وغیرہ کے صحیفوں میں اوّل تو سرمایہ داری اور شخصی دولت کا قلع قمع کرنے کے لئے احکام بنائے گئے اور فنکاروں اور صنعت کاروں کو ان کی محنت ومشقت کے ثمرہ سے یک قلم محروم کر دینے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ان کے لئے ایک محدود اور مقرر رقم مقرر کر دی گئی۔ اولاد کو ان کے والدین کے ترکہ سے محروم کر دیا گیا۔ سرمایہ داری کو نیست و نابود کر دینے کے پردہ میں انسانیت کو کچل کر رکھ دینے اور اس کی آزادی کو ظلم وستم کے لوہے کے مضبوط جبڑوں سے چبوا دینے کے لئے ساری طاقتوں کو کام میں لایا گیا۔ لیکن جب ان کے دستور کے خود متبعین بھی زار کے انسانیت سوز مظالم کو مٹانے کے لئے ایک پارٹی کی حیثیت سے جمع ہوئے تو دو حصوں میں بٹ گئے، یعنی ایک تو وہ ہوئے جو انقلاب اور خوں ریزی سے گھبراتے تھے ان کی تعداد کم تھی یہ مانشویک (MANSHEVIC) کہلائے اور انقلاب اور خوں ریزی کو اور ظلم کو جو جائز سمجھتے تھے اور اسی کے دلدادہ تھے وہ بالشویک (BOLSHEVIC) ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان "احکام" میں ترمیم وتنسیخ کی گئی اور یہ سلسلہ آج تک قائم ہے اور قائم رہے گا۔

یہاں تک کہ انسانیت صحیح معنوں میں بیدار ہو جائے گی اور وہ خود ہی کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کر کے رکھ دے گی۔

چونکہ میرے مضمون کے عنوان "اسلام اور کمیونزم" کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ میں اسلامی یا اشتمالی ممالک کی داخلی اور خارجی سیاست پر بھی روشنی ڈالوں اس لئے مجھے یقین ہے کہ آپ بھی اس باب میں میرے ہمنوا ہوں گے کہ میں اپنی زبان قلم کو اس حرف آخر کے بعد خاموش کر دوں کہ

چونکہ اشتمالیت (کمیونزم) کی بنیاد نری مادیت پر ہے۔ اس لئے اس سے انسان کی تشفی ناممکن ہے، اور اس "مادیت" کا نتیجہ سوائے لذتیت کے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ وہ فلسفہ جو نری "مادیت" پر مبنی ہو گا اور دنیا کو صرف "ذرات" کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کرے گا۔ اس میں کسی مذہبی یا روحانی تصور کا سوال ہی نہیں پیدا ہو گا۔ ان کے یہاں تو مدہ ہی سب کچھ ہو گا ان کا "خدا" ان کی "روٹی" ہو گی اور ان کا "انسان" اپنی دنیا کا آپ ہی "خالق" اور "ناظم" ہو گا۔

اس لئے اسلام اور کمیونزم دو مختلف اور متضاد چیزیں ہیں، ان میں سے ایک کا دوسرے سے نہ تعلق ہوا ہے اور نہ ہو گا۔



(مولانا ابوالعزم صاحب جہتی چترہ)

قابل مطالعہ اور ایمان افروز کتابیں

نام کتاب	قیمت
نور الایمان۔ از مولانا عبد الحکیم فرنگی محلی	٥٠ — ٧
حیات النبی از علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی	٠٠ — ٥
میلاد النبی 〃 〃 〃 〃 〃	٠٠ — ٣
التبشیر مع التنویر 〃 〃 〃 〃 〃	٠٠ — ٥
معراج النبی 〃 〃 〃 〃 〃	
کتاب التراویح 〃 〃 〃 〃 〃	٠٠ — ٢
تسبیح الرحمٰن 〃 〃 〃 〃 〃	٠٠ — ٢
الحق المبین 〃 〃 〃 〃 〃	٥٠ — ٣
نفی الظل 〃 〃 〃 〃 〃 (زیر طبع)	
تقریر منیر 〃 〃 〃 〃 〃	
الصوارم الہندیہ۔ از مولانا حشمت علی خاں	٠٠ — ٩
محمد رسول اللہ قرآن میں۔ از علامہ ارشد القادری	٠٠ — ٣
سوانح غریب نواز از ارشد القادری بشتاق احمد نظامی	٠٠ — ٤
منکرین رسالت کے مختلف گروہ۔ از علامہ ارشد القادری	٥٠ — ٢
امامِ نعت گویاں۔ از جناب اختر الحامدی	٠٠ — ٦
انیس الارواح۔ از خواجہ عثمان ہارونی	٥٠ — ٤
آئینۂ حق۔ از مولانا ابو النصر منظور احمد شاہ	٥٠ — ٧
فیوضاتِ فریدی۔ 〃 〃 〃 〃 〃	٠٠ — ٨
شہبازِ قدس۔ 〃 〃 〃 〃 〃	٠٠ — ٣
قانونِ شریعت مکمل۔ از مولانا شمس الدین رضوی (زیر طبع)	
العقائد۔ مرتبہ مولانا مشتاق احمد نظامی الٰہ آباد	٥٠ — ٩
الشاہ احمد رضا بریلوی	٥٠ — ٧
افضلیت صدیق اکبر۔ از مفتی غلام سرور قادری	٠٠ — ٨
قہرِ خداوندی۔ از مولانا حسن علی رضوی	٠٠ — ٩
برقِ آسمانی۔ 〃 〃 〃 〃	٥٠ — ٧
طمانچہ از مولانا خلیل اشرف اعظمی	٠٠ — ٥
ہاتھی کے دانت 〃 〃 〃 〃	
تحفۂ مومن (اردو) از جلال الدین سیوطی	٠٠ — ٣
اکابر دیوبند کا تکفیری افسانہ۔ از حسن علی رضوی	٠٠ — ٣
الغراب الخبیث دیسی کوے کا حکم	٠٠ — ١

نام کتاب	قیمت
تفسیر نعیمی اول تا ہشتم	٠٠ — ٢١٠
مراۃ شرح مشکوٰۃ مکمل	٠٠ — ٢٤٠
گنبدِ خضراء اردو	٠٠ — ٢١
خصائص کبریٰ اردو جلد اول	٠٠ — ٣٦
جواہر البحار اردو	٠٠ — ٢٧
جاء الحق کامل	٠٠ — ٣٣
تفسیر نور العرفان	٠٠ — ٦٠
مدارج النبوت اردو کامل	٠٠ — ٨١
بارہ تقریریں	٠٠ — ١٥
مواعظ رضویہ اول مجلد	٥٠ — ١٥
〃 〃 دوم غیر مجلد	٠٠ — ٢١
نورانی مواعظ اول	٠٠ — ١٨
〃 〃 دوم	٠٠ — ١٨
〃 〃 سوم	٠٠ — ٢١
نورانی زیور	٠٠ — ٢١
تذکرہ اکابر اہلسنت	٠٠ — ٣٠
تحفہ اثنا عشریہ اردو	٠٠ — ٤٨
ہمارا اسلام کامل	٢٥ — ١١
کلیات اعظم	٠٠ — ٢٧
فتاویٰ رضویہ اول تا پنجم	٠٠ — ١٨٠
تحقیقی اور ادبی جائزہ	٠٠ — ٣٦
حدائقِ بخشش (اردو)	
تاریخ الخلفاء اردو	٠٠ — ٣٦
شواہد النبوت اردو	٠٠ — ١٨
تذکرۃ الاولیاء اردو	٠٠ — ١٤
جذب القلوب	٠٠ — ١٥
احکام شریعت	٥٠ — ١٠
حدائق بخشش	٥٠ — ٧
ذکر جمیل	٠٠ — ١٢
ذکر الحسین	٠٠ — ٩
شرح الصدور اردو	٠٠ — ١٥
غوث الثقلین	٥٠ — ٦
غنیۃ الطالبین اردو	٠٠ — ٣٦
فتاویٰ افریقیہ	٥٠ — ٤
فتاویٰ مظہری	٠٠ — ١٨
فتوح الغیب	٥٠ — ٤
مقیاس وہابیت	٠٠ — ٢٢
مقیاس النور	٥٠ — ٩

نام کتاب	قیمت
مقیاس مناظرہ	٠٠ — ١٠
رکن الدین کتاب الصلوٰۃ مجلد	٠٠ — ٨
خون کے آنسو	٥٠ — ١٣
الاستمداد	٥٠ — ٧
تذکرہ مشائخ قادریہ	٠٠ — ١٥
مکتوبات امام ربانی اردو کامل	٠٠ — ٧٢
حسام الحرمین	٥٠ — ٧
تبلیغی جماعت	٥٠ — ٧
زلزلہ	٥٠ — ٧
مشائخ چشت	٠٠ — ٢٣
کربلا کا مسافر	٠٠ — ٩
الخیرات الحسان مجلد	٠٠ — ٦
اوراق غم	٠٠ — ١٨
بصیرت	٠٠ — ١٢
تسکین الخواطر	٠٠ — ٦
الدولۃ المکیہ اردو	٥٠ — ١٠
شمع شبستان رضا کامل	٥٠ — ٣٠
شرح قصیدہ بردہ شریف	٠٠ — ١٥
شرح قصیدہ غوثیہ	٠٠ — ١٢
کشف المحجوب اردو	٠٠ — ٢١
کیمیائے سعادت 〃	٠٠ — ٣٦
کوثر الخیرات	٠٠ — ٢٤
رکن دین کتاب الحج	٠٠ — ١٢
توضیح البیان	٠٠ — ٨
رسائل رضویہ اول	٠٠ — ١٨
〃 دوم	٠٠ — ٢٤
مجموعہ رسائل کامل	٥٠ — ١٩
ملفوظات اعلیٰحضرت کامل	٠٠ — ١٨
سیرت رسول عربی	٥٠ — ١٣
فیوض الرحمٰن ترجمہ تفسیر روح البیان (اردو) اول تا ہشتم	٠٠ — ١٦٠
الدرر السنیہ اردو	٢٨ — ٢
الصواعق المحرقہ (عربی	
الشفاء قاضی عیاض (ع	
تحفہ اثنا عشریہ فارسی	
تفسیر ابن عباس عربی	
مدارج النبوت اردو کا	